بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبح زندگی

تصنیف

مصورِ غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

مصنف :۔ شام زندگی، شب زندگی، طوفان حیات، الزہرا، وغیرہ وغیرہ

جسے

ملا محمد الواحدی دہلوی

نے

بماہ جمادی الاول ۱۳۴۴ ہجری النبوی مطابق دسمبر ۱۹۲۵ عیسوی

بارہویں مرتبہ

اپنے درویش پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت ایکروپیہ آنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

جو کہیں ماں کا بس چلے تو وہ بجلی کی طرح نسیمہ کا بھی ایسا گھر کھوج کھوئے کہ گھر تو گھر محلہ بھر تھرتھر
تھرتھری کرتا۔ مگر وہ تو خدا بیچاری سنجیدہ کا بھلا کرے ہیترا ہی بجائی بجاوج جنے مرتے لیکن اس
اللہ کی بندی نے ایک نہ سنی۔ دو سوا دو برس تک تو خیر دودھ کی بھی ہی سے منہ دہ رہی۔ مگر
ادہر دودھ چھٹنا تھا کہ اُدہر وہ ایک کان گونگا اور ایک بہرا کر بڑا مکان خالی کروا بھیجی کو ساتھ لے
جھٹ الگ ہو گئی۔ پھر طرہ یہ کہ دیوار بیچ گھر اور کیا مجال جو دم بھر کو لڑکی بے پوچھے اُدہر چلی جائے
دونوں بیٹیوں کا آمنا سامنا نہ ہوتا۔ پاس رکھنے کی الفت دودھ پلانے کی محبت کچھ ہی سمجھو
برس چھ مہینے تو ماں بہت تڑپڑائی اور پھر تو کلیجے پر پتھر رکھ یہ بھی الگ تھلگ ہو گئی۔ گو بالکل
مزاج میں اثر پیدا کرنے کے واسطے وہ دو برس بھی کچھ کم نہ تھے۔ اگر سنجیدہ اُکھاڑ کر بیٹھ جاتی
تو ضد کا بیج نسیمہ کی طبیعت میں ابھی سے ایسا پڑ گیا تھا کہ چند ہی روز میں خاصا گہن اور
بچی بات بیچ کر سنجیدہ نے بھتیجی کو کھلایا سونے کا نوالہ اور دیکھا غیر کی نظر۔ ماں کی گود
چھوٹی تو بہت اور ضد اڑیاں اور نخرا ایک چھوڑ چار چار عیب جڑ گئے۔ ماں کی کیفیت یہ تھی
کہ بچی نے زرا ضد کی اور اس نے گھٹنوں گود میں لیکر ٹہلنا شروع کیا دہی رنگ اب بھی جیا یا ہوا تھا
کہ سنجیدہ تو وہ عورت تھی کہ نسیمہ کیا اگر نسیمہ کا باپ بھی ہوتا تو چار دن میں نکلے کے بل نکال دیتی

اطلاع

صبح زندگی کا دائمی حق اشاعت جناب شیخ عبد القادر صاحب وزیر تعلیم حکومت پنجاب
نے مجھے دیدیا ہے۔ اس لئے کوئی صاحب اسے یا اس کے کسی حصہ کو بطور خود چھاپنے کا
قصد نہ کریں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہوں گے۔ ہاں کتب فروش حضرات اگر
فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں
جس کتاب پر پبلشر کے قلمی دستخط نہ ہوں وہ مال مسروقہ سمجھی جائے گی۔

خاکسار محمد الواحدی مالک و اڈیٹر نظام المشائخ پوسٹ بکس ۱۵ دہلی

تصنیفات مصور غم علامہ راشد الخیری مد ظلہ

صبح زندگی عمہ	جوہر قدامت عمہ	محبوبۂ خداوند ۱۲/	سوکن کا جلاپا عہ
شام زندگی عمہ	یاسمین شام عمہ	آفتاب دمشق عمہ	دعالتائے ۸/
شب زندگی حصہ اول عہ	تیغ کمال عمہ	سوفدہ ۸/	سنجوگ ۱۰/
شب زندگی حصہ دوم عہ	سرنا کا چاند عمہ	بنت الوقت ۸/	گوہر مقصود ۶/
نوحہ زندگی ۱۲/	سنابل الساہرہ حصہ اول عہ	سراب مغرب ۸/	در شہوار ۱۰/
امت کی مائیں عہ	سنابل الساہرہ حصہ دوم عہ	فسانہ سعید ۸/	شاہین و دراج ۸/
الزہرا ۱۲/	ماہ عجم عمہ	تائید غیبی ۸/	انگوٹھی کا راز ۸/
قطرات اشک عمہ	عروس کربلا عمہ	لڑکیوں کی انشا ۱۲/	جوہر عصمت ۶/

سب کتابوں کے ملنے کا پتہ: منیجر نظام المشائخ پوسٹ بکس نمبر ۱۵ دہلی

(۲)

دوپہر کے وقت ایک روز کہیں سے حصہ آیا۔ ماما اٹھا کر دالان میں لائی۔ بریانی متنجن کے دو طباق چوٹی دار بھرے ہوئے۔ نسیمہ خوشی کے مارے اچھلتی ہوئی اُدھر چلی۔ ماں تو شاید پرواہ بھی نہ کرتی۔ مگر سنجیدہ کو بچی کی یہ حرکت اچھی نہ معلوم ہوئی۔ اٹھی دونوں طباق اٹھا چھینکے پر رکھ الگ جا بیٹھی۔ حصہ کا سامنے سے ہٹنا تھا نسیمہ لگی ایڑیاں رگڑنے اور پٹخنیاں کھانے۔ بچی نے تو وہ فیل مچائے کہ گھر سر پر اٹھا لیا۔ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین۔ چاہیئے کہ پھوپھی ان ڈھکوسلوں میں آ چاول اتار آگے رکھدیتی۔ تو یہاں اس کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ بلکہ ماما نے تو کہا بھی بیوی وہ کھائیں گی کتنا؟ ایک نوالہ دیدو بچہ کی ضد ہے۔ دیکھو تو رو رو کر خون کر رہی ہے"

سنجیدہ" ہوش کی خبر لو۔ یہ شریفوں کی باتیں ہیں کہ چیز آتے دیر نہیں ہوئی اور اُس نے بلکنا شروع کیا۔ چیخنے دو مردار کو۔ میں بھی تو دیکھوں کب تک روتی ہے۔ چاہے رات ہو جائے مگر بھورا تک نہ دوں"

نسیمہ بہتیرا روئی اور پیٹی چیخی اور چلائی۔ مگر سنجیدہ جس کا نام تھا وہ اپنی جگہ سے نہ سرکنا تھا اور نہ سرکی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تک دالان بھر میں لوٹیں لگاتی رہی آخر اسی طرح بلک بلک سوگئی۔ اٹھی تو چار بج چکے ہونگے۔ پھوپھی نے کہا لے ہے نسیمہ! دیکھو تو سہی کپڑے کیسے چکٹ ہو رہے ہیں۔ آ بیٹا نہلا کر کپڑے بدل دوں۔ اچھی بڑی بی ذرا پانی کی گھڑیا غسل خانہ میں رکھ دینا۔ نہلا دھلا اجلے کپڑے بدل چکی تو پاس بٹھا کر کہنے لگی۔

کیوں نسّن! شریفوں کی بچی اور پاجیوں کے گُن۔ ایسی بدنیتا و ندیدی کہ بریانی دیکھ کر گر گئی۔ اتنے رونے سے کیا ملا اور سب نے ندیدی ہی ندیدی کہا۔ کیوں بیٹی کیا تم نے کبھی چاول دیکھے نہیں۔ اگر نہ مانگتیں تو کیا میں تم کو دیتی نہ؟ جو تم نے اپنی جان ہلکان کی توبہ توبہ کس کام کی ایسی نیت۔ موئے چاولوں کے پیچھے بھی اچھے ہونگے۔ دیکھو سُندر کا چین کے ساتھ اس کی لڑکی سکھیا آتی ہے۔ بھرا ہوا چھیبا ہوتا ہے۔ کبھی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتی ہے؟

آج تو خیر میں نے تم کو چھوڑ دیا۔ اب اگر کسی چیز کو دیکھ کر بلکیں یا مانگیں تو ایسا ماروں گی کہ تمکو مزہ ہی آجائیگا۔

دل کیا کرا۔ زبان کی میٹھی۔ کام بنا ہوا تھا۔ پھوپھی کے منہ سے بات نکلنے کی دیر تھی۔ سیدھی بھتیجی کے دل میں جا اتری۔ وہی نسیمہ جو دو نوالے چاولوں پر کچھ ہلکان ہوئی منوں چیز گھر میں آتی اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتی۔

(۳)

تخمِ تاثیر صحبت کا اثر۔ سنجیدہ جیسی عورت، بچپن کی پھوپی، ماں کی ماں، اُستانی کی اُستانی، معلّم کی معلّمہ، جس کی رگ رگ میں خدا کی عظمت اور مذہب کی وقعت بھری ہوئی تھی۔ اس کی تربیت کا فیض جو کچھ نہ ہوتا تھوڑا۔ جاڑا پالا گرمی برسات، صبح و شام دن رات آندھی جائے مینہ جائے مگر اس کی نماز اور قرآن نہ جائے۔ اتنا وہ ہم سے زیادہ سمجھتی تھی کہ یہ چھ برس کی جان سمجھے گی تو کیا خاک مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتی تھی اور خوب جانتی تھی کہ کچی لکڑی کے سیدھا کرنے کا یہی وقت ہے۔ ذرا غفلت کی تو سانپ نکل گیا۔ لکیر کو بیٹھی پیٹا کروں پھر ٹھنڈے لوہے پیٹنے سے درست ہونے والے نہیں۔ سنبھلی کا نمونہ موجود ہے۔ تیرہ چودہ برس کی لونڈیا بیٹی کیسی نماز اور کہاں کا روزہ کدھر کا خدا اور کس کا قرآن۔ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھی منہ پر دو چار چھپکے مار تازہ باسی جو ہاتھ لگا کھانے بیٹھ گئی۔ چھوٹی مکار لڑکی مغرور، خانہ داری سے الگ، شرم و حیا سے کوسوں دور۔ ذرا کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور آواز ہے کہ محلے پہنچ رہی ہے۔ ماں کی لاپرواہی ماں کو خیال نہ ہوا نہیں بلی جنگلی لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ سنجیدہ کے واسطے یہ اُفتاد خاصا اچھا سبق تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی بچی کو اس ڈھرے پر ڈال لیا کہ نماز سے فارغ ہوئی۔ قرآن کھولا اور وضو کر جا نماز پر ساتھ لے بیٹھی۔ گرمی کے موسم میں ایک روز صبح کا سہانا وقت تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سنجیدہ نسیمہ کو پاس بٹھائے قرآن پڑھ رہی تھی۔ کوٹھے کی منڈیر پر شاما نے بولنا شروع

کیا۔ بچی کچھ دیر تو چپکی بیٹھی غور سے دیکھتی اور شوق سے سنتی رہی اور پھر کہنے لگی۔

لے لو پھوپھی اماں۔ مینا بول رہی ہے۔

پھوپی۔ تم جانتی ہو۔ یہ کیا کہہ رہی ہے۔

نسیمہ۔ نہیں تو۔ کیسے مزے سے بول رہی ہے۔

پھوپھی۔ یہ صبح ہی اٹھکر خدا کی تعریف کر رہی ہے اور دعا مانگ رہی ہے کہ سارا دن خیر صلاح سے گزر جائے۔

پھوپی۔ خدا بھی سن رہا ہے کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ خدا تو آسمان پر ہے۔ ہاں ہاں پھوپھی اماں دیکھو اس کا منہ بھی آسمان ہی کی طرف ہے۔ خدا ہی سب کو کھانا بھی دیتا ہے اچھی پھوپی اماں مجھے بھی رات کو اسی نے آم دیئے تھے۔

پھوپی۔ ہاں ساری دنیا کو وہی کھلاتا پلاتا ہے۔ امیر ہو چاہے غریب، آدمی ہو چاہے جانور سب اسی کے محتاج ہیں۔ رونگٹا رونگٹا اس کا شکریہ ادا کرے تو پورا نہیں ہو سکتا ماں سے زیادہ چاہنے والا۔ باپ سے زیادہ پیار کرنے والا۔ تکلیف کا سننے والا۔ دکھ درد میں کام آنے والا۔ کھانا۔ پانی۔ کپڑا لتا۔ گہنا پاتا۔ اوڑھنا۔ بچھونا سب اسی کی برکتیں ہیں۔

نسیمہ اچھی اچھی میری پھوپی اماں لاؤ میں بھی خدا کی تعریف کروں۔

پھوپی۔ تم کہاں تک اس کی تعریف کروگی اس کی محبت تو دیکھو۔ دیکھنے کو آنکھیں دیں باتیں کرنے کو منہ دیا۔ کام کاج کو ہاتھ دیئے۔ چلنے پھرنے کو پاؤں دیئے۔ کس کس چیز کا شکر کروگی۔ ہماری بہنیں بہت سی ایسی ہیں جنکو گز بھر تھگلی بھی نصیب نہیں جو پڑی ہیں، وزیرآباد سے آتی دفعہ دیکھا نہیں تھا؟ بہت سے فقیر اور فقیرنیاں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر سکڑے پڑے تھے۔ لحاف نہ رضائی پلنگ نہ چارپائی۔ رحیمن بیچاری کو دیکھو آنکھوں سے اندھی ہاتھوں سے لولی پاؤں سے لنگڑی یہ بھی تو آخر ہماری جیسی آدمی ہے

تندرست تھی تو بیتری کہا رحیمن کمبخت کبھی تو خدا کو بھی یاد کر لیا کر۔ مگر اس چار دن کی زندگی پر ایسی پھولی کہ کبھی بھول کر بھی اس کے آگے سر نہ جھکایا۔ اب بیچاری کو کسی کو رحم آگیا۔ آدھی پاؤ روٹی دیدی نہیں تو کڑاکے کے فاقے۔ جو بویا وہ کاٹے۔ جیسا کیا ویسا بھگتے۔ ہم سب مرد اور عورتیں اللہ کے لونڈی غلام ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہر وقت اس کا شکریہ ادا کرتے رہیں دلوں کے حال وہ جانتا ہے جو کہتے ہیں وہ سنتا ہے جو کرتے ہیں وہ دیکھتا ہے۔ ذرا اپنے گملوں کو تو دیکھو کیسے رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں۔ یہ سب اسی کی قدرت کا نمونہ ہے چاند سورج دن رات سب چیزیں ہمارے آرام کے واسطے بنائیں۔ دیکھو یہ پھول ہوا سے سر سرا نہیں رہے اپنے خدا کی درگاہ میں سر جھکا رہے ہیں۔ نسیم بیوی صبح ہی اٹھکر گڑیوں کے سنوارنے کی تو پڑ جاتی ہے۔ کبھی یہ بھی خیال آتا ہے کہ اپنے تئیں بنا سنوار کر خدا کے حضور میں حاضر کرو۔ بتاؤ تو کبھی دن میں کے دفعہ وضو کرکے نماز پڑھتی ہو۔ بڑی بی کو دو روپے مہینے اور کھانے پر ہم نے گویا مول لے لیا۔ ذرا کام کو دیر ہو جاتی ہے تو کیسا غصہ آجاتا ہے پرسوں تمہاری کھچڑی ذرا جل گئی تھی کتنی بگڑی ہو۔ مگر تم کو بھی کبھی اپنے آقا اپنے مالک کا دھیان آتا ہے۔

نسیمہ تو پھوپھی اماں آپ نماز میں اللہ ہی کی تعریف کرتی ہیں۔

پھوپھی نماز تو ہم پر فرض ہے۔ جس طرح بڑی بی کھانا پکا کر اپنا فرض ادا کرتی ہیں۔ اسی طرح ہم نماز پڑھ کر فرض سے ادا ہوتے ہیں۔ خدا کی عنایتیں اور مہربانیاں تو اتنی زیادہ ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتیں۔ زمین سے اناج اگائے آسمان سے مینہ برسائے پینے کو پانی دیا سانس لینے کو ہوا دی۔ جبتک چاہے زندہ رکھے۔ جب چاہے مار ڈالے۔ دنیا میں ہمکو اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اسکی عبادت کریں جب ہم اس کے پاس جائیں گے اور آمنا سامنا ہوگا اس وقت وہ ہم سے پوچھیگا کہ میرے احسانوں کے بدلے میں تم نے مجھکو کتنا یاد کیا۔ بندے تمکو روٹی دی کپڑا دیا۔ حلوا دیا۔ مگر جب میں بھوکا ہو کر تمہارے پاس آیا تو تم نے مجھپر رحم نہ کھایا اور منہ پھیر لیا۔

نسیمہ ۔ ہے ہے پھوپھی اماں تو اللہ بھی بھوکا ہوتا ہے۔

پھوپھی ۔ ٹھہرو۔ پہلے سن لو۔ اللہ صاحب میں نے تم کو کانوں میں بالیاں دی ہاتھوں میں پہونچیاں دیں۔ پاؤں میں چوڑیاں دیں تاروں کی اوڑھنیاں دیں۔ گوٹے کے کرتے دئے چوڑیہ کا پاجامہ دیا اور ابھی میں نے تم سے مانگا تو تم نے ایک پیسہ بھی مجھکو نہ دیا۔ بھوکا ہوا تو روٹی نہ دی پیاسا ہوا تو پانی نہ پلایا میں بھوکا پیاسا تھکا ہارا منہ تکتا رہا۔ اور تم نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا

نسیمہ ۔ بس تو پھوپھی اماں آج اللہ کو بلا دینا۔ میں اپنی روٹی کھلا دوں گی۔

پھوپھی ۔ توبہ توبہ۔ اللہ کچھ تھوڑی کھاتا ہے۔ اس کا تو نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں نہ منہ ہے نہ سر۔

نسیمہ ۔ ہائیں واہ۔ اور ابھی کیا کہہ رہی تھیں۔

پھوپھی ۔ ہاں سچ تو کہہ رہی تھی۔ جب کبھی یہ مصیبت مارے ہم سے آکر سوال کرتے ہیں تو ان کا دینا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کو دیا۔ اللہ نے ہم کو حکم دیا ہے۔ تم ان کو دو مجھکو پہنچ جائیگا بن باپ کے بچے کنگلے بھوکے بڑی آس لگا کر ہمارے پاس آتے ہیں۔ انکو محبت سے کھلانیوالا چمکار کر پاس بٹھانیوالا کون ہوتا ہے۔ اگر ان کو دیکھکر ہمارا دل کڑھے اور ہم ان کی خدمت کریں تو اللہ ایسا ہی خوش ہوگا۔ جیسا اسکو مل گیا۔ بیٹی بڑے ناشکرے اور بیوقوف ہیں وہ لوگ جو دنیا میں آکر خدا سے غافل ہوجائیں۔ بھلا سوچو تو سہی جانور اپنے پیدا کرنیوالے کی یاد کریں اور ہم آدمی ہو کر بھول جائیں! اللہ تمہاری عمر میں برکت دے۔ ایمان سب سے بڑی نعمت ہے اور ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہر وقت یاد رہے۔ جب اس کی درگاہ میں عاجزی سے حاضر ہوگی اور اس کو یاد کروگی تو وہ سو مہربانوں کا مہربان ہے۔ جو چاہوگی وہ پاؤگی جو مانگوگی وہ لوگی۔ اچھا آؤ میرے ساتھ ملکر اس کی تعریف کرو۔

حمد جناب باری   رکھو زباں پہ جاری
باقی ہے بس وہی رب   فانی ہے ماسوا سب
کافی ہے وہ اکیلا   باقی ہے سب جھمیلا

وہ خالق جہاں ہے   وہ رازق جہاں ہے
حاکم ہے بحر و بر کا   مالک ہے خشک و تر کا
فرش زمیں اسی کا   عرش بریں اسی کا
از ماہ تا بماہی   ہے اسی کی بادشاہی
شاہنشہ جہاں ہے   معبود انس و جاں ہے
حاکم ہے دو جہاں کا   مالک ہے این و آں کا
ہر جا ظہور اُس کا   ہر شے میں نور اُس کا
ہر چیز میں نہاں ہے   ہر چیز میں عیاں ہے
سب سے قریب تر ہے   سب سے عجیب تر ہے
خورشید میں نہ آئے   پھر ذرہ میں سمائے
کھائے پیے نہ سوئے   بولے ہنسے نہ روئے
بے آنکھ سب کو دیکھے   بے کان سب کی سن لے
بے ہاتھ پاؤں سب کام   کرتا ہے وہ بہ آرام
ممکن نہیں کسی سے   تعریف اس کی لکھے
توصیف اس خدا کی   کیا لکھے مشت خاکی
مذکور جلوہ ذات   چھوٹا سا منہ بڑی بات
بس کر کہ تیرے بس کا
راشد نہیں یہ قصہ

پھوپی نے تو بھتیجی کے سامنے باتوں ہی باتوں میں خاصا چھوٹا سا وعظ کہدیا جیسی چھوٹی سی سننے والی ویسا ہی چھوٹا سا وعظ۔ چنکی منی بیٹھی مٹر مٹر پھوپی کا منہ تکتی ہی دعا کا وقت آیا تو ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر خدا کی تعریف بیان کرنے لگی اتفاق

کی بات ہے۔ جب تک وعظ ہوتا رہا شاما بھی بیٹھی رہی، ادھر دعا ختم ہوئی اُدھر شاما پھُرّ سے اُڑ یہ جا
وہ جا۔ سچ پوچھو تو سنجیدہ کی نہ یہ غرض تھی نہ یہ یقین کہ آج ہی دین کی ساری باتیں اُسے گھول کر پلا دوں
ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ مضمون تھا سچا بات تھی اچھی۔ بچی کے دل پر جم گئی۔ سنبھلی بہن کا
یہ حال، اول تو وہ نو بجے کے بعد سو کر اُٹھے اور پھر چھوٹتے ہی ناشتے کا سوال جب تک کلا
گرم نہ ہو کسی سے بات کرنی قسم۔ ذرا دیر ہوئی تو گھر بھر پر آفت۔ یہ توڑ وہ پھوڑ۔ اس کو
مار اس کو دھاڑ۔ تن تازہ ہونے سے پہلے ٹھنڈے پیٹوں بات کرنی گناہ۔ کھا پی پیٹ آباد
کیا اور گڑیوں میں جا داخل۔ پھر قیامت ہی کر ڈالو کوئی مرے یا جئے اس کو وہاں سے
اُٹھنا حرام۔ کبھی کبھار بھولے بسرے اُٹھی بھی تو ایک کو گھرکی دوسرے کو ڈانٹ۔ بہن کو
نوچ بھائی کو کھسوٹ۔ غرض جس طرف نکلی تراہ تراہ مچ گئی۔ اماں شاکی پھوپی نالاں۔ لونڈیاں
حیران مامائیں پریشان۔ لڑکی کیا عذاب تھا جدھر گئی آفت اور جس کے سر ہوئی جھاڑ کا
کانٹا۔ خدا کا خوف نہ دنیا کا ڈر۔ ماں کا لحاظ نہ باپ کا وقر۔ ماں کوری ممتا۔ باپ ہا
بے خبر۔ لڑکی ماشاء اللہ دن دونی رات چوگنی، ذرا سی غفلت میل کا بیل اور تل کا
پہاڑ بن گئی۔ شروع میں علاج ہوتا تو آج یہ نوبت کاہے کو آتی۔ مرض ہوا
لاحق، دوا کی نہیں، پردہ کھلتا گیا۔ زبان بڑھتی گئی۔ جھوٹی، لپاٹن، کٹر، بے رحم،
نکمی، کام چور، گستاخ، بے ادب، بے شرم، بے حیا۔ غرض پانچوں عیب شرعی
موجود تھے۔ اسی پیٹ کی اولاد اور اسی باپ کی بیٹی نسیمہ تھی کہ ایک وعظ نے
کندن بنا دیا۔ صبح منہ اندھیرے اُٹھی لوٹا بھر وضو کیا اور پھوپی کے ساتھ جانماز
پر ہو بیٹھی۔ ادھر پھوپی نے سلام پھیرا۔ ادھر اس نے گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگنی
شروع کی۔

(۴)

عید کے دن دوپہر کے قریب محلہ میں ایک موت ہوئی۔ رجب، گھر کا قدیم سقہ بڑوں کے
زمانہ کا آدمی۔ ایک ٹانگ سے لنگڑا۔ بڈھا پھونس۔ آس پاس کے ٹھکانوں میں پانی بھر بھرا ان بچوں
کے پیٹ میں ٹکڑا ڈال دیتا۔ دو میاں بیوی ایک لڑکی بستا سماں۔ برکت کے دن گھسٹم پھسٹم
کسی طرح گذر کر لیتے۔ جاڑے کا موسم ضعیف آدمی چار بجے صبح اُٹھ کر پانی بھرتا۔ بخار اور بخار
کے ساتھ پسلی میں درد ہوا۔ تین تار توم چیلا جو کچھ موجود تھا بیماری میں خرچ ہوا۔ مرا تو ایسا کہ گور
گڑھا اور کفن دفن تو درکنار ملتانی کے واسطے ادھی کی کوڑیاں بھی گھر میں نہ تھیں۔ نسیمہ خدا جانے
کس کام کو کوٹھے پر جا نکلی۔ برابر کے گھر سے رونے کی آواز آئی۔ کھڑکی کھول کر دیکھتی ہے تو سقنی رو
رو کر دیواروں سے ٹکریں مار رہی ہے۔ رو چکی تو خالہ سے کہنے لگی اب کس کس کے آگے ہاتھ
پھیلاؤں کہاں کہاں بھیک مانگوں۔ برس کا برس دن تہوار کا روز اپنی اپنی جگہ سب خوشیاں
منا رہے ہیں۔ کون کس کی سنتا ہے۔ بڑے نواب صاحب کے ہاں گئی تھی۔ بیگم صاحب تو میری جان
کو آ گئیں۔ میں نے تو اپنی دنیا سنائی وہ لگیں خفا ہونے کہ بوا میرے دل میں ہول آتا ہے۔ گھر
کے مرد اللہ رکھے نماز کو سدھارے ہیں۔ تہوار کے دن میرے ہاں بیٹھ کے تو رو رو نہیں، ہاں
سے اُٹھ حکیم جی کے ہاں آئی وہ پوری طرح ابھی سننے بھی نہ پائی تھیں۔ چھوٹتے ہی کہنے
لگیں بوا اوری خوبن واہ میرا بال بچوں کا گھر تو بے نہائے دھوئے اندر گھس آئی۔ یتیم خانہ
میں چلی جا یہاں سے گور گڑھا ہو جائیگا۔ اپنا سا منہ لیکر چلی آئی۔ رستے میں تھی مسجد ملاجی سے
کہا ہے تو وہ سمجھے سویّاں لائی ہے۔ چھوٹی چینی کا بڑا سا پیالہ لیکر لپکے۔ میں نے حال سنایا تو اس طرح
للکارا جیسے کوئی کتے کو دھتکارتا ہے۔ بچی کے کان میں چاندی کی بالیاں ہیں اُنکو لیجاتی ہوں
مگر وہ بکیں ہی گی کتنے کی۔ دو روپے کی تو جمع میں خریدی تھیں۔ اتنی دیر کا مردہ پڑا ہوا ہے
اور اس مسلمانوں کے محلہ میں کوئی اتنا نہیں کہ اول منزل کر دے۔ اتنا کہہ کر خوبن کا جی بھر آیا
ہچکی بندھ گئی۔ بچی کو پاس بلا کر بالیاں اُتارنے لگی۔ تازے چھدے ہوئے کان پک پک
کر چپک گئے تھے۔ پہلی ہی بالی نے کان لہولہان کر دیا۔ نسیمہ کھڑکی تک تو جھکی بیٹھی ٹھنڈے سانس
بھرتی رہی۔ دل تو خوبن ہی کے بیان نے ہلا دیا تھا۔ لڑکی کے کان نے بالکل ہی بے قابو کر دیا۔

عیدی کے چہرہ روپے رکھے تھے۔ آئی صندوقچی کھول پانچ روپے نکال اوڑھنی کے کونے میں باندھے اور چار چھپے پرے لٹکا کر کہنے لگی "یہ گرہ کھول لو"۔ روپے دیکر آئی تو پھوپی نے کہا۔ بیٹی کیا لے گئی تھیں۔

نسیمہ۔ جی کچھ نہیں ایک چیز لے گئی تھی۔

پھوپی۔ جب لے گئیں تو کچھ نہیں کیسا! اسی چیز کو تو پوچھتی ہوں کیا لے گئی تھیں۔ نسیمہ نے پہلے تو کچھ تامل کیا۔ مگر جب پھوپی نے زیادہ اصرار کیا تو سارا حال ڈرتے ڈرتے بیان کر دیا۔ سنتے ہی سنجیدہ نے نسیمہ کو کلیجے سے لگا لیا اور کہنے لگی میں اپنی بچی کے قربان نسیمہ بیٹی تم نے ایسا اچھا کام کیا کہ میرا دل بہت ہی خوش ہوا۔ یہ کہکر کوٹھری میں گئی تین اشرفیاں پانچ روپے لا کر دیئے اور کہا لو تم اپنی صندوقچی میں رکھو۔ بتاؤ یہ کتنے روپے ہوئے۔ ایک اشرفی کتنے کی ہوتی ہے؟

نسیمہ۔ پندرہ کی ہوتی ہے۔

پھوپی۔ تو پندرہ تِئے کتنے ہوئے؟ پندرہ کا پہاڑہ پڑھو۔

نسیمہ۔ پندرہ تِئے پینتالیس۔

پھوپی۔ اور پانچ۔

نسیمہ پچاس

پھوپی۔ بس تو پانچ کے بدلے اللہ نے تمکو پچاس دیئے۔ ایک کے بدلے دس ہوگئے نہیں۔

نسیمہ۔ جی ہاں پھوپی اماں "دہ در دنیا ستر در عاقبت"۔ عاقبت کے الگ ہیں۔

پھوپی۔ ہاں ہاں۔ شاباش شاباش اچھا ایک بات تو تم بتاؤ۔ تم نے یہ روپے خود بن کے خوش کرنے کے واسطے دیئے یا اللہ کو۔

نسیمہ۔ پھوپی اماں میں نے فقط اللہ کے واسطے دیئے ہیں۔

پھوپی۔ آؤ پھوپی کے گلے سے لگ جاؤ اس سے زیادہ پاجی کوئی نہیں جو دیکر

احسان جتائے۔ تم کو بھی معلوم ہے کہ رحیبا تمہاری کتنی خدمت کی ہے اور اس کا تمہارے اوپر کیا حق تھا اس گھر اور بیماری میں کہ ایک ٹانگ سے معذور تھا۔ لکڑی ٹیکتا کنوئیں پر جاتا اور تمہارے لئے مشک بھر کر لاتا۔ خود تکلیف اٹھا کر تم کو آرام دیتا تھا۔ نگوڑا آج کل کا بھی تو نہیں چالیس برس کا سقہ گرمی کے دنوں میں جب پانی مٹکے میں اور صراحی میں تیل ہوتا تھا کوس بھر سے اندارے کی ٹھنڈی مشک بھر کر لاتا۔ جاڑے کے جاڑے میں جب ٹانت سے دانت بجتے تھے ٹھنڈا پانی کندھے پر ڈھو کر لانا آسان کام نہیں ہے۔

نسیمہ۔ مگر پھوپی اماں اس کو مہینہ بھی تو اسی کا ملتا تھا۔

پھوپی۔ ضرور ملتا تھا۔ دنیا اس کا کام بھی یہی تھا۔ مگر پھر بھی جس طرح یہ لوگ ہماری خدمت کرتے ہیں۔ ہمکو لازم ہے کہ ان کے وقت پر ہم کام آئیں۔ ہمارے اوپر بھی تو ان کا حق ہے اور خدا نہ کرے کہ کسی حق دار کا کوئی حق مارے۔ تم نے جو کچھ کیا تمکو کرنا ہی چاہیے تھا بھی خیرات اسی کا نام ہے۔ یہ جو ہٹے کٹے موٹے تازے مسٹنڈے اور خنگڑے جو دن بھر بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور دو ہوکے دیکر آنوں سے جھولیاں اور پیسوں سے جیبیں بھرتے ہیں ان کا دینا حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ بلکہ الٹی انکو بھیک مانگنے کی عادت سکھانی ہے۔ خیرات کے قابل صرف وہ لوگ ہیں جو سچ مچ کمانے سے بالکل ہی معذور ہیں اور خدا کا حکم بھی یہی ہے کہ مستحقوں کو دو۔ اور ان مفتوں کو کھلانا اور حاجتمندوں کے حق مار کر ان بدمعاشوں کو دینا سخت گناہ ہے۔ ہم کو اگر خدا نے دیا ہے تو اس لئے دیا ہے کہ بھوکوں کو کھلا کر کھائیں نہ یہ کہ بھوکے بیچارے تو پیٹ سے پٹی باندھ کر پڑے رہیں اور یہ فیلسوف صبح سے شام تک پیڑیں آٹا اکٹھا کر لیں کہیں ولی بن جائیں کہیں پیرانی جی ہو جائیں۔ کسی کو ماگ کسی کو دم کا خدا ایسے دغاباز فقیروں اور فقیرنیوں سے سب کو بچائے۔ یہ خالہ رحمت ان ہی کی ماری ہے جو آجتک نہیں۔ ایک نگوڑی کے ڈھب پر چڑھ کر دینی بہن بنیں۔ خدا کی تو وہ سول بھی تو وہ اس کمبخت نے ہاتھ لگا سب تیہا اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ خدمت کروائی سوا الگ۔ میں اُن

مکاروں کے نام سے چلتی ہوں، اچھی خاصی ہاتھ پیروں سے تندرست، صبح ہوئی اور بھیک کو نکل کھڑی ہوئیں۔ مفت کی روٹیوں کا مزہ پڑ گیا۔ نوکری کرے اُن کی جوتی اور کام کرے اُن کا۔ صدقہ اُنکو دینا کنوئیں میں پھینکنا ہے۔ میں بہت خوش ہوئی کہ تم نے سچی خیرات کی۔ خدا تمکو ہمیشہ خوش رکھے۔ حق داروں کے حق اسی طرح سمجھنا اور کبھی اس بات کا خیال نہ کرنا کہ کسی کے ساتھ سلوک کرو تو وہ احسان مانے۔ چلو اب ابا جان کو بھی سلام کر لو۔ عید گاہ سے آگئے ہوں گے۔

(۵)

آگے آگے پھوپھی، پیچھے پیچھے بھتیجی، کوٹھڑی میں سے نکل بڑے گھر میں آئیں دیکھتی ہیں تو وہاں عجب ہی تماشا ہو رہا ہے۔ منجھلی نے ایک کتیا کے گلے میں رسی کا ٹکڑا ڈال در سے باندھ رکھا ہے اور لکڑیوں پر لکڑیاں مار رہی ہے۔ کتیا غریب در سے بندھی ہوئی نہ کہیں بھاگ سکتی تھی نہ چھپ سکتی تھی۔ صبح سے جو مار پڑنی شروع ہوئی ہے تو دوپہر قریب آگئی۔ بانس کی موٹی کھپچی کے پرخچے اُڑ گئے مگر مار دھاڑ ختم نہ ہوئی۔ مارتے مارتے تھک گئی۔ تھوڑی دیر دم لے لیا۔ اُٹھی اور پھر مارنا شروع کر دیا۔ بے زبان جانور نہ کچھ کرنے کے قابل نہ کہنے کے لائق۔ ایک ایک کا منہ حسرت سے تک رہی تھی کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ایسا رحم دل آجائے جو مجھے اس مصیبت سے بچا لے۔ ماؤں بچاریوں کی ہستی ہی کیا تھی جو دم مار سکتیں۔ خود بدولت یعنی ابا جان کا یہ حال کہ ایک دفعہ منع بھی کیا تو جانور پر رحم کھا کر نہیں بلکہ اپنی تکلیف سے اُکتا کر اور وہ بھی اس طرح۔

"ہائے ہے منجھلی بس چھوڑ دے۔ کیا موئی ہارونی کتیا ہے۔ آواز ہے کہ کان کے پار ہوئی جاتی ہے۔"

منجھلی۔ میں تو اس کی کھال اُڑا دونگی۔

پھوپھی۔ اور تم نے اس کو پکڑا کیونکر۔

منجھلی۔ اور تم نے پہچانا بھی؟ یہ نانی جان والی کتیا ہے۔ میں تو اس سے بہت جلی ہوئی ہوں۔ اس دن میں تو اُن سے ہنسی ہنسی میں چھاپے چھین رہی تھی آپ ہی آپ مجھ پر وہاں سے ہو نکتی ہوئی۔ میں تو اسی دن سے اس کے فکر میں تھی۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آئی ہے کیا لپ لپ کرکے قلمی بڑا کھایا ہے۔ حیثیتی کتنا ہے یہ تو دیکھو! اتنا کہہ لڑکی نے پھر مارنا شروع کیا۔

پھوپھی۔ بیٹی برس کے برس کا اچھا ثواب کمایا۔ یہ تو کوئی ایسا قصور نہیں ہے۔ تم نے اُن سے چھاپے چھینے۔ وہ سمجھی یہ میری مالک سے لڑ رہی ہے۔ اپنے آقا کا دشمن سمجھکر تم پر ہو نکی۔ گناہ کیا کیا؟ تم زبردست ہو یہ کمزور۔ تمہارے قبضہ میں ہے اور بندھی ہوئی۔ جتنا جی چاہے مار لو مگر جس طرح آج تم اس پر حاوی ہو اسی طرح کوئی تمہارا اور اس کا دونوں کا مالک بھی ہے جو تم سے بھی زبردست ہے۔ گو وہ پرور دگار آج نہیں آتا تو طاقتور سے تو خوف کرو۔ جانوروں کا بنانے والا بھی وہی ہے جو آدمیوں کا۔ ان کو اس نے نہیں بنایا کہ تمہارے ہاتھوں ایسی ایسی اذیتیں جھگتیں۔ کمال دوپہر سے مار رہی ہو اور دل ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ تم کیا سمجھتی ہو کیا جانور بددعا نہیں دیتے۔ اس سچے دربار میں جو ایک زبردست بادشاہ کا ہے آدمی ہو یا جانور سب یکساں۔ جس طرح تمہاری سنتا ہے اسی طرح اُن کی سُنے گا۔ شاباش ہے تمہاری طبیعت کو کس دل سے تم ایک بے زبان جانور کو یہ کچھ تکلیف پہنچا رہی ہو۔ تم نے تو سینکڑوں ماریں اور بس نہیں۔ اگر ایک کھپچی میں تمہارے لگا دوں تو کے بیسی کے ساتھ۔ جانوروں پر رحم کرنا انسانیت کی ایک صفت ہے۔ آدمی کو ستاؤ گی تو وہ ایک کے بدلے چار دیں سنائیگا۔ اور ہزار آدمیوں میں بات پہنچائیگا۔ کتیا بدنصیب تو اتنا بھی نہیں بتا سکتی کہ اتنی دیر کہاں رہی۔ ہمارے رسول مقبول نے تو ایک دفعہ اپنے ہاتھ سے ایک کتے کو جو پیاس کے مارے ہانپ رہا تھا پانی پلایا۔ بلکہ ایک دفعہ کسی شخص نے چیونٹیوں کو جلا کر اُن کے بلوں میں بھوبل ڈالدیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو بہت ناخوش ہوئے۔ تم مسلمان ہو کر ایسی کرو کہ جانور پر اتنا ظلم روا رکھا اور ہنستی پھر رہی ہو۔ سبکتگین بادشاہ کا حال تم نے تو کیا خاک سنا ہوگا

بادشاہ تو وہ پیچھے ہوا ہی پہلے تو سپاہی تھا۔ ایک دن جنگل میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک ہرنی اپنے بچے کو ساتھ لئے چرتی پھر رہی ہے۔ بچہ کو دیکھکر سپاہی کا جی للچایا اور دل میں آیا کہ کسی طرح اس کو پکڑ لوں۔ بچہ بھاگ نہ سکتا تھا۔ ہاتھ آگیا۔ لیکر چلا تو پیچھے سے رونے کی سی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھتا ہے تو ماستا کی ماری اپنے بچے کے واسطے چیختی چلی آتی ہے۔ یہ کیفیت دیکھکر سبکتگیں کا دل بھر آیا۔ فوراً بچہ کو چھوڑ دیا۔ ہرنی بھی خوشی اچھلتی کودتی اپنا بچہ لیکر جنگل کو چلی۔ تھوڑی دور چلتی تھی اور پھر پلٹ کر دیکھتی تھی۔ گویا اس احسان کا شکریہ ادا کرتی تھی اور دعا دیتی تھی کہ جس طرح تو نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کیا تو بھی ہمیشہ خوش خرم رہے۔ بات گئی گذری ہوئی رات کو خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے "سبکتگیں تو نے جو آج خدا کی مخلوق پر رحم کیا، اور ہرنی کا بچہ چھوڑ دیا۔ یہ خدا کی درگاہ میں پسند آیا۔ اس کے بدلے غزنی کی بادشاہت تجھکو عطا ہوئی۔ مگر دیکھ بادشاہ ہو کر اپنی ہستی کو نہ بھول جائیو۔"

تم نے تو ایسا برا کام کیا جس کا اب کوئی علاج ہی نہیں ہو سکتا۔ آدمی ہوتا تو معاف کروا لیتیں۔ بے زبان جانور سے کیونکر معاف کراؤ گی۔ کیسی چپکی بیٹھی دم ہلا رہی ہے۔ کمبخت ڈر رہی ہے کہ دیکھئے اب کتنی دیر میں لکڑیاں پڑنی شروع ہوتی ہیں۔ تم نے ایسے جانور پر ستم کیا جو آدمی سے بھی بہتر ہے۔ نمک حلال وفادار۔ مر جائے مگر نمک حرامی نہ کرے۔ ایک روٹی کا ٹکڑا دیدو عمر بھر احسان مانے۔ کتے کو تو خدا نے اس لئے بنایا ہے کہ آدمی اس سے عقل سیکھیں۔ عبادی بہو جن ایک دفعہ کا ذکر کرتی تھی۔ کنجڑوں کی لادی رکھ اپنے بچے کے ہاتھ میں روٹی دے لکڑیاں چننے چلی گئی۔ درخت پر بیٹھا تھا بندر روٹی دیکھ نیچے اتر آیا۔ چاہتا تھا کہ روٹی لے اچکے۔ کتے نے دیکھا اور لپک کر بندر کو جا دبوچا۔ بندر تھا جنگا دھری روٹی اور بچہ سب چھوڑ کتے کو لپٹ گیا اور سارا لہولہان کر دیا۔ مگر کتے نے بھی ایسی گردن پکڑی کہ نہ چھوڑنی تھی اور نہ چھوڑی۔ اسی طرح زمین میں پٹخنیاں دے دے کر مار ڈالا۔ ایسے جانور سے جس کے دیس اپنے آقا کا آنا دوبھر سیکھو۔ ایک یہ جانور ہیں کہ اپنے مالک پر اس طرح جان چھڑکتے ہیں

ایک ہم آدمی ہیں کہ کبھی بھولکر بھی اپنے آقا کا خیال نہیں آتا۔

سنجیدہ، بھائی اور بھائی کی اولاد سب سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ میاں اور بیوی بیٹے اور بیٹیاں ایک سرے سے آوا کا آوا ہی بدتمیز ہے۔ کیوں اس سے زبان ملائی اور اپنا دل جلایا۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی تھوڑی بہت عزت یا بزرگی خرم یا لحاظ اس کا قائم تھا۔ بھائی رشتہ میں چھوٹا عمر میں چھوٹا۔ بھاوج برابر کی سہیلی ساتھ کی کھیلی، چاہیے کہ دونوں سے بلا تکلف ملتی۔ ہرگز نہیں۔ تیسرے چوتھے آٹھویں دسویں کھڑے کھڑے آئی بیٹھی اٹھی چلی گئی۔ میاں بیوی کے معاملہ میں وہ دخل دیتی اولاد کے جھگڑے میں وہ نہ پڑتی اور اس لحاظ سے اس کی احتیاط نہایت درست اور بجا تھی کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔ کیوں ایک کہی اور دو سنیں۔ یہ کچھ تھوڑا سا وقر یا اور واقعی یا برائے نام باقی ہے۔ چار دن میں ختم ہو جائیگا۔ آج بھی خدا جانے اس نے کیا جاتی دنیا دیکھی تھی کہ اتنا کچھ بولی اور اگر سچ پوچھو تو اس میں بھی اس کی مصلحت تھی کہ "دبی رہی میں تجھکو کہوں بہوری تو کان دھر" منہ منجھلی کی طرف ضرور تھا مگر کن انکھیوں سے نسیمہ کو دیکھتی جاتی تھی وہ خوب سمجھتی تھی کہ منجھلی کی اصلاح میں بیچاری تو کس گنتی میں ہوں میرے فرشتوں کے بس کی نہیں بڑھا ہوا دل، کھلی ہوئی زبان بیٹھا ہوا دیدہ، چھوٹے ہوئے ہاتھ۔ یہ برسوں کے جمے ہوئے زنگ ایسے زنگ تھوڑی ہی ہیں کہ پولے ہاتھوں صاف ہو جائیں۔

یہ امید کہ پھوپی کی اس جھک جھک کا منجھلی پر کچھ اثر ہوتا بالکل غلط۔ کیسا خوف خدا اور کس کی ندامت وہ تو یہ انتظار کر رہی تھی کہ پھوپی کی باتیں ختم ہوں اور میں جواب دوں۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ ماں تھوڑی دیر تک تو نند کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔ مرنے کا ذکر سنتے ہی تھرا اٹھی۔ شامت جو آئی تو منہ سے آنا نکل گیا۔

"آپا تم دیکھتی ہو میرا تو کچھ بس ہے نہیں۔ تہوار کا دن کوئی خیرات کر رہا ہے۔ کوئی خیر منا رہا ہے۔ اس نیک بخت نے صبح سے یہ اودھم مچا رکھی ہے۔ میری تو اتنی مجال نہیں کہ دم

مار سکوں۔ چپکی بیٹھی دیکھ رہی ہوں اور جل رہی ہوں۔

پھوپی کا تو خیر وہ سچ یا جھوٹ زیادہ یا کم کچھ نہ کچھ لحاظ کرتی یا نہ کرتی۔ گفتگو کے ختم کا انتظار اور جواب میں کچھ سوچ بچار کرنا ہی پڑتا۔ مگر ماں غریب تو ایک بات کہکر گنہگار رہو گئی۔ سب کو چھوڑ چھاڑ بنجے جھاڑ جو ماں کے پیچھے پڑی تو جان چھڑانی مشکل ہو گئی زبان تھی کہ الاماں ایک منہ میں بیسوں کوسنے اور ایک سانس میں سینکڑوں فضیحتیاں "اُئیں بڑی بچاری بی ہاں سے مارتے ہیں تو ہم۔ کٹر ہیں تو ہم۔ دوسرا حمایت لینے والا کون؟ اسی واسطے میں کسی سے بولتی نہیں چالتی نہیں پھر کوئی مجھے کیوں کہے۔ اس کٹیا کے تو آج میں پرچھے اُڑا دونگی۔ دیکھوں تو سہی کون روکتا ہے۔"

اتنا کہتے ہی جو کٹیا پر پِلی تو مارے کھیجیوں کے بھرکس نکال دیا۔ انگنائی میں پھوپھی بھتیجیاں۔ چبوترے پر کٹیا منجھلی۔ دالان میں ماں۔ باورچیخانہ میں ماما۔ سب دم بخود کھڑے تھے۔ ماں نے تو جیسا کیا ویسا پایا۔ مگر پھوپھی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ کٹیا اتنی پٹی کُٹی مگر پھر بھی زندہ رہی۔ اتنے میں میر زاہد بھی آ گئے بھائی کو آتا دیکھکر سنجیدہ بچی کا ہاتھ پکڑ اپنے ہاں چلدی۔ تہوار کا لحاظ، ماں باپ کی شرم اتنا اثر بیٹی پر ہوا کہ کٹیا کو چھوڑ کرے میں گھس گئی۔ مگر میر زاہد سے نہیں اندر ہی نہیں بیٹی کے نکارنے کی آواز سات گھر پرے پہنچ رہی تھی۔ وہ باہر ہی سے سمجھ گیا تھا کہ کہیں نہ کہیں جھلکتا ہے میرے ہاں عید جیسے ہی ہے۔ خدا خیر کرے۔ خبر نہیں کیا آفت آئی۔ سنجیدہ اس وقت تو بھتیجی کا ہاتھ پکڑ ساتھ لے گئی۔ مگر وہاں پہنچکر جو خیال آیا تو کہنے لگی۔

نسیمہ جاؤ۔ باپ کو سلام کر آؤ۔ دیکھو ادب سے بیٹھنا جو کچھ پوچھیں اس کا جواب دینا خبردار جو خواہ مخواہ کسی معاملہ میں دخل دیا۔ نیچی نگاہ کرکے ایک طرف بیٹھ جانا۔

(۵)

پھوپی کا حکم پاتے ہی نسیمہ ماں کی طرف چلی تو پھوپی نے کہا یہاں تو آؤ۔ میں تو فقط تم کو دیکھ رہی تھی کہ خود بھی خیال آتا ہے یا نہیں۔ اس طرح چھم چھم کرتے باپ کے آگے جانا۔ تم کو شرم نہیں آتی۔ اب تم ایسی نادان نہیں ہو جو اتنی موٹی بات بھی نہ سمجھ سکو۔ باپ کے سامنے اس جھنکارے جانا نالش بیٹی نالش۔ وہ تو مرد ہیں اور میں عورت پھر ایک لحاظ سے پھوپھی ایک لحاظ سے ماں۔ مگر خدا کی قسم تمہارا یہ چھنا کا مجھکو زہر معلوم ہوتا ہے۔

پھوپی کی زبانی اتنا سنتے ہی نسیمہ پانی پانی ہو گئی۔ جھانجن چوڑیاں اُتار پلنگ پر ڈال اور باپ کے سلام کو چلی۔ سنجیدہ نسیمہ کے ایک ایک قدم کو نگاہ میں رکھتی تھی جب تک وہ کوٹھڑی کے پاس پہنچی غور سے دیکھتی رہی۔ اُتر نا چاہتی تھی کہ پھوپی نے وہیں سے کہا نوج ایسی بے ڈھنگی بیٹی ہو کہ کسی چیز کا ٹھیک ٹھور ہی نہیں جہاں چاہا اُتار پھینکی۔ تم تو پھینک بچانک لیتی ہو اور میں ڈھونڈ کھوالی کروں۔ تہوار کا دن آنے جانے والوں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ دھوبن بہشتن۔ ماما بھنگن بیسوں انیاں خنیاں آ جا رہی ہیں۔ ذرا میری نگاہ چوکی اور کوئی بغل میں کہہ چلتا ہوا تو بیٹھی رونا۔ بیٹی نوات ویسی بدتمیز۔ کہ کسی چیز کی سرت ہی نہیں۔ لو کنجیاں لو قفل میں رکھو۔

نسیمہ کوٹھری کھول چیزیں رکھنے چلی تو ایک ڈانٹ اور پڑی۔

"کے دفعہ بتا چکی ہوں کہ اوڑھنی کا بغل سیدھی طرح لگایا کرو۔ مگر جب دیکھو وہی بیہودہ پنے سے۔ بیٹی الٹی طرف کا پلا زیادہ رکھتے ہیں۔ سیدھی طرف کا بغل لگا الٹی طرف کا کندھے پر ڈال لیا۔ مردوں کے سامنے تو ان باتوں کا خیال رکھا کرو۔ بے شرم باپ کے سامنے جا رہی ہو اور سارا بازو کھلا ہوا ہے۔ آج باپ بھائی سے لحاظ کروگی تو کل دیور جیٹھ سے شرم آئے گی۔ یہیں سے دیدہ ہوائی کیا تو وہاں کیا خاک ہوگا۔"

اوڑھنی ٹھیک کر ماں کے ہاں پہنچی تو دونو میاں بیوی سر جوڑے منجھلی کی بے تربیتی پر افسوس کر رہے تھے، میر زاہد بیوی پر الزام تھوپ رہے تھے اور بیوی میاں پر سارا جھیر کہہ رہی تھیں۔ اتنے میں نسیمہ گلابی ململ کی ریشمی اوڑھنی سے ٹھپا پیچھے چھپا گی

ماں۔ واہ اچھا بوم سے کیا، وہ تو ایسی سوم ہے کہ خدا کی پناہ۔ نگوڑی شہابی کی دو ڈلیوں کی بھی کچھ اصل ہے۔ آٹھ دن سکھا کر کہیں اور پھر نجانے نہیں کہا میں یا نہیں۔ وہ ایک ایک پیسہ جوڑ کے روپے کرتی ہے۔

پھوپی۔ واہ بوا واہ سوم کیوں ہونے لگی۔ کس کام کی وہ لڑکیاں کہ پیسہ ہاتھ میں آیا اور چل ہیٹ میں لیے کھانے سے خاک نہ کھائے۔ خدا نہ کرے جو کواری بیٹی کو چک، چک لونڈوں کا مزہ پڑ جائے۔ ہوت نہ ہوت تو سب ہی کے ساتھ ہے لپکا پڑ گیا تو پھر نہیں چھوٹتا۔ چوری کرو یا قرض لو۔ میکے میں تیا کا دوپٹہ، سسرال میں میاں کی پگڑی بیچ باچ چٹ کر لو۔ دور کیوں جاؤ پڑوس ہی میں دیکھ لو۔ ادھر کا چھن بارہ آنے کو جھیک ہی ہے ادھر کجوری والی ڈیڑھ روپے کو پیٹ رہی ہے۔ کنجڑا الگ رو رہا ہے۔ حلوائی جدا سر پھوڑ رہا ہے۔ کس کام کی وہ بیٹی جس کی وجہ سے دروازے پر تقاضا آئے۔ انکو کھلانے پلانے والے ہم کیا مر گئے۔
بھلی۔ بُری۔ تازی۔ باسی۔ جو میسر ہو پہلے یہ پیچھے ہم۔ بیشک وہ تو کبھی ادھی بھی نہیں اٹھاتی۔ میں خود ہی دو پیسہ روز کا سودا منگا دیتی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں پہنچ جائیں تو وہ انکو بھی جمع ہی میں ڈالے۔

ماں۔ بی آپا تمہارا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ مگر یہ بات تو بتاؤ ان گوٹے ٹھپوں پر تم تو ہمیشہ ناک بھوں چڑھاتی ہو۔ پھر بچی کو کیوں مصالحہ میں لاد دیا۔ اب یہ بوجھوں نہیں مر رہی۔

پھوپھی۔ میں اب بھی وہی کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں۔ تمہارے سمجھنے میں فرق ہے۔ سینکڑوں روپے مصالحہ میں اینڈ کرنا، بیوی میری سمجھ میں تو آتا نہیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ دھوبی کے دھلے سفید کپڑے پہنو مگر ہاں یہ ضرور کہتی ہوں کہ مصالحے سے لپے ہوئے جوڑے صندوقوں میں سینت کر رکھنے۔ حاصل دین نہ حاصل دنیا۔ تم ہی کہو تم کو کتنے جوڑے ملے، کتنے کام آئے اور کتنے کیڑوں کی نذر ہوئے۔ یہ اٹھارہ چار پیسہ کا جوتی کا جوڑا

توئی بیچ میں گوکھرو کی پٹیاں سبز ساٹن کا پاجامہ موریوں پر نسبیلی کے جال کا ٹھپا لگے بانکڑی۔ گلابی رشمین کرتہ گھیر میں توئی ٹھپا کلیوں پر ایک تاری چمک گلے میں چپکا کلی ہاتھ میں ٹھوس کڑے، لوک میں اک اک تہ بالی۔ دبے پاؤں جھجکی جھجکائی۔ سامنے آ باپ کے سلام کو جھکی۔ سلام کر چکی تو الگ کھڑی ہو گئی۔ باپ کو دیکھا تو پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ پنکھا ہاتھ میں لے پیٹھ کے پیچھے جھلنے لگی۔ باپ نے دعا دی۔ پانی مانگا تو نسیمہ نے قلعی دار کٹورہ لیجا کر پہلے خوب مانجا۔ پھر صراحی میں سے پانی انڈیل، اوپر سے ہاتھ رکھ سامنے لا کھڑی ہو گئی۔ بیٹی کی یہ تمیز دیکھ کر باپ کا دل بہت ہی خوش ہوا۔ پانی پی چکا تو اپنے پاس بلا کر کہنے لگا۔ اوہو بیٹی تمہارے کپڑے تو ماشاء اللہ خوب ہیں۔ عید تو اصل میں تمہاری ہی ہے۔ کہو عیدی کے کتنے روپے جمع ہوئے۔

نسیمہ۔ چھ روپے ہوئے تھے۔ جس میں سے پانچ اٹھ گئے۔ اللہ نے مجھے پچاس اور دیئے۔ اب اکیاون ہیں۔

باپ۔ پچاس روپے تمکو کس نے دیئے۔

نسیمہ۔ پھوپی اماں نے۔ لیجئے وہ بھی آگئیں۔

پھوپی۔ پچاس کیا اگر پانسو ہوتے تو میں اپنی بچی پر قربان کر دیتی۔ رجب سقہ کا مردہ بے کفن پڑا تھا۔ اپنی عیدی میں سے اسنے پانچ روپے دیئے۔ میرا اتنا دل خوش ہوا کہ بس میں ہی جانتی ہوں۔

دونوں ماں باپ یہ سنکر دعائیں دینے لگے۔ باپ نے اسی وقت دس ماں نے پانچ روپے نکال کر اور دیئے۔ پھوپی نے پوچھا ہاں لو اب بتاؤ تمہارے پاس کل کتنے روپے ہوئے۔

نسیمہ۔ اکیاون تو پہلے ہیں۔ دس ابا جان کے اکسٹھ پانچ اماں جان کے چھیاسٹھ ہوئے۔

باپ۔ سو میں کتنے کم رہے۔

نسیمہ۔ چھیاسٹھ اور چار ستر۔ ستر اور تیس سو۔ تیس یہ چار وہ چونتیس رہے۔

باپ۔ تمہارے پاس سو روپے ہو جائیں تو بس دھوم سے گڑیا کا بیاہ کر ڈالو۔

یوں ہی رکھا رکھا غارت ہو گیا۔ اس ڈہائی ڈہوئی میں ادہر تو لگا ٹپکا۔ اُدہر صندوق تھا لانا
دراڑوں اور درزوں میں سے سارا پانی اندر پہنچا۔ دوپٹہ اور پاجامہ دونوں گلگرآما ہو گئے
میں یہاں تھی نہیں اماں جان کو اللہ بخشے خیال نہیں ہا۔ دہوپ دینے کی بھی نوبت نہ آئی۔
ایک تو وہ اور اس کی لپیٹ میں سات اور سب ہی ہینہ کی بھینٹ چڑھے! مصالحہ ٹانکو میں
منع نہیں کرتی مگر ضروری ضروری۔ یہ نہیں کہ گرمی میں ایک تو ڈہائی پاٹ کا دوپٹہ اوپر
سے مصالحہ انباروں۔ پورے ایک ٹاٹ کا بوجھہ ہو جائے اور جو کہیں خدانخواستہ
بیچنے کی نوبت ہوئی تو روپوں کا مال کوڑیوں کے مول۔ یہ سترہ اور اکیس جوڑے
تم ہی کو پسند ہونگے۔ میں اس کو فرض نہیں سمجھتی کہ چاہے جان تک کی بک جائے مگر جوڑے
پلے ہی ہوئے ہوں۔ تم ہنسو گی تو سہی مگر میں سچ کہتی ہوں یہ وضع وضع کی بیلیں اور طرح
طرح کے کنارے تمہاری ان کناری بانکڑیوں سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ خوبصورت کے
خوبصورت صوفیانی کی صوفیانی۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کواریوں بیاہیوں میں
بھی کچھ فرق ہوگا یا نہیں۔ وہ اپنی گھر والی گھر تھیں تیتریں آزاد و مختار جتنا چاہیں اوڑہیں جو
چاہیں بنائیں۔ یہ بیچاریاں ماں کی محتاج باپ کی دست نگر جو ہاتھ اٹھا کر دیدیا وہ لے لیا۔
انکے دل رکھنے کا وقت تو یہی ہے۔ چار پانچ برس کی مہمان سمجھ لو۔ پھر خدا جانے تقدیر میں
کیا لکھا ہے۔ کوئی بھلے مانس مل گیا عزت آبرو سے گذر گئی۔ کسی بدذات سے پالا پڑا امرقت کی نوحتی۔
میکے میں بھی ان کی بات نہ پوچھی گئی تو سو بدنصیبوں کی بدنصیب یہی ہیں۔ تم سب مجھکو
دیوانی کہو یا سٹرن کہو میں تو کہوں ہانکے پکارے کہوں کہلے خزانے کہوں۔ کہوں اور پنچوں
میں کہوں کہ تم سب کے ایمان۔ خدا نے تو مرنے ہی کے بعد ان کا آدہا حصہ رکھا تھا۔ تم نے
جیتے جی ان کو لونڈیوں سے بدتر بنا دیا۔ سنا ہے کہ عرب میں جیتی لڑکیوں کو گاڑ دیتے تھے
بلا سے وہ اچھا تھا۔ یہ روز روز کے کچوکے اور ہر وقت کی آفت تو نہ تھی کہ نار کا سالن بیٹوں کو ڈہیر
ڈہیر قلیا بیٹیوں کو۔ روکھی روٹیاں بیٹوں کو تر بتر پراٹھے بیٹوں کو۔ بچا کھچا رکھا رکھایا ان بیچاریوں

کے واسطے۔ کپڑوں کو دیکھو اپنی اپنی حیثیت کے بموجب چلے بہین نے ثابت جو کچھ ہیں پہلے بیٹے
وہ بے بچھروں پھیلا۔ وہاں کے گھر بیٹی گود بیٹھی۔ میں نے اپنی آنکھ سے بڑی ممانی جان کے ہاں
دیکھا ہے اور آج تک یاد ہے کہ ایک دن برف والا آیا تو لڑکے نے سات اور چھوٹے نے چھ قلفیاں
چٹ کیں اور تینوں لڑکیاں بیٹھی منہ دیکھتی رہیں۔ جب وہ اچھی طرح کہا چکے نیت اور پیٹ دونو بھر گئے
تو ممانی جان نے کہا ایک ایک قلفی ان تینوں کو بھی لادے۔ خدا کی قسم میرا کلیجہ کٹ گیا۔ جب
بڑے نے آکر کہا قلفیاں ہو چکیں۔ بوا یہ تو ساون کی چڑیاں ہیں۔ چگ چگا کر اڑ گئیں۔
جب تک ان کی تقدیر کا آب و دانہ ہے بیٹھی ہیں۔ جب اٹھ گیا دوسرا گھر جا بسایا۔ پھر طرح طرح کی
تکلیفیں اور مصیبتیں۔ ذرا تو انصاف کرو یہ تو جانوروں سے بھی بدتر نکلیں۔ یہاں بھی انکی
خاطر مدارات نہ ہوئی تو یہ بھی کیا یاد کریں گی کہ ہم دنیا میں پیدا ہوئے تھے! انکی تقدیر کا سکھ
چین تو بس میکے ہی تک سمجھ لو سسرال جا کر تو بڑی بڑی رئیس زادیوں کو دیکھ لیا ایمان تمکو
ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہے۔ جیسے ان بیچاریوں کے من مارے ہیں اور انکی مٹی پلید کی ہے خدا
دشمن کی نہ کرے۔ کیسے ظلم کی بات ہے جو سدا کے رہنے بسنے والے گھر کے مالک مختار ان کی
تو یہ عزت کہ آنکھ تک میلی نہ ہو۔ اور وہ بیچارے مسافر جو رستہ چلتے چلتے تھک کر رات کی رات
دم لینے اتر رہے۔ ان کی بات بھی نہ پوچھو۔ بوا بیٹیوں کے لئے تو میکا سرا سمجھو۔ چڑیا رین بسیرا
ہے۔ صبح ہونے کی دیر ہے ادہر نقارہ بجا ادہر کوچ ہے پھر یہ کہاں اور تم کہاں؟ تمکو تمہارے
بیٹے مبارک۔ تمہارا گھر نصیب۔ بیاہی بیٹی پڑوسن داخل! بیٹے تو جوتیاں ماریں گے
اور لیں گے۔ لیں گے اور عمر بھر لینگے۔ زندگی کی کمائی بیٹے۔ ہزار برس کی نیو بہو
گھر کا کوڑا بیٹی۔ جہاڑ دی نکال پہینکا۔ اللہ رکھے تم بھی اولاد والی ہو۔ خدا بچوں کی
عمر میں برکت دے ایمان سے کہنا جتنی رفاقت کی بو ان بے زبانوں سے آتی ہے
لڑکوں میں بھی پاتی ہو۔ پھر اس مجبوری اور بے بسی کو دیکھو جس کے سر چاہا چپیک
دیا۔ جہاں جی چاہا پھینک دیا۔ ہر حال راضی ہر جگہ خوش۔ بی سعیدہ ہی کو دیکھ لو سینکڑوں

کوس دور جا پڑیں۔ کس میں اتنا بوتا ہے کہ تین سو روپے خرچ کرے اور بلائے۔ بال بچوں کے جھگڑوں میں ایسی پھنسیں کہ سب بھول بسر گئے۔ آرام کے دن اور سکھ کا وقت تو بس وہی تھا جو میکے میں کٹ گیا! ماں باوا کی صورت دیکھنے کو دل نہ تڑپتا ہوگا؟ بہن بھائیوں سے ملنے کو جی نہ چاہتا ہوگا؟ مگر کس سے کہے اور کیا کہے؟ نہ آنے والی میں اتنی ہمت نہ بلانے والوں میں اتنی طاقت۔ ہم یوں لگے وہ یوں گئیں۔ ہم یہاں تڑپیں وہ وہاں تلملائے چلو چھٹی ہوئی۔

(۷)

بھاوج غریب نے تو آمد سخن ایک بات کہہ دی تھی اس کو کیا خبر کہ نند ایک داستان شروع کردے گی۔ کچھ دیر تک تو بیٹھی سنتی رہی اور ہنستی رہی مگر تہ کی باتیں تھیں ایک چھوڑ تین تین بیٹیاں آگے۔ کچھ ایسا مامتا کا جوش ہوا کہ بے اختیار ہوگئی۔ نسیمہ سے چار آنکھیں ہونا تھا کہ آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ دوڑ کر گلے لگا لیا اور لگی بلائیں لینے۔ بیزادہ بیچارے سیدھے سادے بھولے بھالے ادھر تو بہن کی پہلے دار تقریر ادھر بیوی نے شروع کیا تھا نرم دل تو تھا ہی دل بھر آیا۔ پہلونٹی کی بیٹی سعیدہ کالے کوسوں حیدرآباد بیٹھی تھی۔ کچھ اس کی جدائی کا خیال۔ کچھ منجھلی کی شرارتوں کا ملال دل لیا بے قابو ہوا کہ ہچکی بندھ گئی۔ بھائی کو روتا دیکھ بہن کو بھی تاب نہ رہی۔ ادھر بہن بھائی ادھر بیٹیاں چاروں دیر تک روتے رہے مگر صد آفریں اس کرم منجھلی کو۔ یہ کچھ ہوا کہ ماما میں تک پسیج گئیں مگر وہی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ ماما کی لڑکی کو دیا پیسہ کہ لونگ چڑے لاوے۔ چھ برس کی جان عید کا دن۔ کبابوں کا دونا ہاتھ میں۔ ادھر ادھر دیکھتی بھالتی چلی آتی تھی۔ نکڑ پر آئی تو اوپر سے چیل نے ایسا جھپٹا دیا کہ کباب پنجے میں اور دونا موری میں۔ ہاتھ میں خون نکلا سو الگ۔ غریب روتی بسورتی گھر میں آئی۔ صاحبزادی بلند اقبال کے دربار میں تو کس کی مجال تھی کہ دم مارتا۔ لڑکی ڈر سے لگی سوں سوں کرتی۔ اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ پوچھا کباب لائی؟ جھپٹے کا نام سنتے ہی ایک ایسا دھکا دیا کہ بچی لڑکھڑاتی پڑتی انگنائی میں پہنچی ادھر پنجوں کی کھرنچ ادھر دھکے کی چوٹ۔ اوپر سے پڑا دوہتڑ۔ بلبلا اٹھی۔

مامتا تو امیر غریب سب ہی کی ہوتی ہے۔ بیٹی کی یہ کیفیت دیکھ کر ماما سے صبر نہ ہوا گھبرا کر اٹھی اور بگڑ کر کہنے لگی۔ اے ہے منجھلی بیگم وہ تو ابھی کیڑا ہے یہ چیلیں نامرادیں تو بڑے بڑے مردوں کے ہاتھوں سے چیزیں لیجاتی ہیں۔ ایک پیسہ کے واسطے آپ نے بچی کو ہلکان کردیا۔ اس کا ہاتھ تو پہلے ہی لہولہان ہو رہا ہے۔ برس کے برس دن نگوڑا اتنا سارا جیتا جیتا خون نکل گیا۔

منجھلی۔ لہولہان کیا میں تو اس کو جان سے مار ڈالوں گی۔ میرا پیسہ مفت کا تھوڑا ہی ہے کہ کباب کھا دونا چاٹ جھوٹ موٹ تسوے بہانے چلی آئی۔ بڑی سوٹھیا صراف ہو تو میرا پیسہ دیدو۔

دن دہاڑے کا معاملہ۔ بیچ انگنائی کا ذکر ٹھیک دوپہر کی بات اماں اور بیٹی اتنا اور ماما کون تھا جس نے یہ سیر نہ دیکھی اور غل نہ سنا۔ مگر چور کی ماں گھٹنوں میں سر دے اور روئے دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر چپ ہوگئے۔ کس کے سر پر اتنے بال تھے کہ الف بے کرتا۔ دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ کسی نے ہنس کر کسی نے رو کر۔ ماما نے بٹوا کھول پیسہ نکال آگے ڈالدیا۔ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ باورچی خانہ میں چلی گئی۔

گرمی تو تڑاتے کی پڑ رہی تھی۔ میر صاحب عیدگاہ کی تھکان دنے کی کوفت پلنگ پر لیٹے اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ باپ کو سوتا دیکھ نسیمہ پنکھا لے پاس بیٹھ گئی اور جھلنے لگی۔ آنکھ کھلی تو ظہر کا وقت تھا۔ اذان کی آواز آتے ہی سنجیدہ بھتیجی کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی دونوں نے وضو کیا نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو سنجیدہ نے کہا! بیٹی نسیمہ تم میری باتوں پر بھول نہ جانا وہاں تو میں تمہارے ابا کے سامنے لڑکی کی حمایت لے رہی تھی۔ لیکن سچ پوچھو

تو ابھی یا بُری جیسی بھی بیٹی ہوگی ماں باپ بھریں ہی گے۔ بگانے کو سینگ دُم نہیں ہوتے۔ مگر پھٹے منہ اُن لڑکیوں پر جو سر چڑھ جاتی ہیں کہ ماں باپوں کے پاس چند روز کی مہمان ہیں اور دم ناک میں کر دیں۔ ماں جیسی چیز کہ اگر دنیا جہان مارو اور زمانہ ڈھونڈھ ڈالو کہیں میسر نہیں نام سے بیزار ہو جائے۔ کیسی محنت اور مصیبت سے پالا پوسا۔ پڑھایا لکھایا۔ اچھا بُرا اوجھ گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی تو نہیں مہینوں پیٹ میں رکھا گود میں رکھا۔ عیش آرام سب حرام کیا کھایا تو پرہیز سے پیا تو احتیاط سے۔ دنیا میں منوں اور انباروں میوے اور ترکاریاں کیسی اور آئیں مگر بچی والی کے دل سے پوچھو کیا کھایا۔ آم وہ نہیں کھاتی برف وہ نہیں چکھتی۔ کھیرے ککڑی۔ خربوزے تربوز اس کی طرف سے ہوئے نہ ہوئے دونوں یکساں لوگوں کے کہنے سننے سے ارادہ بھی کرتی ہے۔ پھر خیال آتا ہے "ثقیل ہیں"۔ قربان گئے تھے خربوزے، چولھے میں گئے تربوز۔ خدا میری گود بھری رکھے اس سے بڑی نعمت اور کیا ہوگی۔ پھر مزا یہ کہ نہ کسی کا ظلم ہے نہ زبردستی جو کچھ ہے وہ اپنی خوشی سے اور دلی محبت اور ماتا سے۔ بستی کو دیکھو چکی کا ہتا ہاتھ میں ہے۔ بچہ برابر میں پڑا ہے۔ پیستی جاتی ہے اور اس کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی جاتی ہے۔ نہ اپنی تکلیف کا خیال نہ اپنی مصیبت کی پروا برابر پنکھا جھلے جا رہی ہے جب پیس پاس کر فارغ ہوئی اور بچہ کو کلیجہ سے لگا کر دودھ پلایا اس وقت اس کا دل دیکھو یہ بادشاہ سے بھی تو زیادہ ہے۔ اس کی گود میں ایسی نعمت ہے کہ سلطنت ہو تو اس پر سے قربان کر دے۔

یہ ماتا ہی کا جوش تھا کہ اسوقت بیچاری بلاقن نے تمہاری منجھلی آپا کے آگے پیسہ نکال پھینکدیا۔ لو سامنے اس چڑیا کو دیکھو تم کو معلوم ہو جائیگا ماتا کیا چیز ہے گھونسلے میں بچہ بیٹھا ہے۔ اِدھر اُدھر سے دانا دنکا جو کچھ ہاتھ لگتا ہے۔ چگ چگا کر لاتی ہے اور اس کے پوٹے میں ڈالتی ہے۔ اے ہے نسیمہ ذرا دیکھو تو سہی بچہ کس طرح ماں کے آگے بازو اور پر پھیلا کر چیں چیں کر رہا ہے۔ جانتا ہے کہ ماتا کی ماری کہیں نہ کہیں سے چرا چھپا اپنی جان جوکھوں

میں ڈال کچھ نہ کچھ ضرور لیکر آئی ہے۔ تم بڑی خوش نصیب ہو اور خدا تم کو سدا ایسا ہی خوش نصیب رکھے۔ کہ تمہارے پاس یہ نعمت موجود ہے ہمارے چاہنے والے جنہیں ہر طرح کا زور تھا جنگل میں جا سوئے جب تک زاہد میاں باہر رہتے تھے اماجان اللہ بخشے بیسیوں ہی دفعہ خیر صلاح سے لوٹنے کی تسبیح پڑھتی تھیں۔ اب جہاں چاہیں خاک اُڑاتے پھریں کون پوچھنے والا بیٹھا ہے۔ یوں تو جس کے ساتھ سلوک کرو وہی فرمانبردار اور عاشق زار بننے کو موجود۔ مگر ایسا دعا گو کہاں۔ سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے۔ پاس ہوں یا دور یہی آرزو اور یہی ارمان کہ اقبال میں ترقی عمر میں برکت اگلے ہی برس کی تو بات ہے۔ تم کو کیا یاد نہ ہوگا جب شام کو بکری چر کر آتی تھی۔ دن بھر کے چھوٹے ہوئے بچے کس طرح ماں کو لپٹتے تھے اور کیسی محبت سے وہ اُن کو چاٹتی تھی جس وقت وہ بچلردار بچے اچھل اچھل کر دودھ پیتے تھے اس وقت جیسا بکری کا دل باغ باغ ہوتا ہوگا۔ اس کی قدر ماتا ہی والے کر سکتے ہیں جب غدر پڑا ہے اور ہم سب بھاگ کر وزیرآباد گئے ہیں۔ کبھی حویلی اور کس کے مکان۔ ایک ٹوٹے ہوئے قبرستان میں رات کو بسیرا کیا! خدا وہ وقت دشمن کو نہ دکھائے۔ بس ہی ست پر جان تھی۔ اُن کھنڈروں میں جہاں رات بھر اُلو اور گیدڑ بولتے تھے۔ ٹوٹے پھوٹے چبوترے اور کچی پکی قبروں پر اپنے اپنے دوپٹے بچھا اینٹیں سرہانے رکھیں اور بھوکے پیاسے پڑ رہے! بوا حلیمی بھی ساتھ تھیں۔ ان کی ایک بچی سلمہ جو اس کمبخت غدر کی بھینٹ چڑھی گود میں تھی۔ ڈیڑھ پونے دو برس کی ہوگی جس مصیبت سے ان بیچاری نے رستہ طے کیا ہے میں کیا بتاؤں۔ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ۔ چار پانچ کوس کی پیٹھ۔ گود میں بچی ایک ایک قدم بھاری تھا۔ ساری بیویاں لپک لپک کر آگے بڑھی جا رہی تھیں اور وہ بیچاری کبھی پائنچے اُٹھاتیں کبھی بچی کو سنبھالتیں۔ یوں تو ہم سولہ سترہ بیویاں تھیں مگر سب کی سب کچھ ایسی گھبرائی اور سٹ پٹائی کہ جو تھا وہ مردے سے بدتر کیسی سخت مصیبت کا سامنا تھا۔ اِدھر سے کانٹے اُدھر سے گڑھے۔ پھر کان کے

برابر گولیوں کا سَن سَن کرکے نکلنا۔ جانوں کا خدا حافظ۔ اور دلوں کا اللہ بیلی تھا ماتما کا حال معلوم کرنے کا وہ وقت تھا۔ گرمی کے دن دوپہر کا وقت دھوپ میں شدت کی کہ چیل انڈا چھوڑے۔ جلتی بدنصیب کی جوتی بھی اس بھاڑ میں گر پڑی۔ لو کے وہ جھکڑ کہ الٰہی توبہ۔ ماتما کی ماری بچی کو گلے سے لگائے چلی جا رہی تھی۔ آپ ننگی ہوئی دوپٹہ تار تار تہ کیا اور لڑکی کو اڑھایا۔ کہ لو کے جھونکوں سے کچھ تو بچے۔ دونو ہاتھوں سے چھپائے کلیجے سے لگائے چپکے چپکے پڑھ پڑھ کر پھونکتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ "الٰہی میری ننھی کی خیر" کس وقت اور آفت سے وہ کٹھن رستہ طے کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ جھٹ پٹا وقت ہوگا جب ہم ہاں پہنچے۔ قبروں کے ڈھیر اور خاک کے تودوں کے سوا کھانے پینے کو اللہ کا نام تھا۔ بچی، ادھر تو پڑی چار پہر کی دھوپ، ادھر پیاسا ماں کا جلتا بھلستا دودھ۔ گرمی کے دن رات کا وقت ہوا بند۔ بچے یوں ہی پھول پان ہوتے ہیں۔ کوڑھ میں کھاج۔ مفلسی میں آٹا گیلا۔ لڑکی کو پیاس ہوگئی۔ اب پانی کے واسطے اس بچی کا بلبلانا۔ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین تم ابھی بچہ ہو کیا سمجھو گی۔ مگر مجھکو آج کی گھڑی تک یاد ہے کہ اس ڈیڑھ برس کی بچی کی ماتما نے ماں کی جان پر بنا رکھی تھی۔ چاروں طرف پریشان پھر رہی تھیں اور ایک ایک سے پوچھتی تھیں۔ کیوں بہنی یہاں کہیں پانی بھی مل جائے گا؟ بھلا وہاں پانی کہاں، وہی بی سلمی جو دن دہاڑے کوٹھری میں اکیلی جاتی ڈرتی تھیں۔ اندھیرا گھپ جنگل بیابان۔ جدھر منہ اٹھا نکل کھڑی ہوئی۔ اس ننھی سی جان پر اپنی جوان جان قربان تھی۔ چور کا کھٹکا نہ سانپ کا ڈر۔ بچی کو کندھے سے لگا گاؤں کی طرف چل پڑیں کسی اللہ کے بندے نے رحم کھا کر پانی دیا جب وہاں سے لوٹی ہیں گود میں بچی۔ ایک ہاتھ میں مٹی کا لوٹا پانی بھرا ہوا۔ بیٹھ بیٹھ کر یہاں پہنچیں۔ بچی اتنی دیر چلی بالکل ہلکان ہوگئی ادھر ملا پانی ادھر سے ٹھنڈی ہوا۔ اور سب سے بڑا ماں کا پنکھوا۔ آنکھ لگ گئی۔ ہم سب بھی پڑ کر سوگئے۔ مگر اس اللہ کی بندی کو پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ ٹانگیں شل۔ ہاتھ پاؤں تختہ

کر پڑا۔ ایک رُخ بیٹھے بیٹھے گود بھی تھک گئی۔ بہتیرا ہی کہا مگر اس کے دل نے گوارا نہ کیا کہ بچی بے چین ہو۔ وہ آفت اور مصیبت کچھ بھی یاد نہ رہی۔ بچی گود میں کیا تھی گویا خدائی کی نعمت تھی۔ جھک جھک کر پیار کرتی تھی اور بلبلا بلبلا کر دعائیں مانگتی تھی۔ رات بھر تو لڑکی خاصی اچھی طرح سوتی رہی۔ صبح کو بھی اچھی تھی۔ دوپہرے بگڑ گئی۔ خدا جانے لو لگی پیاس ہوئی شام تک تو ہاتھوں میں تھی۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا اور لڑکی ماں کی گود میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ ماں کی نگاہ بچی کے چہرے پر تھی۔ جب بے بسی کے عالم میں کراہتی تھی تو کلیجہ پر ماتما کی چھریاں چلتی تھیں۔ منہ پر منہ رکھ دیتی تھی۔ رو رو کر بھینچتی تھی اور گڑگڑا گڑگڑا کر کہتی تھی۔

"میرے اللہ مجھ دکھیاری پر رحم کر۔ اے میرے اللہ میری بچی کو اچھا کر دے"

دعا مانگ کر پیٹ پر دم کر رہی تھی کہ لڑکی نے آنکھ کھولی۔ اس وقت کی حالت بیان کے قابل نہیں۔ کس محبت سے چمٹی اور رو کر کہا ہے۔

"اے سلمہ میں ماں نہیں لونڈی ہوں" ابھی ماں کی التجا ختم نہ ہوئی تھی کہ لڑکی کو ایک ہچکی آئی اور ماں کی صورت کو تکتی ہوئی ہمیشہ کے واسطے گود خالی کر دی۔ ادھر ادھر کی عورتیں تو دن ہی میں گاؤں کو چلی گئی تھیں۔ بس ہم گنتی کے پانچ آدمی یہاں تھے۔ ہر چند سمجھے سر پٹکا مگر اس مصیبت زدہ نے بچی کو گود سے نہ اتارا۔ اور رات بھر مرے کو کلیجے سے لگائے رہی۔ میں نے جب صبح کی نماز کا سلام پھیرا ہے۔ دیکھتی کیا ہوں گم سم بیٹھی لڑکی کے منہ کو ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔ میرا پاس جا کر بیٹھنا تھا کہ ایک چیخ ماری اور یہ کہہ کر بیہوش ہوگئی۔

"ہائے آپا اٹھو اب میری بیگم کو جنگل میں سلا دو"

سمجھیں بیوی تم۔ یہ ہے ماں کی ماتما۔ ماؤں ہی کا دل جانتا ہے جیسی جیسی مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ بچہ کا پنڈا تپا ہوا۔ اور ماں کا خون خشک۔ ہاتھ پاؤں مارتے۔ ہمک کر گود میں

آ گیا اور خون چلوؤں بڑھ گیا۔ اپنے تئیں گیلے میں سو کر آپ کو سوکھے میں سلایا ذرا جی بے مزہ ہوا اور جان پر بن گئی۔ وہ دوائی ٹھنڈائی جاتی اور بنا بنائی بیتی اور پلائی گیا کیا بتاؤں یہی خدمت گزار عورت جس کو ماں کہتے ہیں۔ اسی لائق ہو کر جب بیٹیاں پل بلا کر بڑی ہو جائیں تو سامنے کھڑی ہو کر زبان چلائیں، زمین کا پیوند ہو جائیں ایسی اگلی اور کیسی بیٹیاں۔ دنیا میں روپیہ پیسہ عیش آرام گہنا پاتا۔ کپڑا لتہ سب چیزیں میسر آ جاتی ہیں مگر نہیں ملتے تو ماں اور باپ آؤ تم کو ایک کہانی سناؤں۔

ایک دن لڑتی ہوئی دو عورتیں
آئیں عادل شاہ کے دربار میں

ایک ننھے بچے پر تکرار تھی
دونوں اس معصوم کی تھیں مدعی

شاہ نے ہر چند سمجھایا انہیں
تاکہ جو قصہ ہو وہ سچ سچ کہیں

پھر بھی لیکن یہ کہا ہر ایک نے
میرا بچہ ہے عنایت ہو مجھے

آخرش کچھ سوچ کر شہ نے کہا
ہم ابھی آتے ہیں تم ٹھہرو ذرا

کہہ کے یہ تشریف اندر لے گئے
اور اس بچہ کو بھی لیتے گئے

کوئی دس بارہ منٹ میں لوٹ کر
آکے بیٹھے بادشاہ پھر تخت پر

ایک خادم کی بغل میں ساتھ تھا
ایک صندوق آبنوسی خوشنما

شہ نے وہ صندوق رکھا روبرو
اور پھر کی عورتوں سے گفتگو

اب بھی گر دونوں نے دعویٰ کیا
تو بڑا نقصان ہوگا دونوں کا

بند ہے وہ بچہ اس میں دیکھ لو
کس کا ہے تم دونوں سچ سچ کہو

جس کا ہے لے لے وہی ایمان سے
ورنہ پھر کیا فائدہ نقصان سے

باوجود اس کے کہا ہر ایک نے
میرا بچہ ہے مجھی کو دیجئے

زیر دربار ایک دریا بہتا تھا
بادشاہ نے خادموں سے یہ کہا

پھینک دو دریا میں اس صندوق کو
اور پھر ان دونوں کو بھی ڈال دو

پھینک کر صندوق شاہ کے حکم سے
آئے خادم عورتوں کے واسطے

ایک تو بس جیتے جی ہی مر گئی
ایک خود دریا میں فوراً جا پڑی

اور جا لپٹی اسی صندوق سے
تاکہ اس کو ڈوبنے بہنے نہ دے

شاہ نے فوراً نکلوایا اسے
اور یہ تاکید کی خدام سے

لاؤ اس بچہ کو اندر سے ابھی
اصل میں اس بچہ کی ماں ہے یہی

شہ نے اس کا بچہ اس کو دیدیا
اور اس میں یہ سنایا فیصلہ

مستحق بچہ کی ہے یہ نیک بخت
دوسری کو دس برس کی قید سخت

دے کے بچہ ایک کو رخصت کیا
دوسری کو قید میں ڈلوا دیا

تم نے دیکھا؟ کیسی کودی دوڑ کر
ماں کا ایسا ہوتا ہے اثر

جان کا اپنی نہیں بالکل خیال
لیکن اس بچہ کا تھا ازبس ملال

ماں کے رشتہ سے بڑا رشتہ نہیں
ماں سے بڑھ کر چاہنے والا نہیں

جاگنا راتوں کو بچہ کے لئے
اور پھرنا گود میں لے کر اسے

بے مزہ ہو کچھ اگر بچہ کا جی
پھر نہ پوچھو اس کے دل کی بے کلی

اور بچہ دودھ پیتا ہو اگر
اور اس کے پیٹ میں ہو کچھ کسر

یا اگر ہو جائے بچہ کو زکام
تو اسے دنیا کی سب چیزیں حرام

کھانے میں پینے میں دن میں رات میں
جاگنے میں سونے میں ہر بات میں

الغرض ہر وقت ہے اسکو خیال
یہ نہ ہو تکلیف پائے میرا لال

کس کو ہے ماں کی محبت میں کلام
بس میاں رشد کرو قصہ تمام

(۸)

دن آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں۔ عمروں کو وفا نہ زمانہ کو قیام۔ روز روز صبح اور روز

روز شام۔ کل کی بات ہے بی نسیمہ کے دودھ چھٹنے کی طیاریاں تھیں۔ آج ماشاءاللہ سات
بھر کر آٹھویں میں پڑی۔ پڑھنے اور یاد رکھنے کا وقت اصل میں تو اب ہی تھا۔ مگر سنجیدہ وہ سمجھدار
اور ہوشیار عورت جس کے پرچھاواں پڑنے سے آدمی تمیزدار ہو جائے۔ بھتیجی کے پڑھانے
لکھانے سے غافل نہ تھی۔ پانچ ہی برس کی کو اس نے ایسے رستہ پر لگا لیا کہ جو دیکھتا واہ
واہ کرتا۔ اس نے اپنی بنگالہ کی مینا کچھ ایسے ڈھنگ سے اٹھائی اور ایسے رنگ سے سدھائی
کہ خدا ساری دنیا کی بیٹیوں کو ایسی استاد نصیب کرے۔ پورے پانچ برس کی بھی نہ
ہوئی تھی کہ اس نے بسکٹ کی ننھی ننھی سی ٹکیاں بنا کر حرف لکھوا لیے۔ صبح ناشتہ کا
وقت آیا اور آٹھ دس ٹکیاں آگے ڈال کر کہا۔ حرف بتاتی جاؤ، اور کھاتی جاؤ۔ ایک
مہینہ ہی بھر میں الف سے لیکر ی تک سارے حرف ایسے ذہن نشین ہوئے کہ دس
میں کیا ایک ہزار میں چھپا دو تو جو حرف کہو الگ نکال لائے۔ حرف اچھی طرح پہچان
چکی تو سنجیدہ نے اپنے ہاتھ سے گڑیاں بنائیں ماتھے پر نام لکھے۔ چھنی کا نام خانم۔
گڈے کا احمد۔ گڑیا کا رحمت۔ کسی کا کلثوم کسی کا سوسن۔ کسی کا مریم۔ کسی کا اسلم
گھر بنایا تو ایسا کہ اس اتنی سی خانم منزل میں ضرورت کی تمام چیزیں سرکنڈے کی تیلیوں کا
پنکھا پٹاپٹی کے پردے، نواڑی پلنگ، بان کی چارپائیاں۔ مٹکا گھڑونچی، لوٹا صراحی
توا چکنی کڑچھا کڑاہی، گرمی کا سامان الگ، جاڑوں کا اسباب جدا، ہر چیز پر نام لکھا
ڈھنگ سے رکھی جانے لگی۔ غرض پڑھنے پڑھانے کا تو اس نے ابھی نام بھی نہ لیا اور
کھیل ہی کھیل میں یہ کمال کیا کہ چار حرف تک کے لفظ کیسے ہی مشکل کیوں نہ ہوں۔ مجال نہیں
کہ اٹک جائے۔ رات کو ساتھ لیکر لیٹتی۔ تاروں کا ذکر کرتے کرتے دوزخ جنت زمین
آسمان سب کے معنی بتا دیئے۔ دن کو پاس لیکر بیٹھتی۔ کھانا پینا ملنا جلنا ہر ایک کے متعلق
تمام حالات سناتی گئی۔ لڑکی ذہین ایسی کہ جو بات ایک دفعہ سن لی ایسی ذہن نشین ہوئی کہ پتھر ہو لی
سات برس کی نسیمہ اردو کی تیسری اور چوتھی ماشاءاللہ فر فر پڑھتی تھی۔ قصہ پر دیا کا

شوق بچوں کو قدرتی طور پر ہوتا ہی ہے۔ سنجیدہ وہ نئی ترکیب کرتی تھی۔ تھانوں پر سے چھپیاں
اتارتیں اور ہر چھپی کے نیچے موٹی موٹی تین چار سطریں لکھ دیں۔ دو ایک باتیں منہ زبانی بتا کر
ایسی چاٹ لگا دی کہ جب تک سارا حال نہ پڑھ لیتی چین نہ پڑتا۔ تصویروں کا شوق ہی کتابوں
کا ذوق۔ نسیمہ کو کتابوں کی ایسی لپٹ کہ سنجیدہ کا بھی جی اکتا گیا۔ دن ہو یا رات صبح ہو یا شام
جب دیکھو کتاب ہاتھ میں نگاہ حرف پر۔ ایک دن صبح کے وقت نسیمہ بیٹھی پھوپی کو سبق
سنا رہی تھی، اتفاق سے ماں بھی نکل آئی دودھ پیتا بچہ گود میں تھا۔ بیٹی کو پڑھتا دیکھ پاس
آبیٹھی۔ نند نے پان بنا کر دیا بیٹی نے پڑھنا شروع کیا "با ادب بانصیب بے
ادب بے نصیب۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جو بڑوں کا ادب کرتی ہیں اور رشتہ
تک کی بوڑھیوں کا کہنا نہیں ٹالتیں۔ گھر بھر میں انکی واہ واہ اور کنبہ بھر میں ان کی
تعریف ہوتی ہے۔ جو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے کیسی سعادتمند بچی ہے۔ کیسے ہی خفا ہو کتنی ہی فضیحتیاں
کرو۔ جا بیجا کچھ ہی کہو مگر کیا مجال جو کسی بات کا بھی جواب دے اماں ہو یا ماما۔ دادی
ہو یا نانی۔ بزرگوں کا ادب عین شرافت کی نشانی ہے۔ حیف ہے اس لڑکی پر کسی بڑی
بوڑھی نے کوئی بات کہی اور اس نے ٹکڑا توڑ کر جواب دیدیا۔ لڑکیو! اگر آج تم بزرگوں کا
ادب کرو گی تو کل تمہارے چھوٹے تمہارا ادب کریں گے۔ اگر اس وقت تم نے اپنی نالائقی
اور ناہنجاری سے ان کی بے توقیری کی تو یاد رکھو اس سے زیادہ تمہاری بے عزتی
ہوگی۔ اے اس کتاب کی پڑھنے والی بچیو! بڑوں کی خدمت کرو۔ انکا ادب
کرو۔ دعائیں لو۔ مرادیں پاؤ پھولو گی پھلو گی۔ خوش و خرم رہو گی جب کسی
بزرگ کے سامنے جانے کا اتفاق ہو یا وہ کسی ضرورت سے نکل کے اس سے اوجھل
ہو کر اپنی اوڑھنی سنبھال کر اوڑھو۔ بلکل ٹھیک طرح سے لگاؤ۔ یہ نہیں کہ بازو
کھلا سر ننگا۔ اوڑھنی کا چھتڑا کندھے پر۔ لڑکیوں کا سب سے بڑا جوہر شرم و حیا ہے۔ بعض
لڑکیوں میں بدتمیزی سے پان کھانے کا سخت عیب ہوتا ہے۔ کپڑے ٹھیک

کر لینے کے بعد یہ دیکھو کہ پان کی سرخی یا چونا تک تو نہیں اڑی ہونٹ پر ہوتی ہو رہی ہیں تو کلی کرو منہ صاف کرو اور نہایت ادب سے آہستہ آہستہ چلکر سامنے آؤ جھک کر سلام کرو اور سامنے سے ہٹ جاؤ۔ یہ بھی عیب کی بات ہے کہ بن بیٹھیں نکل گئے۔ وہ بلائے تو پاس جاؤ سوال کرے تو جواب دو بغیر بلائے سر پر سوار ہونا اور گھس کر بیٹھنا بڑی بیہودہ بات ہے۔ اگر کسی بات کے جواب دینے کی ضرورت ہو تو نیچی نگاہ کرکے ادب سے جواب دو۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تڑاق پڑاق باتیں کرنی بھی عیب میں داخل ہیں۔ پاس بیٹھنے کا اتفاق ہو تو اتنی احتیاط ضرور کرنی چاہئے کہ بولنے میں چھینٹیں منہ سے نہ اڑیں۔ اگر کسی مجلس میں کوئی بزرگ کسی کام کو کہے تو اس کے حکم کی تعمیل شرافت کی عین دلیل ہے۔ اگر چند بیویاں بیٹھی کسی کا ذکر کر رہی ہیں تو سُنی اَن سُنی کر دو۔ خواہ مخواہ دخل دینا اور فضول باتیں کرنی سخت نالائقی ہے۔ ایک بہت بڑا عیب لڑکیوں میں اترے پن کا دیکھا گیا ہے۔ اس کی برائی اس سے اور اس کی اس سے۔ خدا بھلے مانسوں کی بیٹیوں کو اس سے بچائے۔ پہلے پہل تو لوگ بہت عزت کرتے ہیں کہ یہ مخبر ہے اِدھر اُدھر کا حال معلوم ہو گا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں میں جہاں قلعی کھلی۔ بس وہ جھوٹی عزت رخصت ہوئی بلکہ الٹی ذلت حاصل ہوتی ہے۔ کھانا کھانے میں بہت سی باتوں کی احتیاط چاہئے۔ خصوصاً آواز سے چپڑ چپڑ کرکے کھانا پرلے سرے کی بدتمیزی ہے۔ نوالہ اس طرح چبانا چاہئے کہ برابر والے کو بھی آواز نہ آئے۔ یہ نہیں کہ منہ میں نوالہ لینے کے واسطے زبان آدھ گز باہر آجائے جس برتن میں کوئی دوسرا شخص کھا رہا ہو اس میں بھی کھانا اچھا نہیں۔ لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو تمیز کے یہ معنی ہیں کہ اپنے آگے سے کھاؤ نہ یہ کہ دوسرے کے آگے سے اٹھا اٹھا کر اپنا پیٹ بھر لیا۔ ایسے کھانے سے بہتر نہ کھانا۔ جو دوسرے نام رکھیں۔

مانگے تانگے پر فخر کرنا اکثر لڑکیوں میں دیکھا گیا ہے اور یہ ایسا بڑا عیب ہے کہ خدا کی پناہ۔ دوسرے کی چیز پر غرور اور پرائی چیز پر ناز کرنا محض بیوقوفی ہے۔ اپنے پاس چاہے چیز نصیب نہیں مگر دوسروں کی لیکر اترانا عام دستور ہو گیا ہے۔ جو سخت بے شرمی اور بے حیائی کی بات ہے۔ اگر کسی کی کوئی چیز کھوئی گئی تو نقصان کا نقصان ہوا اعتبار کا اعتبار گیا۔ شرمندگی ہوئی سو الگ۔ دوسروں کے پلاؤ قورمے اور زردہ بریانی سے اپنی روکھی سوکھی دال دلیہ ہزار درجہ بہتر۔ جو کچھ خدا نے دیا اس پر قناعت اور جس حال میں رکھا اس پر صبر۔ سب سے بڑی انسانیت اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ بنارس سے کوئی چودہ کوس پر ایک بستی ہے وہاں کے نواب صاحب کے ہاں بیٹے کا بیاہ رچا۔ دور دور سے لوگ آنے شروع ہوئے۔ رئیس کے ہاں کی خوشی۔ بیٹے کا بیاہ۔ روپیہ۔ ارمان۔ دل۔ ساچق والے روز تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ صدر دالان میں نواب کا کنبہ اور بغلی کمروں میں بیگم صاحب کی میکے والیاں اتری تھیں نواب صاحب کی سگی بھانجی۔ تھی تو لڑکی۔ مگر لڑکی کیا آفت کا پرکالہ تھی۔ جب دیکھو کلا گرم، منہ میں گلوری ٹھسی۔ کواری لڑکی کو یوں تک کاجل۔ آئینہ سامنے رکھا۔ اِدھر اُدھر پھری اور شکل دیکھنے بیٹھ گئی۔ چلنے کا دھماکہ وہ آفت کہ جدھر نکل گئی قیامت۔ عطر اتنا غضب کہ ذرا سی دیر برابر میں بیٹھنا مصیبت۔ چال ایسی حال ایسا۔ سب بیویوں نے منہ جوڑنا شروع کیا۔ مگر وہ ٹھسکی خود ہی اسی طرح چاروں طرف اتراتی پھرتی تھی دو مامائیں ساتھ۔ ایک کے ہاتھ میں خاصدان۔ دوسری کے پاندان۔ دم دم پان اور گھڑی گھڑی آئینہ۔ بدتمیزی کی یہ کیفیت کہ سفید انڈا سی دیوار پیک کے دھبوں سے گلنار بنا دی۔ اجلی سفید صاف شفاف چاندنی۔ پانی جو گرا تو گیلی جوڑا اس پر دھری کاجل کی ڈبیا۔ جگہ جگہ خاصے بڑے بڑے کالے چکتے پڑ گئے۔ چاہئے کہ لڑکی اپنی اس نادانی پر کچھ پشیمان ہوتی۔ لاحول ولا قوۃ۔ خیال تو یہ تھا کہ دستور کے موافق۔ ڈولی یا پالکی سے اترتے ہی سب سے مل ملالی ہو گی۔ مگر بی بی کی صحنک کے وقت معلوم ہوا کہ کمبخت کو اتنی بھی توفیق نہ تھی کہ کسی بڑے کے واسطے دو انگلیاں بھی ماتھے پر رکھتی۔ بیگم صاحب کے پاس گئی تو کس کا سلام اور کیسا ادب دیدہ ہوائی آنکھ میں صفائی۔ انگنائی

ہی میں سے آواز لگائی کہو بی ممانی اچھی ہو؟ کھلکھلاتی چلی۔ جھومتی جھامتی آئی اور آتی ہاتی
ماریا برابر میں آن بیٹھی۔ اسی عمر کی ایک اور لڑکی رشتہ میں بیگم صاحب کی دور پرے کی بھتیجی
گو غریب تھی مگر باحیا سلیقہ شعار۔ چاندی کی بالیاں ننگے ہاتھ خالی پاؤں گو یوں تو ہوں
مگر ایک جوہر شرافت اس کے پاس ایسا تھا کہ لاکھوں کا زیور قربان ہو جائے۔ ایک کونے میں
دبکی سکڑی۔ کونے سے پر بیٹھی تھی۔ اس شیخی خوری مغرور لڑکی کو اتنی تاب کہاں کہ غریب
لڑکی برابر میں بیٹھ جائے۔ پاؤں کا ایک ٹھوکا ایسا دیا کہ مسکین سرک کر الگ ہو بیٹھی
اس پر بھی ٹھنڈک نہ پڑی تو کہنے لگی۔ اے ہے ممانی یہ کیا ست بجڑا کارخانہ کر رکھا ہے۔ پہلے ہم
لوگوں کو کھلا دیا ہوتا۔ پھر ان بیچاریوں کو بٹھاتیں۔ دیکھو تو سہی اس لڑکی کے کپڑوں میں سے
کیسی بو آرہی ہے۔ میرا تو جی بھی متلانے لگا۔ اشرف دو ماشہ عطر بھی نصیب نہیں تھا تو شادی میں آنے کی
کیا ضرورت ماری جاتی تھی اور پھر یہ بیحیائی کہ برابر گھسکر بیٹھنا۔ بیگم صاحب کو بھانجی کا کہنا
ناگوار تو بہت معلوم ہوا۔ مگر سسرال کا معاملہ۔ سگی نند کی لڑکی۔ اپنے گھر کی مہمان کچھ سوچ بچار
دم بخود رہ گئیں۔ ہاں اور بیویوں کو یہ نخوتے بہت ہی زہر معلوم ہوئے۔ مفلس غریب
بے ماں کی بچی وہاں سے اٹھ الگ کونے میں جا بیٹھی۔ اس کی حسرت و بیکسی دیکھکر آخر ایک
بڑی بی کو غصہ آگیا۔ کہنے لگیں۔ لڑکی ذرا اپنی ہستی کو دیکھکر بات کر۔ تو نے تو موئے کافروں
کو بھی مات کیا۔ امیری اور گہنا کسی کی ذات نہیں ہے۔ جس جگہ سے تو نے اس وقت ایک
بے ماں کی بچی کو اٹھا دیا۔ تجھے خبر ہے یہ کس کا دربار ہے اور یہ صحنک کس بیوی کے نام کی ہے
یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو مسلمانوں کے سر کا سرتاج ہے۔ وہ بیوی ہے جس کا نام فاطمہ زہرا ہے
جو خود دکھیاری مصیبت کی ماری تھی۔ دو دو تین تین وقت کے فاقوں میں بھی جو کچھ میسر آیا
وہ حاجتمند دل اور مسکینوں پر سے قربان کر دیا اور اپنی نیکیوں کا نمونہ ایک ایسی یادگار
چھوڑ گئیں کہ آج مسلمان بیویاں ان کے نام پر فخر کرتی ہیں۔ اے شیخی میں چور اور دولت میں مغرور لڑکی
تو نے بیچ دربار سے ایک ایسی اصل نسل سیدانی کو اٹھا دیا جو تجھ سے زیادہ حق دار ہے۔ دنیا فانی

اور یہ دولت آنی جانی ہے۔ ارے نادان کس چیز پر بھولی۔ خدا سے ڈر اور مرنے کو مرنا سمجھ
اس وقت اس یتیم بچی کا دل کیا کہہ رہا ہوگا۔ اس کی آہ سے ڈر۔ دکھے ہوئے دل کی فریاد ہے
اور ایک ایسے بادشاہ کے حضور میں ہے جو تجھ سے بہت زیادہ اختیار والا اور منصف
مزاج ہے میری آج کی بات یاد رکھ کہ اگر اس کو راضی نہ کیا تو برباد ہو جائے گی۔ بڑی بی
کی باتیں کچھ ایسی درد بھری تھیں کہ سب کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مگر نہ ٹس سے مس ہوئی
تو وہی کمبخت بشیراں۔ ممانی نے کہا مگر اس کے کان پر جوں نہ چلی۔ اٹھی اور منہ ہی منہ میں
بڑبڑاتی ہوئی سیدھی ہولی۔ سب گنوں پوری کوئی نہ کھو لتہ دری۔ آخر کچھ اللہ نے دیا
تھا۔ گو شیخی کہاں جاتی وہ تو بغل ہی میں تھی جلتی زندہ پھوپی زاد بہن سے اینٹھ دی کے کنگن
لیکر ہاتھوں میں ڈال لئے رات کو پڑ کر سوئی تو نہ کڑوں کا خیال نہ گہنے کی احتیاط یوں ہی پہنے
پہنے ڈھیر بڑے ہاتھوں کے کنگن ڈھیلی کیلیں ایک کھلکر گر پڑا صبح اٹھی تو ہاتھ سے نکلی چوٹی سے
کا جل سب ہی چیزوں کا ہوش اور نہ ہوش تو گئے تھا۔ ماما نے دیکھکر جتایا تو ڈھونڈھا پڑی۔ شادی کا
ہنگامہ سینکڑوں آدمی بھرے۔ کنگن کیا خاک ملتا۔ ستم یہ ہوا کہ اس دینے والے بدنصیب کی بھی
کنگن بیچکے نہ تھے سسرال کے کنگن چڑھاوے کے آئے ہوئے۔ نقصان ہوا وہ الگ شرمندگی
ہوئی سو جدا۔ بیٹیو اس واقعہ سے تم کو سبق لینا چاہئے۔ کبھی کسی کے مانگے کی چیز کا استعمال
نہ کرو۔ کہیں شادی میں جاؤ تو بڑوں اور چھوٹوں سے ملکر جو جگہ تمہارے واسطے تجویز ہوئی ہو ہاں
اپنا بچھونا بچھاؤ۔ اس بات کی سخت احتیاط کرو کہ تمہاری وجہ سے مکان میں دھبے وغیرہ
نہ پڑیں۔ بدزبان کا بچھونا خراب ہو۔ جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے وہی پہن اوڑھ کر جاؤ۔ طور تو اس
طرح کر جو دیکھے وہ خوش ہو تو اس طرح کر جو ملائے وہ باغ باغ۔ جدا ہو تو اس طرح سے کہ دوبارہ
ملنے کی آرزو باقی رہے۔ جو کچھ تار تنکا تم پہنلا میسر ہے اس کو نگاہ میں رکھو۔ سوتے وقت سب
چیزیں اتار کر کسی بڑی بوڑھی کے سپرد کر دو۔ بالیوں کی گوکھروں پونچیوں کی گھنڈیاں کو دیکھے
مونگرے بازو بند جوشنوں کے ڈورے۔ مگر مرکیوں کا کانٹا۔ ان سب چیزوں کی طرف سے اطمینان

کر لو کہ سٹینک میں او ر گرنے والی نہیں۔ صبح اُٹھتے ہی منہ ہاتھ دھونے کے بعد جن زیورات کو پہنا ہو اس کی جانچ کر و۔ بدصورت لڑکیوں پر کبھی نہ ہنسو۔ ممکن ہو کہ ان کی سیرت تم سے بہت اچھی ہو۔ کسی کو حقارت اور نفرت سے دیکھنا بڑی بھاری غلطی ہو۔

ایک لڑکی کا ذرا کالا تھا رنگ
اور اس کے بھائی کا گورا تھا رنگ
کھیلتے تھے مل کے وہ دونوں بہم
کچھ نہیں تھا اُن کے دل کو رنج و غم
ایک دن اُنکو کہیں گھر میں پڑا
اتفاقاً ایک آئینہ ملا
دیکھی صورت اسمیں دونوں نے جو میں
کھلکھلا کر ہنس پڑا لڑکا وہیں
اس کے ہنسنے کا سبب وہ پا گئی
اور اپنے دل میں شرمندہ ہوئی
آئی بھڑ رتی ہوئی وہ ماں کے پاس
اور یوں کہنے لگی ہو کر اداس
بھائی کو بلوا کے اماجان ابھی
کہدو آئینہ نہ دیکھیں وہ کبھی
ماں نے اس کی جو بہت تھی ہوشیار
پونچھکر آنچل سے آنسو کر کے پیار
اس کی تھوڑی کو پکڑ کر یہ کہا
کون اس صورت کو کہتا ہو بُرا
خاصی اچھی شکل ہو اے میری جاں
کچھ نہ کرنا اپنے دل میں اسکا دھیاں
اور اگر ایسا ہی تم کو ہو خیال
اور صورت کی برائی کا ملال
تو کرو بیٹی ہمیشہ نیک کام
تاکہ ہو دنو جہاں میں نیک نام
صورت اچھی گر نہیں تو شرم کیا
سیرت اچھی چاہیئے لے با حیا
اور پھر بلوا کے لڑکے سے کہا
تم کو دعویٰ ہو بہت کچھ حُسن کا
کیوں ہنسے تھے تم بہن کی شکل پر
کیا برائی اس میں آئی تھی نظر
یہ جو صورت ہو تمہاری چاند سی
ہو نہیں بالو سے کچھ ماندسی
گر کسی کی شکل ہو سچ مچ بری
تو بھی اسمیں کیا خطا اس شخص کی
اور جس کو اچھی صورت دے خدا
اس کو بھی کچھ نہیں حق فخر کا

ہاں مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے
اپنی صورت کو بنائے آپ سے
شرم بھی جائز ہو بیشک فخر بھی
یہ نہیں ممکن مگر بیٹا کبھی
کام اچھے کرکے تم اے بیٹی چاند
اپنی صورت کو لگاؤ چار چاند
اسکو بخشا ہو خدا نے جو شرف
یہ نہ ہو لگ جائے اسمیں کچھ کلف
اچھی صورت سے ہیں اچھے اچھے کام
ختم کرر شد حکایت والسلام

(۹)

یہاں تک پہنچکر نسیمہ ٹھٹکی تو ماں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور نند سے کہا اے ہے آپا اس غریب لڑکی کا حال سُنکر تو میرا جی بہت کڑھا۔ مگر ایک بات کہتی ہوں۔ لڑکیوں کے پڑھانے لکھانے سے فائدہ کیا۔ ان کو کہیں نوکری نہیں کرنی روٹی نہیں کمانی۔ سارے جہان کا حال بتا کر اور دیدہ دلیر کرنا ہے۔

نند۔ اللہ کا شکر ہو میں بھی مسلمان ہوں اور تم بھی۔ ہمارے حضرت نے فرمایا ہو کہ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہو۔ نسیمہ کی ماں تم بھی کیا بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ پڑھنے سے اور عقل آئے گی یا دیدہ دلیر ہوگا۔

بھاوج حضرت کے فرمانے کی تو مجھے خبر نہیں مگر میرے ابا اللہ بخشے آخر اتنے بڑے مولوی تھے۔ لیکن ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ لڑکیوں کا پڑھانا بہت ہی بری بات ہے۔

نند۔ میں تمہارے والد کی شان میں تو کچھ نہیں کہتی مگر جن بزرگوں کا یہ خیال تھا وہ غلطی پر تھے۔ وہ بات کی تہ کو نہ پہنچے اور مسلمانوں کو جان بوجھکر کنوئیں میں ڈھکیل دیا۔ ماؤں میں جاہل بچوں کی تربیت اچھی نہ ہوئی۔ خاصی بھلی چنگی قوم کا ناس ہوگیا۔ پیغمبر زادیاں اور پیغمبر صاحب کے زمانہ کی مسلمان عورتیں علم کا دریا تھیں۔ یہ تو موٹی سی بات ہو کہ علم آدمی کو آدمی بنا دیتا ہو۔ پڑھ لکھکر عورتیں خدا کو خدا سمجھنے لگیں گی

گناہ سے بچیں گی۔ برائی سے پرہیز کریں گی۔ ایمان کو ایمان۔ عزت کو عزت۔ بڑوں کو بڑا، چھوٹوں کو چھوٹا۔ ہر چیز کی اہلیت معلوم ہو جائے گی! دیدہ دلیر کی جو کہتی ہو تو کیا ان پڑھ عورتیں چلتی ہوئی نہیں ہوتیں۔ جاہل تو بھی چلتر ہوتی ہیں کہ بڑی بڑی پڑھی لکھیوں کے کان کاٹیں۔ تم کو کچھ لسنت کی بھی خبر ہے۔ کبھی اخبار دیکھو اور دنیا کا حال سنو تو معلوم ہو کہ مسلمان کتنے ذلیل ہو گئے۔ روز بروز بدتمیز نالائق۔ چھوٹے کمینے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں صرف اس سبب سے کہ عورتیں جاہل ہیں اور گودی میں دنیا بھر کے عیب بچوں میں پیدا کر دیتی ہیں۔

بھاوج۔ واہ بوا واہ عورتیں جاہل ہیں تو مردوں کے واسطے یا وہی کہاوت ہے کہ کمہار پہ بس نہ چلا، گدھیا کے کان اینٹھے۔

نند (ہنس کر) ہاں ہاں بہت بڑا واسطہ ہے۔ بچوں کا سب سے پہلا مدرسہ سمجھو اتالیق سمجھو جو کچھ بھی ہے ماں کی گود ہے۔ جو سنیں گے وہ جانیں گے جو دیکھیں گے وہ سیکھیں گے! ماں کی یہ حالت کہ نہ خدا کی نہ رسول کی۔ تہذیب سے کوسوں دور جہالت میں چکنا چور۔ عقل نہ ہوش برکت نہ نور۔ چہرہ پر پھٹکار، صورت پر خدا کی مار۔ نالائق طریقے بیہودہ اطوار وہی اثر بچہ پر ہوگا یا کچھ اور۔ بچپن کی پڑی ہوئی عادتیں قبر تک ساتھ جاتی ہیں اور کسی طرح چھپائے نہیں چھپتیں۔ جھوٹ، مکر، دغا، بے ایمانی۔ بس اسی کا نام مسلمانی رہ گیا ہے۔ تم بھی تو مسلمان ہو۔ تمہارا دل یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان دنیا میں عزت حاصل کریں اور اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں۔ کل ہی تو میں نے اخبار میں پڑھا ہے جیلخانہ کے قیدیوں میں اسی فیصدی مسلمان ہیں، یعنی سو میں اسی۔ باقی بیس میں اور سب قومیں۔ یوں سمجھو کہ اگر شہر میں پانچ آدمی پکڑے جائیں جو چور دغاباز بے ایمان ہوں تو ان میں چار مسلمان ہیں۔ کیسے شرم کی بات ہے۔ اگر آج لڑکیاں پڑھ لکھ کر ان دقیانوسی ڈھکوسلوں سے کسی طرح چھٹی پا جائیں تو چاہے ہم ہوں یا نہ ہوں۔ مگر ایک پچاس برس بعد جو جیتا رہیگا وہ دیکھ لیگا

کہ ایمان جس پر انسانیت کا دار و مدار ہے کیسا درست ہوتا ہے۔ اور جب ایمان یعنی آدمی کی طینت ٹھیک ہے تو دنیا اور دین دونوں اچھے۔ مجھ کو تعجب اور افسوس ہوتا ہے کہ کس طرح لوگ دوسروں کو دھوکا دیکر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ انسانیت کے یہ معنی ہیں کہ جو بات آدمی اپنے واسطے پسند نہ کرے۔ دوسرے کے لئے بھی روا نہ رکھے۔ نہیں تو وہی کہاوت ہوگی اپنا پوت اور کا ڈھینگرا۔ تعلیم سے بچے کے خیال چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کچھ نہ کچھ کیا بہت کچھ درست ہو سکتے ہیں۔ خدا وہ دن کرے کہ مسلمانوں کی لڑکیاں پڑھنے لکھنے لگیں۔ پھر تم دیکھنا کہ ان ہی گودوں سے ایسے بچے نکلیں کہ واہ واہ سبحان اللہ۔ کہو کیا بھابھی سچ ہے یا جھوٹ۔

بھاوج۔ سچ جھوٹ تو میں جانتی نہیں۔ مگر ہاں یہ ضرور کہوں گی۔ سو میں کہوں ہزار میں کہوں۔ اگر ایسا ہی پڑھانا ہے۔ تو قرآن شریف پڑھا دو۔ نماز سکھا دو۔ بس اس کے آگے ٹھیک نہیں۔ لکھنا سکھانے کی تو میری صلاح ہرگز نہیں ہے۔ کون سے دفتر لکھنے ہیں۔ لکھنا آتا ہے تو جس کو جی چاہا لکھ بھیجا۔

نند۔ جی نہ ہوا پاگل ہوا۔ جس کو جی چاہا لکھ بھیجا۔ بے پڑھے لکھے جی چاہا تو جہاں جی چاہا نکل کھڑے ہوئے۔ ایک اس بیہودہ خیال نے ہم کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ بیوی علم تو اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ یا الٹا تم اور یہ الزام لگاتی ہو۔ میرا اتنا سمجھانا بھی بیکار گیا اچھا اور ایک بات بتاؤ۔ میاں بیوی کا رشتہ کیسا ہوتا ہے۔ سینکڑوں باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ دوسروں کے بتانے کے قابل نہیں۔ اگر میاں پردیس میں ہے اور لکھنا نہیں آتا تو اول تو ایک ایک کی منت خوشامد کرو۔ دوسرے تمام دنیا میں اپنے بھیدوں کا ڈھنڈورا پیٹو۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اپنی ضرورت کے وقت کچھ نہ معلوم ہوا۔ لیکن جب سر پر آ پڑی تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بولو بیوی ہاں نا کا کچھ تو جواب دو۔ چپ بیٹھنے کی سمجھ نہیں ہے۔

بھاوج۔ ہاں یہ تو سچ ہے مگر آپا پڑھنے لکھنے سے ذرا عقل زیادہ تیز ہو جاتی ہے اور

بھر دوڑ ہی کی سوجھتی ہے۔

نند۔ پھر عقل زیادہ ہونا بھی عیب ہے۔ برا تو مانتا نہیں۔ اس لئے گوشت کے لوتھڑے سنبھلی کو ہی دیکھ لو۔ کیا چیز نہیں ہے۔ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پاؤں۔ انگلیاں۔ کسی کی ہوں پانچ اس کی جہ۔ خفا ہو گی تو ہو لینا ایک نہ پڑھنے کی وجہ سے جانور ہو گئی۔

بھاوج۔ اس کی تقدیر کیا کروں۔ میں آپ اس کے ہاتھوں نالاں ہوں باتوں ہی باتوں میں سب کچھ کہہ دیتی ہوں مگر وہ تو اس کان سنا اور اس کان اُڑا دیا۔ چکنا گھڑا بوند پڑی پھسل گئی۔ موئے کتے کی بھی اور ہو گی اور اس کی نہیں۔ غیرت ہو تو سب کچھ ہے جب اُتار لی منہ کی لوئی تو کیا کریگا کوئی۔ مسلمان کی بچی اور کبھی خدا کو سجدہ نہ کرے۔ کرے کہاں سے دل میں خوف ہو تو کرے۔ کوڑی کوڑی پر قسم بات بات میں قرآن جوان لڑکی ہٹی کٹی۔ موٹی تازی۔ کھانے کو سب سے پہلے موجود۔ کام کے نام موت۔ بس بی آپا اب میں جاتی ہوں۔ دیکھو کتنی دیر ہو گئی۔ اب اُن کے آنے کا بھی وقت ہو گیا۔ جاؤں کھانے کا ٹھیک ٹھاک کروں۔

(۱۰)

بھاوج مزاج کی کیسی ہی ضدی کیوں نہ ہو مگر نند نے آج ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دو ہی باتوں میں سٹی بھول گئی۔ کچھ بات کی پچ کچھ مرے ہوئے باپ کی غیرت کا خیال منہ در منہ قائل نہ ہوئی تو کیا۔ دل میں تو اتنا سمجھ ہی گئی کہ نند جو بات کہہ رہی ہے وہ باون تولے اور پاؤ رتی کی۔ دور کیوں جاؤں پہلے اپنی ہی لڑکیوں کو نہ دیکھوں۔ کہنے کو تو دونوں ایک ہی پیٹ کی اولاد ہیں۔ ایک ہی ماں کا دودھ پیا۔ ایک ہی گھر میں ہیں۔ ایک ہی محلہ میں پلی بڑھیں۔ مگر زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ بیگم یہ گستاخ۔ وہ آدمی یہ جانور۔ کہنے کو جو جی چاہے سو کہہ لوں۔ مگر ایمان کی بات یہ ہے۔ قصور میرا ہی ہے۔ ایک تربیت اچھی نہ ہونے سے لڑکی ہاتھ سے جاتی رہی۔ ڈیڑھ گز کی زبان۔ ساتویں آسمان پر مزاج ۔ لڑکی کیا

فرعون بے سامان ہے۔ نرگس کی دشمن۔ سورج کی قاتل۔ باگھی ہے وہ شاکی۔ تاباں ہے وہ نالاں بچوں بی ناخوش۔ بادا بیزار۔ خدا کی قسم اس مردار نے تو میرا دم ناک میں کر دیا۔ ننھیال اور ددھیال ایک بھی تو خوش نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت ہے۔ کنبہ تو کنبہ اور محلہ تو محلہ۔ شہر بھر میں نام اُچھل رہا ہے۔ بیچاری دھوبن لینے میں نہ دینے میں۔ آٹھ پاس۔ برسوں بیٹھے بٹھائے اس کی جان کو آ لگی۔ زبان ہے کہ الامان الحفیظ۔ سینکڑوں کوسنے اور ہزاروں فضیحتیاں۔ بچہ نہیں نادان نہیں۔ پاگل نہیں۔ سڑن نہیں۔ یہاں تو خیر جیسی گزرنی تھی گزر گئی۔ اور جیسی گزرنی ہوگی گزر جائے گی۔ مجھکو تو آگے کا اندیشہ ہے۔ کون بھریگا۔ اور کیا کریگی۔ نسیمہ کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔ الٰہی دنیا بھر کی خوبیاں اس کو۔ دودھوں نہائے پوتوں پھلے۔ باپ کی اچکن میں کھڑے کھڑے ایسا بخیہ کیا کہ میرے تو باپ سے بھی نہ ہو۔ سگھڑ بے زبان مسکین تمیزدار بڑی بی تک جو چاہیں کہہ دیں کیا مجال جو اُلٹ کر جواب دے۔ کیسا دل خوش ہوا ہے جب بھری محفل میں ملانی جی نے کہا ہے کہ میرا تو منہ نہیں جو نسیمہ کی تعریف کروں مجھ لاندھی دہندی کا جیسا خیال رکھتی ہے روز نگوڑا دعا دیتا ہے۔ محلہ بھر پڑا ہے اور ایک سے ایک افضل اور اعلیٰ۔ اللہ رکھے کھاتے پیتے مگر کوئی بات بھی نہیں پوچھتا۔ لیکن وہ اتنی سی بیگم دلی کہوں فرشتہ کہوں جب تک مجھکو کھانا نہ بھیجے گی اپنے منہ میں ڈالنا حرام کون کسی کو پوچھتا ہے اس عمر میں۔ وہ دل ہے کہ میں نے تو اتنی عمر میں دیکھا نہیں۔ یہ کرتہ اور پاجامہ اسی کے ہاتھ کا ہے۔ جان سے مال سے ہاتھ سے پاؤں سے ہر وقت اور ہر لحظہ تیار اور موجود۔ گھر ہی بھر کو کل جاؤں تو زردہ پر زردہ ۔ پانچوں وقت نماز کے بعد دعا مانگتی ہوں الٰہی دنیا کا عیش ان بچی کو نصیب ہو۔ عزت آبرو تو خدا کے ہاتھ ہے مگر میرے ساتھ تو اس نے ایسا سلوک کیا کہ میرے موئے باپ دادا کی لاج بڑوں کی عزت سادات کی شان اس کے دم سے باقی رہ گئی۔ ورنہ بھیک مانگتی تو ٹکڑا نصیب نہ تھا۔

رات کا وقت گھر بھر پڑا سوتا تھا اور وہ نکبخت پلنگ پر لیٹے لیٹے کبھی ہنس رہی تھی

کبھی ڈر رہی تھی۔ ان دونوں کے جھگڑوں سے چھٹی پائی تو بڑی کا دھیان آیا۔ پردیس کا خیال آتے ہی ایک جھٹکا سا بندھ گیا۔ سوچنے لگی کہ جمعہ جمعہ آٹھ جمعہ جمعہ پندرہ جمعہ جمعہ بائیس ہفتہ تئیس اتوار چوبیس پیر پچیس منگل چھبیس آج ستائیسواں دن ہے۔ خط نہ پتر۔ خیر نہ خبر۔ کس سے پوچھوں کیا کروں۔ پر ہوتے تو اُڑ کر جاتی دیکھ آتی۔ ننھے کا جی بے مزہ لکھا تھا۔ خبر نہیں اب کیسا ہے۔ خراب خراب باتیں بُرے بُرے وہم دل میں آ رہے ہیں۔ خدا کرے اچھی بھلی ہو۔ گرمی کا موسم دن لگے۔ پہلی گرمی، بچہ کا ساتھ خدا اپنا فضل کرے۔ وہ حرف لکھوا کر بھیج دیتی۔ تو یہ پریشانی نہ ہوتی۔ مگر اس بیچاری کا قصور ہی کیا۔ پرائے ہاتھ کی محتاج کہاں جائے کس سے لکھوائے۔ میاں دورے پر گیا ہوگا۔ غریب سی اُدھیڑ بن میں تھی کہ لو منجھلی نے بلبلانا شروع کیا۔ سات دن سے آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔ بہتیرا ہی سب نے کہا، دو دن گھبرا لگائے تیسرے دن ماری سی آنکھیں ہو جائیں گی۔ مگر وہ کس کی سنتی تھی۔ پھوپھی نے ہر چند سمجھایا کہ ذرا سی پھٹکری کہ چھے میں کھلکر بھون لو پھر بجائے تو سرمہ سی پیس کر گلاب میں حل کر لو اور جہاں کر شیشہ میں بھر لو۔ پر کا قلم میں بھیج دوں گی۔ دو تین ہی دفعہ کے ڈالنے میں دیکھنا کتنا فرق معلوم ہوتا ہے۔ الکسی معلوم ہو تو اس کو بھی جانے دو ایک پیسہ میں پوست۔ پھٹکری۔ چھوٹی ہڑ۔ بہیڑہ یہ چار چیزیں منگوا کر دو پوٹلیاں باندھ پانی میں ڈال لو وہ پھیرتی رہو۔ دیکھنا ایک ہی دن میں آنکھیں چندن سی ہو جائیں گی۔ چاکسو تو لگتا بہت ہے۔ کہو میں رات کو آکر سفیدہ بھر دوں۔ ذرا سی تکلیف تو ہوگی صبح اُٹھتے ہی یہ کھٹک وٹک کچھ بھی نہ رہیگی۔ اگلے برس میری آنکھیں کیسی تو نکل آئی تھیں۔ ڈاکٹر کی دوا اور تین ہی دفعہ ڈالی تھی بالکل صاف ہو گئیں۔ آنکھوں کا معاملہ ہے کٹھائی میں نہ ڈالو۔ غرض اپنی اپنی جگہ سب ہی نے سمجھایا مگر منجھلی بیگم کی سرکار میں کہنا سُننا اور سمجھانا بیکار۔ کیسا علاج اور کس کی دوا۔ چاہیے کہ نون مرچ بادی ثقیل کسی چیز کا تو پرہیز کرتی، تو یہ سب ہی کچھ کھایا اور سب ہی کچھ پیا۔ ستم یہ کیا کہ اوپر تو کہائی بریانی اوپر سے پیاڑت کرپانی۔ دوپہر کو آنی کا چین اس سے بنوالیے کچالو اور وہ بھی امرود کے

کہا نا تھا کہ آنکھوں میں دُنبے پڑ گئے۔ سونے لگی تو آنکھوں کا حال کچھ اور ہی تھا۔ دم بھر کو چین نہ آیا لیٹی۔ اُٹھی۔ بیٹھی۔ تڑپی۔ آخر رونا شروع کیا۔ ماں پہلے ہی اپنی بیٹی کی تقدیر کو جھینک رہی تھی۔ غصہ تو آ گیا تھا مگر خدا نے ہی کچھ سمجھ دیدی کہ چپکی پڑی رہی۔

رات تو خیر جوں توں گذر گئی صبح کو نسیمہ کی ماں خاصی اچھی طرح اُٹھی منہ دھویا نذر و کھایا۔ ترکاری بیٹھی بنا رہی تھی کہ سر چکرانے لگا۔ ابھی زردہ ہی رامپوری گھس کا وقت دماغ کو چڑھ گیا۔ مگر سر نے تو وہ گھیری لی کہ خدا کی پناہ۔ گود کے بچے نے ضد شروع کی تو ایسی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ دُبے اڑیاں اور دُبے پٹخنیاں۔ ہر چند دودھ دیا بہلایا۔ کھڑی ہوئی سُلائے پھری بسنیاں بجائیں۔ کنڈیاں کھٹکھٹائیں۔ چمکارا پیار کیا۔ میاں کی دولہا کہا۔ سب ہی کچھ کہا اور سب ہی کچھ کیا۔ مگر وہ ہارو تی کس کی سنتا تھا۔ گھر بھر کو سر پر اُٹھا لیا۔ چکروں نے پہلے ہی جان پر بنا رکھی تھی۔ بچہ کی ضد اور سر کے مارے شاہ مار ہو گئی۔ کھڑی ہو کر ٹہلے تو ذرا تالو سے زبان لگ جائے۔ جہاں بیٹھی اور بچہ نے چیخم دہاڑ۔ سر کہے کہ ذرا لیٹی اور دم نکلا۔ بچہ کہے کہ ذرا دم لیا تو جینا دو بھر کر دوں گا۔ بچے کا چیخنا بلکنا سُنکر نسیمہ آئی۔ دیکھتی کیا ہے کہ بچہ پچھاڑیں کھا رہا ہے اور ماں سے بولا نہیں جاتا بچی کی صورت دیکھکر ماں کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگی نسیمہ دیکھ تو سہی۔ میری تو جان نکلی جا رہی ہے اور یہ ہے کہ کسی عنوان نہیں مانتا۔ کیونکر کھڑی ہوں۔ ذرا لیتی ہوں تو بیچا نکلا پڑتا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو اپنے ہاں لیجا۔

نسیمہ۔ میرے تو سبق کا وقت ہے۔ ذرا قرآن شریف پڑھ لوں تو پھر لے لوں گی۔

پھوپی بی بھتیجے کے یہ بین سُنکر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی تھی بھتیجی کا جواب سُنکر دنگ رہ گئی۔ اس سے تو کچھ نہ بولی۔ مگر آپ کر لڑکے کو لے لیا۔ بچہ کی فقط ضد تھی۔ پھوپی نے جو کندھے سے لگا کر لگا تار پیر سے کے منہ رکھکر سو گیا۔ الگ سے جھولے میں لٹا چار پانچ جھونٹے دیے بجا ج پاس ا بیٹھی درد بدستور تھا۔ ماما کو بلا پیسہ دیا۔ وہ بیلے کے پھلکن کے

پھول منگوائے، بیسکر لگانے تھے کہ درد کا پتہ بھی نہ تھا۔ سبق پڑھ چکی تو نسیمہ بھی ماں کے ہاں آئی، مگر پھوپھی اس کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول اپنے ہاں، بچہ تو سو ہی گیا تھا۔ نسیمہ بیٹھی ماں کا سر دباتی رہی۔ کھانے کا وقت آیا تو ماں کہنے لگی بس بیٹی تو ٹھنڈی رہ اب جا کھانا کھا پھوپھی راہ دیکھ رہی ہونگی۔ گھر آئی تو پھوپھی کا منہ پھولا ہوا۔ کچھ دیر تک تو وجہ سوچتی رہی۔ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو کہنے لگی۔

کھانا تیار ہے نکالوں۔

پھوپھی۔ تم کو بھوک ہو تو کھالو، میں تو ابھی نہیں کھاؤں گی۔

نسیمہ۔ کیوں؟ آپ کو بھوک کیوں نہیں ہے۔

پھوپھی۔ اس بحث سے کیا حاصل۔ میں تم سے بات بھی کرنی نہیں چاہتی تم برابر بولے جاتی ہو۔

نسیمہ۔ مجھے اپنا قصور معلوم ہو جائے کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی۔

پھوپھی۔ مجھے کیا خبر نہیں۔ میں سب سن رہی تھی۔ ایسی کڑی بیٹی، الٰہی دشمن کو نصیب نہ ہو۔ ماں کی یہ حالت کہ درد کے مارے بات تک نہ کی جائے کتنی خوشامد سے اس نے کہا بیٹی ذرا اس کو سہ لے اور تیرا دل نہ پسیجا۔ بے سود ہیں وہ بیٹیاں جو اس طرح بھر منہ ماں کے ہاتھ میں ٹکا سا جواب دے دیں۔

نسیمہ۔ آپ نے خیال نہیں کیا، میں نے کیا عرض کیا تھا۔ وہ سبق کا وقت تھا۔ اس لئے میں نے کہا پڑھ کرے لونگی۔

پھوپھی۔ ہاں ہاں میں نے سن لیا تھا۔ سبق تھا نماز تو نہ تھی کہ قضا کا ڈر ہو۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پڑھ لیتیں۔ ہاں کھانے کو ذرا دیر ہو جاتی۔

نسیمہ۔ لے ہے پھوپھی اماں۔ مجھے تو کھانے والے کا بالکل بھی خیال نہ تھا اگر یہ قصور ہے تو اماں جان سے ابھی معاف کروا لیتی ہوں! میں سچ عرض کرتی ہوں صرف پڑھنے کی وجہ سے اس وقت عذر کیا۔ ورنہ ایسی خطا ہرگز نہ ہوتی۔

پھوپھی۔ پڑھنے کا تو میں جواب دے چکی۔ تم کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ اس وقت کی تعمیل فقط ماں ہی کا حکم نہیں ایک حاجتمند کی مدد بھی ہے۔ تم نے اپنا ذاتی فائدہ ان دونوں باتوں سے بہتر سمجھا۔ کس کام کا وہ آدمی جو اپنے فائدہ کی وجہ سے دوسروں کی پرواہ نہ کرے۔

نسیمہ وہ لڑکی جس نے آج تک کسی کی اونچی بات نہ سنی ہو پھوپھی کا اعتراض سنتے ہی بے اختیار ہو گئی۔ بس ہاتھ دے کر اپنی آنکھوں پر، کھانا چھوڑ چھاڑ الگ کوٹھڑی میں جا بیٹھی اور لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے۔ ماں سے زیادہ چاہنے والی پھوپھی جس نے آٹھ نو برس میں کبھی بھتیجی کو ہوں تک کی نہ کہتے تو اتنا کہہ گئی مگر بچی کی آنکھ سے آنسو نکلنا تھا کہ اس کی اپنی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی مگر سمجھدار عورت دور اندیش آدمی دل بہت تڑپا اور جی بہت ملا لیکن خوب جانتی تھی کہ اگر اس وقت اس کو چمکارتی ہوں تو یہ ناز برداری میرے واسطے نہیں اسی کے واسطے اندھیر ہو گی۔ طبیعت بھر آئی تو کمرہ میں جا آپ بھی رو آئی مگر اس کے سامنے آئی تو خاصی اچھی طرح۔ نسیمہ رو دھو چکی تو آ کر پھوپھی کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی میرا قصور معاف کر دیجئے۔ بھتیجی کا آ گرنا تھا کہ تڑپ اٹھی سر اٹھا کلیجہ سے لگا لیا اور کہا میرا تو کچھ قصور نہیں۔ جاؤ اپنی ماں سے معاف کراؤ۔ میں بھی پیچھے پیچھے آتی ہوں۔ اماں غریب ان قرینوں سے کیا واقف وہ تو اس بیٹی کی ماں تھی جس نے آج تک کبھی کہا ہی نہ مانا اسکو یاد بھی نہ تھا کہ میں نے کیا کہا اور اس نے کیا۔ مگر نسیمہ کی اس فرمانبرداری سے دل باغ باغ ہو گیا۔

(۱۱)

بات، رفع دفع ہو گئی وقت گزر گیا۔ نسیمہ اس وقت تو چپ ہو گئی مگر رہی تاک میں کہ کب موقع ملے اور میں اس کو ٹٹولوں۔ برسات شروع ہو گئی تھی۔ ایک دن رات کے وقت لڑکی بالیاں جھولا جھول رہی تھیں۔ پہلے بیاہی لڑکیوں نے ملار گائے پھر چھوٹی چھوٹی بچیوں نے

یہ گیت شروع کیا۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کبھی آوے گا

جیوے میری ماں کا جایا ڈولی بھیج بلائے گا

دونو پھوپی بھتیجیاں برابر لیٹی سُن رہی تھیں اور جھولے کی لڑکیاں لہک لہک کر گا رہی تھیں دیوار بیچ گھر تھا صاف آواز آرہی تھی۔ سنجیدہ نے بھتیجی سے کہا نسیم تم نے یہ گیت سُنا۔

نسیمہ۔ جی ہاں مجھے پہلے سے بھی معلوم ہے۔

پھوپھی۔ کچھ اسکا مطلب بھی سمجھتی ہو۔ کہنے کو تو ایک معمولی سا گیت ہے مگر ذرا غور کرو اور بہن بھائیوں کی محبت کا اندازہ لگاؤ۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہیں دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔ یہ بیچاری لڑکی اپنی سسرال میں ہے۔ جہاں میکے کی چڑیا تک نصیب نہیں۔ نیا نیا بیاہ، اجنبی آدمی، غیر لوگ۔ رہتے رہتے جی اُکتا گیا اور میکے والوں کی صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں ماں اور باپ دونو کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے جنکے دم سے میکہ تھا جب ہی چل بسے تو اب کون بات پوچھنے والا رہا۔ بچپن کے دنوں کو یاد کر رہی ہے۔ گھر چھوٹا گھر والے چھوٹے جن کے ساتھ کھیلی پڑھی اُٹھی بیٹھی اُنکی باتیں خواب خیال ہو گئیں۔ کوئی اتنا بھی تو نہیں کہ وہاں والوں کی خبر تو لادے۔ جس گھر میں اس وقت ہے وہاں نیم کا درخت لگا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھی پچھلے زمانہ پر آنسو بہا رہی ہے۔ اس رنج و غم کی حالت میں جب کلیجہ پر چھریاں چل رہی تھیں اور چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھی خیال آیا کہ ماں مرگئی تو کیا "ماں جایا موجود ہے" ساون کے مہینے میں جب بھاوج کے واسطے جھولا پڑے گا اس وقت تو بھائی مجھکو یاد کرے گا۔ تب بھاوجیں مِلکر جھولیں گی۔ اتنا سوچتی تھی جو اوپر نگاہ گئی تو پکی پکی نبولیاں دکھائی دیں۔ یہ کسی سے سُن رکھا تھا کہ نبولی ساون کے قریب پکتی ہے بے اختیار ہو کر کہتی ہے۔

نیم کی نبولی پکی ساون بھی کبھی آوے گا

یہاں تک تو وقت آگیا کہ نبولی پک گئی۔ کبھی نہ کبھی تو ساون بھی آئے ہی گا یعنی میں کب تک اس طرح ترسونگی اور اپنے عزیزوں کے دیدار سے محروم ہونگی ساون آیا اور میکے پہنچی اس یقین کے ساتھ ہی بھائی کی محبت کا جوش دیکھو، پہلے اس کی درازی عمر کی دعا مانگی پھر اپنی خواہش ظاہر کی۔

جیوے میری ماں کا جایا ڈولی بھیج بلائے گا

تم نے یہ شکل سنی ہوگی۔ بہن سو برس کی اور بھائی پانچ برس کا۔ بہن کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو چھوٹا سا بھائی بھی اس سے رشتہ میں بڑا ہے اس کا مان رکھنے والا اس کی ناک بڑھانے والا۔ کیسی خوش نصیب ہیں وہ لڑکیاں جنکو اللہ نے یہ نعمت دی اور کیسی بدنصیب ہیں وہ لڑکیاں جو اس نعمت سے نفرت کریں۔ بھائی جیسی چیز بھلا کہیں نصیب ہوتی ہے۔ اپنا دم ہے تو سب کچھ میسر ہو جائیگا مگر یہ چیز کہاں! شاید ہی کوئی دن جاتا ہوگا کہ میں تمہارے چھوٹے چچا کو یاد کرتی ہوں۔ کیسے ہنستے ہوئے دروازے میں گھستے تھے اور دور ہی سے کہتے تھے آپا کدھر ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ برسات کے دنوں میں رومال بھر کر امرود لائے۔ کنجڑے کو کیا غرض پڑی تھی کہ وہ دھو دھلا کر دیتا۔ کیچڑ میں لتھڑے مٹی میں سنے لاکر حوالے کیے۔ میں حکیم جی کے ہاں جیٹھی میں جا رہی تھی۔ کارچوبی دوشالہ سر پر تھا۔ انہوں نے رومال الٹا۔ میں نے جھولی میں امرود لے۔ سچ کہتی ہوں وہ کیچڑ کارچوب سے زیادہ عزیز تھی۔ دوشالہ خراب ہوگیا تو ہوگیا اب بھی اس جیسے چار موجود ہیں۔ مگر اس محبت سے لانے والا پیدا نہیں۔ ماں باپ تو قبر میں سے اُٹھکر آئیں گے۔ نہ بھائی پیدا ہوگا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی خدمت تو عین سعادت ہے۔ ہم کو پال پوس کر اس نے بڑا کیا ہے کہ ہم ماں کا ہاتھ بٹائیں۔ دکھ درد میں ساتھ ہوں جیسی ہماری خدمت کی ہے اس کا بدلہ تو ممکن نہیں مگر انسانیت کے معنی ہیں کہ چل کر پھر کر اُٹھکر بیٹھکر جس طرح بھی ہو اور جتنا کچھ بھی ہو اُن کے شریک ہوں۔ مجھے تعجب نہیں سخت رنج ہوا کہ اس وقت تم جیسی سعادت مند بیٹی اور ایسی کمز

ماں کا حکم، بھائی کی خدمت اور انکار۔ وہ بیچاری تو اس معاملے میں پہلے ہی بدنصیب ہے ایک ہے وہ ہزاروں کوس پڑی ہے۔ مہینوں خیر صلاح کی خبر نہیں۔ دوسری صاحب ہیں وہ نورٌ علیٰ نور۔ ماں مرتے مرجائے اور اس کی بات پوچھنی حرام۔ بہن بھائی تو دوسرے درجہ پر رہے۔ اسکا بس چلے تو ایک کو سنکھیا دوسرے کو زہر آج ہی گھر بھر کا صفایا کر دے رہیں تم سو خیر کبھی امرت کبھی زہر۔ مہربان ہوئیں ماماؤں تک کی دعائیں لے لیں۔ مہروان ہوئیں تو ماں جائے تک کی پرواہ نہیں۔ بات کرو تو ایسی کہ دنیا بھر تعریف کرے اور کام کرو تو ایسا کہ جو دیکھے وہ خوش ہو۔ چند روز میں یہ میکہ کا زمانہ خواب خیال ہو جائیگا۔ نہ ماں خدمت کی طلبگار ہوگی۔ نہ بہن بھائی عنایت کے خواستگار۔ ماشاءاللہ سمجھدار ہو اس وقت کی قدر کرو اور موقع کو ہاتھ سے نہ دو۔ یہ وقت پھر آنیوالا نہیں۔ بہت جلد ختم ہونے والا ہے ایسے کام کر جاؤ کہ تمہاری محبت کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ دلوں میں گھر کرو اور منجھلی بہن کی ریس کرو۔ جو ماں جیسی عاشق زار کی دشمن اور باپ جیسے شفیق کی قاتل۔ اگر احتیاط نہ کروگی تو آج کی میری بات یاد رکھنا روؤگی اور پچھتاؤگی۔ بس اب رات زیادہ آگئی سو رہو۔

(۱۲)

برسات نکل چکی۔ گلابی جاڑا شروع تھا۔ شبرات سر پر آئی۔ محلہ کے لڑکے لڑکیوں نے صلاح کی کہ ہر سال بیسوں روپے آتشبازی میں اٹھتے ہیں اب کے سب پہلے اکٹھے کرلیں اور قاضی جی کے ہاں سے آتشبازی بنوالیں۔ کسی نے روپیہ کسی نے اٹھنی کسی نے چونی کسی نے دونی جمع کر کر گندگ بارود کوئلہ لوچون سب چیزیں وزن سے منگوالیں۔ تین چار دن سے سب لڑکیاں صلاح کر رہی تھیں کہ کچھ نہ کچھ چندہ نسیمہ سے بھی وصول کرنا چاہیے مگر ادھر تو سنجیدہ کا خوف اُدھر نسیمہ کے مزاج سے ڈر ہمت نہ پڑتی تھی آخر ایک دن لڑ لڑا کے دوپہر کے وقت ادھر تو پھوپی بھتیجیاں کھانے سے فراغت

پا سینا پرونا لے کر بیٹھیں۔ اُدھر تین لڑکیاں بھنڈی جوتی ٹوٹے گئے۔ گنّے کے چھلکے چوستی آئیں۔ دعا نہ سلام بات نہ کلام۔ کچھ دیر تک تو گم سم کھڑی رہیں اور پھر کہنے لگیں۔ لاؤ بی نسیمہ آتشبازی میں چندہ دو۔ ابھی نسیمہ کچھ جواب نہ دینے پائی تھی کہ پیچھے سے دو اور دو بکیں محلہ کا محلہ گمراہ اور آوے کا آوا اندھا۔ پچھلی دو پہلی سے بھی بڑھ گئیں۔ چبوترے پر بھسکڑا مار گئیں چندہ مانگنے۔

نسیمہ۔ تم اندر آجاؤ میں کبھی نہیں کیسا چندہ۔

ایک لڑکی۔ اب کے ہم سب لڑکیوں نے ملکر یہ تجویز کی ہے کہ باہر سے منگوانے کے بدلے گھر ہی میں آتشبازی بنالیں۔ ایک روپیہ کی کمی ہے تم بھی شریک ہو جاؤ۔

نسیمہ۔ مجھے ان چیزوں سے بالکل رغبت نہیں اور الٹی نفرت ہے۔

سنجیدہ۔ تعجب ہے تم لوگ ایسی محنت سے تو گھر گھر پھر کر چندہ وصول کرو اور ایسے فضول کام میں صرف کر دو۔ بہت سی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہاں بھیجو۔ آتشبازی تو نہایت خوفناک چیز ہے۔ ہر سال دو ایک آدمی اس کی نذر ہو جاتے ہیں۔ یہی روپیہ اگر کسی نیک کام میں لگایا جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ ہمیں تو اگر خالی بھی بلاؤ تو مشکل سے آئیں۔ اگلے برس اخبار میں لکھا تھا کہ اسفندیار خاں نذیر سردار پور کی اکلوتی بچی انا کے ساتھ ڈیوڑھی میں رہی تھی۔ انا بھی نمک حرام لڑکی کو اکیلا چھوڑ داروغہ سے باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں جل رہی تھی ڈبیا۔ طاق تھا نیچا۔ بچی ہاتھ میں اٹھا اندر آئی انگنائی تک پہنچی ہوگی لو کرتے میں لگ گئی مہین پھوار کا کرتہ چیخی۔ بچاتے بچاتے جھڑ جھڑ ہو گیا۔ بلبلا اٹھی۔ جب تک لوگ آئیں چربی نکل چکی تھی۔ میں تو کہتی ہوں کہ ڈبیا تک ایسی جگہ جلاؤ کہ بچوں کا ہاتھ نہ پہنچے نہ یہ کہ آتشبازی میں چندہ دینے دوں۔

(۱۳)

اِدھر تو یہ گزری اور اُدھر ماں بیٹیوں میں خاصی اچھی چھوڑ ہوگئی۔ کم بخت کچھ معاملہ

بھی تو نہیں۔ فقط اتنی سی بات پر کہ سندر گھر کی لگی بندھی کاچھن چھبا بھر کر ترکاری لائی چاروں طرف سے بچے ٹوٹ پڑے۔ منجھلی بیگم بھی تشریف لائیں چھوٹے موٹے بچے تو صورت دیکھتے ہی غفر ہوگئے۔ بیچ کی راس کے اِدھر اُدھر دبک گئے۔ جو رہ گئے اُن میں سے کسی کے تپڑ کسی کے چٹکی کسی کے گھونسا کسی کے لپڑ۔ غرض چھٹ چھٹا کر دو تین بچے ہونگے وہ بھی سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے۔ صاحبزادی نے پہلے تو دس بارہ گھلی گھلی جامنیں چکھکر دیکھیں پھران کا بھاؤ پوچھا۔ کاچھن نے کہا بیگم جو چاہے دیدو۔ بھلا میں تم سے بڑھتی لوں گی۔

منجھلی ۔ پھر بھی اختہ معلوم تو ہو۔

کاچھن ۔ دو آنہ سیر کے ہی بیاہی دونگی۔

منجھلی ۔ چھوٹی لپاٹن لوٹنے کو یہی گھر رہ گیا ہے۔ دنیا جہان میں تو ٹکے سیر تو کہے دو آنہ۔ ایسی ایسی نامرادیں یہاں آن مرتی ہیں۔ جنکو رزق نہ موت۔ بہت دنوں تک آسامی بناتی رہی۔ اب یہ داؤں یہاں چلنے والا نہیں۔ بے ایمانی تو دیکھو دُگنے نہ تگنے اکٹھے چوگنے۔ اور موئی جامنوں میں جامنیں بھی تو نہیں، اینٹ پتھر کچی پکی اُٹھا لائی۔ ٹکے کے بھی تو لائق نہیں۔

کاچھن ۔ سرکار زبردستی تھوڑی ہے۔ نہ لو۔

منجھلی ۔ چل مردار، نہ کیوں لو۔ پہلے تو بچوں کو لگا دیا۔ اب لگی باتیں بنانے۔ لے تول آدھ سیر۔

زیادہ نہیں فصل کا میوہ سمجھکر کاچھن ایک ڈھیری لے آئی تھی جو سا کر کے ڈیڑھ پونے دو سیر ہونگی۔ اس میں سے آدھ پاؤ تین چھٹانک تو بانگی میں ختم ہوئیں۔ باقی میں سے آدھ سیر چھٹانک تو اس طرح کر جامنوں کی جان نکال لی۔ کوڑا چھوڑ ایک پیسہ آگے پھینک لگی چلنے۔

ایمان کی بات ہے پورے سندر میں بائیس برس کی کاچھن منجھلی کی دادی تک کو سودا کھلاتے ہوئے۔ بھلا منجھلی کے منہ کیا لگتی۔ مگر پیٹ کی لات گھٹنوں تک ٹمن بھر شخ شخ کرتی در در پھرتی اور گھر گھر جاتی تھی تو شام تک چار پانچ آنے بچ جاتے۔ دوآنے کا نقصان دیکھکر چپ سناٹے میں آگئی۔ پیسہ پھیر دیا اور کہنے لگی۔ بیوی میری بچی نے نہ کھائیں۔ تم نے کھائیں پیسہ رہنے دو۔

منجھلی ۔ چڑیل زیادہ چپلے گی تو اتنی جوتیاں ماروں گی کہ عمر بھر یاد کرے گی۔

ماں ۔ لڑکی دیوانی ہوگئی ہے؟ اس کا مال ہے چاہے دے چاہے نہ دے۔ جوتیاں مارنے کی کیا بات ہے۔ بات بیچاری ہے۔ ذات نہیں بچی۔ زبان کا ٹانکا ہی ٹوٹ گیا ہے۔

بیٹی ۔ بس بی بس۔ میں تمہارے منہ کے لائق نہیں ہوں۔ آئیں بڑی بیچاری وہاں سے حمایت لینے۔

ماں بیچاری تو اتنی سی بات کہکر چپ ہو رہنگئی۔ بیٹی نے جو جو کچھ منہ میں آیا سب ہی کچھ کہہ ڈالا اور تو کچھ بن نہ آئی۔ میکے سے تین آدمی آچکے تھے کہ بھاوج پردیس سدھار رہی ہے آکر مل جاؤ۔ ڈولی منگوا چلی گئی۔ ایک بج چکا ہوگا، میر زاہد گھر میں آئے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ بیوی کا پتہ نہیں۔ بیٹی سے پوچھا۔ اس کو اس سے اچھا موقع اور اس سے بہتر وقت کون سا ملتا جو ماں سے بدلے۔ چھوٹتے ہی کہنے لگی۔ خالہ حمیدن کے ہاں گئی ہیں۔ خالہ حمیدن وہ تھیں جن سے اور میر زاہد سے تین ساڑھے تین برس مقدمہ لڑا۔ دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے۔ آمد و رفت۔ میل ملاپ۔ ملنا جلنا سب بند۔ حمیدن کا نام سنتے ہی میر زاہد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ عقلمند اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے سامنے صبح سے تین آدمی بلانے آچکے ہیں اور بیوی کہہ چکی ہے کہ ذرا کہا مانے والوں تو آتی ہوں مگر بیٹی کا کہنا خدا معلوم قرآن تھا یا حدیث کہ فوراً ہی ایمان لے آیا۔ بھنبھناتا ہوا باہر نکلا تو ادھر سے ڈولی آرہی تھی اُترنے

سے پہلے ہی بوچھاڑ شروع کردی۔ آگے آگے بیوی پیچھے پیچھے آپ اندر پہنچی تو بے گناہ جھکی کھڑی میاں کا منہ تک رہی ہے کہ یہ فرما کیا رہے ہیں۔ بات نہ چیت۔ واسطہ نہ غرض۔ غصہ کا ہیکا اور خفگی کس کی۔ لڑکی نا سمجھ اتنی کم بخت اور مردار کہ ماں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہے۔ اور آپ گردن مٹکا مٹکا کر ہنسنے لگ رہی ہے۔ پھر والد بزرگوار تھے بڑے سمجھدار کہ پوچھا نہ گچھا اور بیوی کو گھر سے نکالنے تک پر آمادہ ہو گئے۔ غصہ کی کوئی حد اور خفگی کی کوئی انتہا کچھ دیر تک تو بدنصیب جھکی کھڑی دیکھتی اور سامنے بیٹھی روتی رہی۔ مگر جب یہ کہا کہ اب میاں کے منہ سے شرافت کے پھول جھڑنے لگے تو وہاں سے اٹھ کوٹھڑی میں گھس اندر کنڈی لگا بیٹھ گئی۔ بہن دوڑی آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ بھائی غصہ میں آگ۔ بھاوج کوٹھڑی میں بند اور بھتیجی ورے میں باغ باغ۔ بھاوج سامنے تھی نہیں۔ بھائی سے پوچھنا مناسب سمجھا۔ لے دے کر بھتیجی ہی بھتیجی نظر آئی۔ اس سے پوچھا تو وہ کیا کہتی ہے۔ جیسا کیا ویسا پائیں۔ صبح کی گئی اب آئی ہیں۔ اور پہنچی کہاں اسی حمیدن کے ہاں۔

بھائی۔ آپا تم نے بھی بیویوں کے یہ ڈھنگ دیکھے ہیں۔ وہ مردار حمیدن میری جان کی دشمن جس نے مجھکو بھیک تک منگوا دی اس کے گھر تنے گئیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ستم ہوگا۔

بہن۔ تم نے خود جاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے آپ کہا یا کسی سے سُنا۔

بھائی۔ نہ میں نے دیکھا۔ نہ انہوں نے کہا۔ منجھلی کہہ رہی ہے۔

سنجیدہ گو میرزاہد جیسے بھائی کی بہن تھی، مگر زمانہ دیکھے ہوئے اور منجھلی جیسی بھتیجی کے ہوئے سنتے ہی تاڑ گئی کہ یہ صاحبزادی نے گل کھلایا ہے۔ بھائی کو دھیما کر اپنے ہاں لے گئی کوٹھڑی کی کنڈی کھلوا اندر گئی تو بھاوج نے کہا آپا یہ اس مردار نے مجھ سے بدلہ لیا ہے۔ میں تو حمیدن کی صورت سے بھی واقف نہیں۔ سلیم کی دلہن رات کو ہرات جا رہی ہیں ان سے ملنے گئی تھی۔ گھڑی سواری گئی اور آئی۔ اتنا قصور ہوا تھا بسندی کی جان کو آ رہی تھی۔ میں نے منع کیا اس کے بدلے اس کم بخت نے یہ آفت ڈھائی

خبر میں تو کچھ نہیں کہتی۔

سنجیدہ نے بھاوج کی رام کہانی سُن لی تو یہیں چھوڑا اور بھائی کو جا کر وہ ٹھیک بنایا کہ وہ بھی یاد کرتا ہوگا۔ مگر دور اندیش عورت۔ بھائی کو شرمندہ کیا بھی تو اس طرح کہ بھتیجی پر زیادہ بات نہ آنے دی۔ ورنہ مرد اور غصے میں بجز خدا معلوم کیا کر بیٹھتا۔

بھائی شرمندہ صورت اپنے اوپر نفرین اور لعنت بھیجتا ہوا باہر گیا تو ماں بیٹیاں اور پھوپھی بھتیجیاں چاروں ایک جگہ بیٹھے تھے۔ سنجیدہ نے منجھلی سے تو بات کی نہیں مگر نسیمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

(۱۴)

دنیا میں جھوٹ سے بڑا عیب کوئی نہیں اور آج کل لڑکیوں میں یہ عام طریقہ ہے کہ اس کی بالکل ہی پروا نہیں کرتیں۔ ان بیوی کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ ایک بات تھی منہ سے نکالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گھر میں خون خرابے پڑ گئے۔ جھوٹا آدمی سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کی کسی بات پر ہمیشہ پردہ نہیں پڑا رہتا۔ کسی نہ کسی وقت کیسا ہی بھید کیوں نہ ہو ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ جھوٹی بات کا پہلے پہل تو سب یقین کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کھل جاتی ہے اور پتہ چل جاتا ہے اس وقت سے جھوٹے کی وقعت بالکل جاتی رہتی ہے۔ اس کی سچی بات کا بھی کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب ہو جس شخص میں اگر ہوتا ہے سب ایک منہ ہو کر کہتے ہیں وہ تو بڑی لپاٹن ہے۔ اگر تم سے کوئی قصور ہو جائے اور تم کو یقین ہو کہ اس کے اقرار میں بڑی آنچ اور سخت مصیبت کا سامنا ہے تو بھی آنکھ بند کر کے صاف صاف کہہ دو۔ سانچ کو آنچ نہیں۔ نہیں تو اچھی طرح سمجھ لو کہ قصور تو ظاہر ہو کر رہیگا۔ البتہ اس قصور کے ساتھ جو اتفاق سے ہو گیا یہ دوسرا قصور جھوٹ کا اور ملا جو جان بوجھ کر کیا اور دیدہ و دانستہ بولا۔ قصور جتنے ہیں سب معاف کرنے کے قابل مگر جھوٹ ایک ایسا قصور ہے جو کسی حال میں معاف نہیں ہو سکتا۔ جو لڑکی سدا سچ

بولے اس کی عزت سبحان اللہ۔ سب اس سے محبت کرتے ہیں۔ مجھکو اس وقت ایک بات یاد آئی۔ آنحضرت صلعم کے بعد جو مسلمانوں میں چار بادشاہ ہوئے ہیں جنکو خلیفہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رسول خدا کے جانشین تھے یعنی حضرۃ ابو بکر صدیقؓ۔ عمر فاروقؓ۔ عثمان غنیؓ علی مرتضیٰؓ۔ ان میں سے دوسرے خلیفہ عمر فاروق۔ جن کے رعب سے بڑے بڑے بادشاہ تھراتے تھے۔ اُن کے زمانہ کا ذکر ہے۔ ایک دن بھرے دربار میں جبکہ چاروں طرف عہدہ دار جمع تھے اور بزرگ آدمی موجود۔ ایک شخص ایک دوسرے شخص کو پکڑے حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ امیر المومنین (مسلمانوں کے سردار) اس شخص نے میرے باپ کو مار ڈالا۔ حضرۃ عمر نے اس پکڑے ہوئے شخص سے پوچھا۔ اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا یہ سچا ہے میں ایک پتھر مارتا تھا۔ ایسا لگا کہ مر گیا۔ جب مجرم نے اقرار کر لیا تو مقدمہ صاف تھا۔ گواہ موجود تھے۔ حکم ہوا کہ بدلا لیا جائے اور قاتل کو موت کی سزا دی جائے۔ جلاد حاضر ہوا تو مجرم نے کہا۔ خلیفۃ المسلمین (مسلمانوں کے خلیفہ) چار روز کی اجازت دیدیجئے میرے پاس ایک یتیم بچہ کی امانت ہے جو اسکا باپ مرتے وقت میرے سپرد کر گیا تھا وہ ایسی جگہ دفن ہے جس کا حال میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اب میں مرتا ہوں ایسا نہ ہو بن باپ کے بچہ کا مال میرے ذمہ رہجائے اور میں پکڑا جاؤں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اگر کوئی تیری ضمانت دے تو چلا جا۔ یہ حکم سنتے ہی اس کی حسرت بھری نظر سب سے پہلے جس پر پڑی وہ ایک بزرگ آدمی تھے اُن سے کچھ کہا نہ سُنا حضرت عمر سے عرض کیا کہ یہ میری ضمانت دینگے! اب ان بزرگ کا حال سُنو وہ کون تھے۔ پیغمبر خدا کے دوست اور اُن کے ساتھ رہنے والوں میں۔ فاروق اعظم یعنی حضرۃ عمر نے اُن کی طرف دیکھا۔ وہ فرمانے لگے۔

"ہاں میں ضامن ہوا"۔

قاتل چھوڑ دیا گیا۔ تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن ٹھیک اسی وقت دربار فاروقی گرم تھا۔ مدعی نے جس کا باپ مارا گیا تھا۔ عرض کیا امیر المومنین۔ قاتل کو آپ نے چھوڑ دیا۔ میں آپ سے لے لوں گا۔ حضرۃ عمر نے فرمایا اگر قاتل ابھی حاضر نہ ہوا تو ان بزرگ پر قصاص ہے۔ ان کو وہی سزا دی جائے گی۔ یہ حکم سنتے ہی سب دنگ ہو گئے۔ دفعتہً قاتل ہشاش بشاش حاضر ہوا اور کہنے لگا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین۔ الحمد للہ میں امانت سے سبکدوش ہوا۔ جلاد کو حکم دیجئے کہ اب دیر نہ کرے۔ اس شخص کی یہ گفتگو سنکر ادہر تمام درباری ادہر خود حضرت عمر سب سناٹے میں تھے۔ پوچھا کہ یہ بزرگ تیرے کون ہیں۔ جنہوں نے ضمانت دی۔ ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کو اس کی حاضری کا کیونکر یقین ہوا جو ضامن ہوئے۔ قاتل مسکرایا اور کہنے لگا۔ فاروق اعظم تعجب نہ کیجئے۔ میں نظر پڑتے ہی سمجھ گیا تھا کہ مسلمان اور اتنے بڑے ضرور رسول اللہ کی خدمت کی ہو گی۔ ایک مسلمان کو مدد دینے میں دریغ نہ کرینگے۔ اب ان بزرگ کی باری آئی فرمانے لگے۔ میں نے اس شخص کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر جس وقت اس نے مجھکو ضمانت میں پیش کیا ہے مجھکو یقین تھا کہ مسلمان ہے مسلمان ہو کر جھوٹ نہ بولے گا۔ درباریوں میں سے ہر شخص نے اس قاتل کی سچائی پر تعریف کے نعرے بلند کئے اور درخواست کی کہ اسے چھوڑ دیجئے۔ قتل کا روپیہ ہم ادا کرتے ہیں مگر مدعی نے خوں بہا لینے سے انکار کیا اور کہا ایسے سچے شخص کو میں نے اپنے باپ کا خون معاف کیا۔

یہ صرف سچ بولنے کا نتیجہ ہے۔ چاہے جان جاتی رہے مگر زبان سے جھوٹی بات نہیں نکلنی چاہیئے۔

پھوپھی کی اس گفتگو کا کوئی نتیجہ یا اثر لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ سنبھلی جس کا نام تھا انکو اتنی بھی خبر نہ ہوئی کہ یہ باپ سے بڑی پھوپھی کہہ کس کو رہی ہے۔ چین سے بیٹھی سنتی رہی بہت جی گھبرایا تو اُٹھی چبوترے کا ایک دو چکر لگایا اور پھر وہیں آن بیٹھی۔ ایمان کی بات پوچھو تو خود پھوپھی ہی کو کیسا یقین اور کس کا شبہ وہم و گمان تک نہ تھا کہ یہ کان دہر کر میری بات سنے گی۔ اس کی غرض اور خواہش جو کچھ بھی ہو یہ کہ کسی طرح دل کی بھڑاس نکال لوں۔ کہہ چکی تو بچی کو ساتھ لے اپنے گھر چلی گئی

لڑکیوں کے واسطے غیرت اور حمیت بڑی چیزیں ہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی بیٹی پر منجھلی کا بر چھاواں پڑے۔ اس دن کے بعد سے ماں غریب نے تو بات کرنی ہی چھوڑ دی۔ مگر ہاں ماں تھا کا جوش یا موقع و محل کی مصلحت اتنا ضرور کیا کہ میاں کے کان تک اس کی بدعنوانیاں نہ پہنچائیں اور اگر اس دن کا الزام بھی پورا نہیں تو آدھا یا پاؤ اپنے ہی سر تھوپ لیا۔ یہ اس کی غلطی ہو تو ہو مجبوری کچھ بھی ہو تاہم ہم بھی کہیں گے کہ اگر علم ہو جاتا تو باپ ایسی نابکار بیٹی کا آئندہ یقین نہ کرتا اور اگر زیادہ نہیں تو اتنا فائدہ منجھلی کو بھی ہوتا کہ وہ پھر کبھی اتنی بڑی جرات نہ کرتی۔ یہی بات یہ ہے کہ ادھر تو رہی تعلیم سے کوری۔ اُدھر ماں نے توجہ کی نہیں صحبت ملی خراب چھوٹی چھوٹی عادتیں بیل کا بیل بن گئیں۔ اگر خدا سمجھ دیتا تو کچھ بڑی بات نہ تھی کہاں شروع ہی سے ان نالائق لڑکیوں کو گھر میں نہ گھسنے دیتی صبح ہوئی اور محلہ بھر کی بدتمیز نابکار انیاں خبیثاں کوئی بٹھیارے والی ہے تو کوئی سقنی ادھر اُدھر سے آ بیٹھیں۔ وہاں نسیمہ نماز سے فارغ ہو قرآن شریف پڑھ رہی ہے اور یہاں آنکھ مچولی ہو رہی ہے۔

(١٥)

میر و بھٹیارے نے ایک دن اپنے پیر بکھنی شاہ کی دعوت کی سیر بھر گوشت ڈیڑھ سیر چاول بیوی کو لا کر دیئے۔ وہ بیچاری گوشت کو بیچنی سے ڈھانک چاول پوٹلی میں باندھ پیاز لینے کوٹھری میں گئی۔ لڑکی چاول کھول تین چار مٹھیاں جھولی میں ڈال آٹھ دس چپٹیاں اچھی اچھی چھانٹ منجھلی کے ہاں پہنچی۔ ماں کوٹھری میں سے نکل کر دیکھتی ہے تو چاول اور گوشت دونوں غائب۔ بر تبع اوڑھ پیچھے پیچھے آئی تو بی منجھلی ہنڈکلیا چولہے پر رکھا آگ پھونک رہی تھیں۔ بیٹی کو تو خیر جو منہ میں آیا سناتی رہی مگر منجھلی کو بھی ساتھ ہی ایسی کھری کھری کہیں کہ کوئی دوسرا ہوتا تو چپنی بھر پانی میں ڈوب مرتا مگر بے غیرتی ہو تو اتنی کہ اس کے بچاویں بھی نہیں۔ بھٹیاری چنچی بیٹی تو اتنا فائدہ تو ہوا کہ یک جھک آدمی پاؤ

اونے پونے چاول گوشت لے لو اگھر آ گئی۔ مگر منجھلی کیا چوکنے والی تھیں ماں کی آنکھ بچا کوٹھری میں گھس، گڑ، گھی، چاول، کھانڈ جو ہتھے چڑھا نکال لائی۔ ماں جو کسی ضرورت سے اندر گئی تو کیا دیکھتی ہے چاول بکھرے ہوئے گھی گرا ہوا، کھانڈ کی ہنڈیا اوندھی ہوئی۔ سمجھ تو فوراً گئی مگر بیٹی کی جان کو صبر کر چپکی ہو بیٹھی۔ منجھلی کس کی بیٹی اور کس کی پوتی۔ لیکن نصیبوں بیٹی شروع ہی سے کچھ ایسی صحبت میں بیٹھی کہ جو کام کیا وہ بے ڈھنگا اور جو بات کی وہ بے تکی کھیل کھیلے تو کم بخت ذلیلوں کے، ریس کی تو موئے فقیروں کی۔ ہاتھ میں کا تماشا گود میں تڑا۔ پاؤں ہر کر زمین پر چھپاپ چل ہاتھ ہو سر پر چھپایا ہاتھ میں گگے۔ بغل میں ٹکیا۔ گنڈیروں کی آواز لگ ہی ہے جب دیکھا کرتا کیا تھا کہ ایک دن سقنی والی نے کہا آؤ بی منجھلی بیگم چور چور کھیلیں۔ تم تو بنو چور، ہم تو بنیں سپاہی اور ہم صاحب۔ دیکھو وہ جو تمہاری الماری میں نارنگیاں رکھی گئی ہیں اس طرح چراؤ کہ ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔ منجھلی بیگم کو کیا عذر تھا پان کے بہانے بچاری پاس آئی اور ہتھی دفعہ نارنگیاں جھولی میں ڈال رفوچکر۔ کھیل کا تو تھا بہانہ۔ مطلب تھا نارنگیاں کھانا مفت کا مال ان سوروں کیا برا تھا۔ تینوں چاروں نے مل کر دسوں ختم کیں۔ مزہ یہ تھا کہ گنتی کے ناگپور کے۔ وہ بھی بازار کے نہیں، سوغات کے۔ رات کو میرزا صاحب نے مرطانے میں منگوائے۔ گھر والی جا کر دیکھتی ہے تو الماری صاف۔ نارنگیوں کے بدلے اللہ کا نام۔ ہیبت کیا اپنا سر کونا کونا چپہ چپہ ڈھونڈ ڈالا سوئی تو تھی نہیں جو چھپ جاتی۔ ادھر میاں ہیں کہ آدمی پر آدمی تقاضے پر تقاضا۔ ادھر بیوی کا یہ ہے کہ چوری بنی بیٹھی ہیں۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آئی تو دوڑی دوڑی نند کے پاس آئیں اور قسمیں کھانے کو آیا جل جائے زبان جو ایک بھانک بھی کھائی ہو۔ یہ سب منجھلی کے ہتھے چڑھی ہیں۔ اب بتاؤ کیا کروں۔ میں تو ایسی ذلیل عمر بھر نہیں ہوئی۔ دونوں نند بھاوجیں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ میرزا صاحب بچی سے الگ رہتے ہوں مگر اس کے گنوں سے اچھی طرح واقف تھے دیر پر تو غصہ آیا تھا۔ مگر جب بالکل ہی ناامیدی ہوئی تو سمجھ گئے۔ دل ہی

دل میں جل بھن چپ ہو رہی۔

(۱۶)

ہوتی شدنی رمضان کا مہینہ تھا۔ چوتھا پانچواں روزہ ہوگا نسیمہ اُگالدان لینے ماں کے ہاں آئی۔ چلنے لگی تو بہن نے بلا اپنے پاس بٹھالیا۔ پانچ چھ لڑکیاں اور بھی تھیں نسیمہ کا بھی اُنکی باتوں میں دل لگ گیا ایسی بیٹھی کہ دوپہر ہوگئی اور اُٹھنے کا نام نہیں۔ پھوپھی نے آکر دیکھا تو امجو والی کلّو سے گِٹ پِٹ گِٹ پِٹ کر باتیں ہو رہی ہیں۔ بلا کر ساتھ لے گئی اور گھر لیجا کر کہا۔ بیٹی تم اُگالدان لینے گئیں تھیں یا وہاں بیٹھنے۔ یہ رذیل بدتمیز لڑکیاں مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ تمہیں ان کے پاس بیٹھنا کیا ضرور تھا۔ بھلے کے پاس بیٹھے چبائے ناگر پان۔ بُرے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک و کان۔ سوائے اس کے کہ اُن کی خراب عادتوں کا اثر تم پر بھی پڑے اور کوئی فائدہ مجھکو نظر نہیں آتا۔ خربوزے کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑے۔ آدمی کو دیکھکر آدمی ڈھنگ پکڑے۔ تم کو اُنکی بیہودہ حرکتیں دیکھکر اُن سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُن کی رفیق بنکر اُن ہی میں گھس بیٹھو۔ تھالی گری جھنکار ہوئی۔ کیا خبر بھری تھی یا خالی۔ دیکھنے والے تو یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی اُن ہی جیسی ہے خالہ کلثوم کا حال سن چکی ہو ایک تیلن کی صحبت نے عزت آبرو سب پر پانی پھیر دیا۔ بہتیرا ہی سب نے منع کیا مگر جب دیکھو وہیں گھسی ہوئی۔ اسکا باپ تھا چور۔ شیخ دہوی کے یہاں ہوئی چوری تلاشی اُن کے ہاں بھی ہوئی۔ مال ملا نہیں پولیس کا نام سُنکر وہاں سے بھاگ اپنے ہاں آئی۔ تھانہ دار کو ہوا شبہ وہاں سے اُٹھ سیدھا اُن کے ہاں۔ ایک ذرا سی بات تھی۔ مگر جس وقت خالہ کے گھر کی تلاشی ہوئی ہے محلہ بھر نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ یاد رکھو بُرے کی صحبت میں بیٹھنے سے سوا برائی کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اگر ایک رومال میں تھوڑے سے پھول رکھو تو رومال پھول نہیں ہو جاتا۔ مگر پھولوں کی صحبت کا اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ رومال میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی گلدستے کو غور سے دیکھو خوش رنگ پھولوں کے ساتھ

گھانس پھونس پر بھی عجیب رونق ہو جاتی ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ دیکھنا۔ سونے کی پہنچیاں اور یہ معمولی ڈورا۔ مگر سونے کی وجہ سے اس ڈورے کی وقعت کچھ اور ہی ہو رہی ہے۔ ساتھ ایسے لوگوں کا اختیار کرنا چاہیئے جو بھلے ہوں اور اچھے۔ نہ یہ کہ مکّار اور ناہنجار۔ لڑکا ہو یا لڑکی۔ پڑی ہوئی عادت اور لپکا پھر چھڑائے نہیں چھٹتا۔ تمہاری آپا کیوں بگڑیں صحبت ہی کی وجہ سے ناس ہوا یا اور کچھ۔ راتدن جب دیکھو یہی کمینی لڑکیاں موجود ہیں محلے میں اتنے بھلے مانس ہیں کبھی ان میں سے بھی کسی لڑکی کو آتے دیکھا۔ میں تو اس دن گڑیا کے بیاہ میں بھی دیکھ رہی تھی کہ بڑی سے چھوٹی تک جو تھی وہ ویسی ہی۔ نام کو کسی اشراف کی لڑکی نہ تھی۔ سچ پوچھو تو موری کا کیڑا موری ہی میں خوش رہتا ہے۔ خود منچلی کا دل نہیں میں لگتا ہے۔ وہ بھلے مانسوں کی قدر کیا جانے۔ بیٹی اب کبھی جا کر نہ بیٹھنا۔

(۱۷)

سنجیدہ کی چچا زاد بہن پڑھی لکھی۔ عربی فارسی کی خاصی اچھی عالم فاضل پانچ برس کے بعد بیت اللہ سے واپس آئیں۔ آکر دیکھتی ہیں تو محلہ میں کچھ رنگ ہی اور چھایا ہوا ہے۔ کیا کواری اور کیا بیاہی جو لڑکی ہے مذہب سے غافل۔ خدا سے لاپروا۔ کیسی نماز اور کس کی خیرات۔ کہاں کا روزہ اور کدھر کی زکوٰۃ۔ دن ہو یا رات بیہودہ خرافات۔ بچہ ہو یا جوان زعون بے سامان۔ ان بیچاری کے تو دیکھکر کان کھڑے ہوگئے۔ تین چار دن تو خون کے سے گھونٹ پی کر چُپ ہوگئیں۔ جمعہ کے روز ظہر کے بعد وعظ کے بلاوے بھیجدیے۔ دور دور سے بیویاں آکر جمع ہوئیں۔ استانی جی نے وعظ شروع کیا۔

بہنو، بیٹیو، میں تم سب کی بہت احسانمند ہوں کہ اپنے اپنے کام کاج بند کیئے۔ اور میری درخواست پر یہاں جمع ہوگئیں۔ چلو اس بہانے سے ملاقات تو ہوگئی۔ اس لحاظ سے تو میں ضرور خوش ہوئی کہ تم سب کو ابتک میرے ساتھ وہی محبت ہے جو چلتے وقت تک تھی لیکن یہ دیکھکر مجھکو بڑا افسوس ہوا کہ بیس نہیں ایک پانچ ہی برس کے عرصہ میں

ہیں کہ ماں باپ اُن سے راضی بہن بھائی اُن سے خوش، عزیزوں پر مہربان، غریبوں پر رحم۔ ہمسایہ سے نیکی۔ حاجتمندوں سے سلوک۔ سچ پوچھو تو مجھ سمیت کواریاں اور بیاہیاں بالیاں اور بڑھیاں یہاں تو جتنی بیٹھی ہیں سب نورٌ علیٰ نور۔ جھوٹ، مکر و دغا، دھوکا اپنے ہاتھ کا کھیل ہے۔ کسی سے فریب کسی سے چال اس کو بھڑکایا اس کو لڑوایا۔ یہاں لگائی وہاں بجھائی۔ غرض صبح سے شام تک یہی شغل اور یہی کام کر رہے ہیں۔ ذرا غصہ آیا تو کہا جانے کو طیار چلا نور جہاں سے مزاج بگڑا تو مارڈالنے کو آمادہ۔ کیوں میری بچیو اسی برتے پر ترقی کی کوشش اور اسی بوتے پر صلاح کے جتن۔ پہلے اپنے تئیں درست کرو پھر دوسروں پر نظر ڈالنا۔ پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ آدمی بنجاؤ۔ پھر یہ سب باتیں معلوم ہونگی۔ ابھی تو یہ حالت ہے کہ اپنی غرض ہوئی تو چماری تک کی خوشامد کر لی۔ دوسرے کا کام آگر آ پکا تو سیدھے منہ بات کرنی گناہ۔ پرسوں کے جلسہ میں ایک بات سنکر بہت ہی افسوس بلکہ صدمہ ہوا۔ مسلمانوں کی بیٹیاں مسلمانوں کی پوتیاں مسلمانوں کے گھر پیدا مسلمانوں کے ہاں پلیں مگر اچھا اسلام کو بٹہ لگایا بنتی ہوں ادھر برابر کی مسجد میں مغرب کی نماز ہو رہی تھی اُدھر جلسہ میں گراموفون بج رہا تھا۔ خیال تو کرو چند اللہ کے بندے دن بھر کے تھکے ہارے کام کاج سے فراغت پا کر اپنے معبود حقیقی کے حضور میں سچے دل سے عبادت کو حاضر ہوں اور تم اسی حالت میں داؔغ کی غزل کے مزے لوٹو۔ آخر بتاؤ تو سہی تم نے مذہب کو کیا ہنسی ٹھٹھا سمجھ رکھا ہے۔ مرنا ہے رہنا نہیں اور مرنے کے بعد ایک دربار میں پیش ہونا ہے۔ جانتی ہو وہ کیسا دربار ہے۔ ایک منصف حقیقی تخت عدالت پر ہوگا۔ یہ سب تمکنت اور بل نکلے کے بل کی طرح نکل جائیں گے۔ یہ مال متاع دولت حشمت، جس نے فرعون بنا دیا ہے یہیں کی یہیں رہ جائے گی۔ ایسی چیز جمع کرو جو وہاں بھی ساتھ جا سکے۔ میری بچیو وہ بڑا نازک وقت ہوگا نہ کسی کی سفارش کام آئے گی نہ کوئی مددگار ہوگا۔ مظلوموں کی دعا لو کہ یہاں پھولو پھلو اور وہاں بیڑا پار ہو۔ عصر کی اذان ہو رہی ہے جاؤ اور احکم الحاکمین کی درگاہ میں سر جھکاؤ سچے دل سے توبہ کرو اور مصمم ارادہ کر لو کہ جب تک دم میں دم ہے ایسی زندگی بسر کریں گے کہ

کہ دیکھنے والے تعریف اور سننے والے واہ واہ کریں۔

(۱۸)

عصر کے وقت تو استانی جی نے وعظ ختم کیا۔ مغرب کی نماز سے فراغت پا کر بیٹھیں تو خیال آیا سب سے مل لی مگر چھوٹی بیگم نہیں آئیں۔ ان سے ملنے کو بہت ہی چاہتا ہے۔ چلو میں خود ہی کیوں نہ چلی چلوں۔ تین گز بیچ چوتھا گھر چھوٹی بیگم کا تھا وہاں پہنچی تو بڑی بیگم بیٹھی پان کھا رہی تھیں استانی جی کو دیکھتے ہی نہال نہال ہو گئیں۔ اُنھیں عزت سے لائیں خاطر سے بٹھایا۔ خاطر مدارات ایسی کہ بچھی جاتی تھیں۔ آؤ بھگت اتنی کہ پان پر پان اور زردہ پر زردہ۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہو چکیں تو استانی جی نے کہا "بھی" کہاں ہے آج وعظ میں بھی نہیں دیکھا۔ ملنے کو جی تڑپ رہا ہے۔ میں نے کہا چلو میں ہی چلکر مل آؤں۔

بیگم صاحبہ۔ وعظ میں جانے کو تو وہ بھی کہہ رہی تھی۔ مگر میں نے مناسب نہ جانا سیانی بیٹی کو کہاں کہاں لئے پھروں۔

استانی جی۔ میری نظر میں تو ابھی وہی بچہ ہے۔ کل ہی کی تو بات ہے کہ پاؤں پاؤں پھرتی تھی۔ بڑی ہو گئی تو کیا حرج تھا۔ وہاں تھا ہی کون غیر۔ آپس ہی کی لڑکیاں بالیاں جمع ہو گئی تھیں اور اگر غیر بھی ہوتا تو کیا تھا مجھے تو کوئی نقصان نہیں معلوم ہوتا۔

بیگم صاحبہ۔ یہ تو آپ کا فرمانا درست ہے۔ مگر پھر بھی ہشیار لڑکی کا باہر نکلنا حاصل کیا۔

استانی جی۔ آپ نے اس میں کیا خرابی دیکھی۔

بیگم صاحبہ۔ کچھ بڑوں ہی سے یہ رسم چلی آتی ہے۔ کچھ تو فائدہ دیکھا ہی ہوگا جو رکھی۔

استانی جی۔ ایک تو یہ خرابی بھی ہوگی کہ غیر محلہ پرایا گھر انجان لوگ سیانی لڑکی کا ناواقف لڑکیوں کی صحبت میں جانا اچھا نہیں یہ وجہ تو بہت معقول ہے مگر وہ اپنا ہی محلہ دیکھا بھالا گھر جانے بوجھے لوگ اور جب آپ خود ساتھ تھیں تو کیا قباحت تھی۔ دوسری خرابی یہ ہوگی کہ جب لڑکی بڑی ہوئی تو نسبت ہونے کا وقت آیا۔ لوگ دیکھیں گے تو عیب و ہنر

سے آگاہ ہوں گے۔ صورت شکل کو پرکھ لیں گے۔ کالی بدصورت ہے تو سب کو معلوم ہو جائےگا کون قبول لیگا۔ سو بیگم صاحب معاف کیجئےگا اس سے زیادہ بے ایمانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیٹی کا عیب اس کی بدصورتی کھلنے نہ پائے اور کسی نہ کسی طرح گھیر چپیک کر دوسرے کے سر منڈھ دیں، ناخوش نہ ہوجیئےگا۔ یہ میں آپ ہی کہہ رہی ہوں کہ سمجھدار لڑکی کا غیر عورتوں کی صحبت میں آزادی سے جانا اچھا نہیں اتنی ڈھیلی ڈوری ہرگز نہیں چھوڑنی چاہیئے مگر اتنی قید بھی اچھی نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کا کام نہیں یہی آج وعظ میں بیٹھ رہی تھی کہ جس طرح ہو ایمان درست کرو، کواری لڑکیوں کو بد تمیز عورتوں اور بے ڈھنگی لڑکیوں کی صحبت سے بچانا بیشک بہت دور اندیشی کی بات ہے لیکن آج کے وعظ میں اس کا سبب یہ تو نہیں معلوم ہوتا اور کچھ ہو تو مجھے خبر نہیں۔ بیگم صاحبہ میرا خیال تو یہ ہے کہ بیٹی کے بیاہ کے وقت بیٹے والیوں کو خوب اچھی طرح بیٹی کو دیکھ لینے کی اجازت دیدینی چاہیئے تاکہ پیچھے بے ایمانی کا الزام نہ لگے اور سچ پوچھئے تو معاملے کے معنی یہی ہیں۔ اب اجازت دیجئے، دیکھئے اگر موقع ہوا تو کل دل پھر آؤں گی۔ میری طرف سے دعا کہہ دیجئےگا۔

اس وقت تو استانی جی چلی گئیں۔ مگر اگلے زمانہ کی آدمی دل کی صاف وضع کی پابند۔ صبح کی نماز سے فراغت پا قرآن شریف پڑھ پھر آگئیں۔ اترتے ہی دیکھتی ہیں تو لڑکی بےخبر پڑی خراٹے لے رہی ہے۔ استانی جی کی صورت دیکھتے ہی بڑی بیگم صاحبہ نے بیٹی کو جگایا اور کہا ننھی استانی جی صاحبہ رات کو بھی تشریف لائیں۔ اب بھی آئیں اُٹھو۔ ہاتھ منہ دھو کر ملو۔ کل سے جی اچھا نہیں ہے۔ اسواسطے لیٹی ہوئی ہے۔

لڑکی اُٹھی تو سہی مگر کس طرح۔ تیوری چڑھی ہوئی۔ مزاج بگڑا ہوا۔ آکر بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتوں سے جی بھی ہوئی تو استانی جی کیا چُپ رہنے والی تھیں۔ فرمانے لگیں۔

بیٹی مجھے تو بڑا ہی تعجب ہوا۔ مغرب کے وقت سے پڑ کر سوؤ اور سوا پہر دن چڑھے سو کر اُٹھو۔ چھوٹی بیگم تم نے تو وہی مثل اصل کر دی۔ چراغ میں بتی پڑی لاڈو مری

تخت چڑھی، نیند کیا ہوئی بلائے جان ہو گئی۔ نور ظہور کا وقت۔ نماز نہ قرآن خدا اور رسول پڑے گئے اینڈ رہی ہیں۔ ایسی سستی بھی کس کام کی۔ لڑکیوں کا کام یہ ہے۔ جاڑے کی پہاڑ سی راتیں۔ گھر کے کام دھندوں سے چھٹکارا پا عشاء کی نماز پڑھ کوئی کتاب لے بیٹھیں آپ پڑھی دوسروں کو سنائی۔ دس گیارہ بجے سوئے، نماز کے وقت اُٹھ بیٹھے۔ سویرے اُٹھنے سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ دن بھر آدمی چونچال رہتا ہے۔ آلکسی نام کو پاس نہیں آتی۔ دل خوش رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں چستی بدن میں پھرتی، کام میں مستعدی یہ سب باتیں سویرے اُٹھنے کی بدولت ہیں اب تم اتنے دن چڑھے اُٹھی ہو۔ دیکھ لینا دن بھر ہاتھ پاؤں ٹوٹیں گے۔ چکرا اور جمائیاں سستی اور انگڑائیاں ہر وقت موجود۔ جی چاہیگا تو یہ کب موقع ملے اور پڑ کر سوؤں اس کے علاوہ ایک بیا زبردست نقصان ہوا کہ اگر ہزار روپیہ خرچ کر ڈالو تو بدلہ نہیں ہوتا۔ نماز فجر جس کو تم نے محض غفلت سے نیند میں کھو دیا ایسی چیز ہاتھ سے گئی جو اب عمر بھر ملنے والی نہیں۔ دین سے یوں گئیں دنیا سے یوں گئیں۔ اگر تم کو اس کی عادت پڑ گئی تو آج میرے کہنے سے اتنا کرو کہ کل صبح کی نماز پڑھ لو۔ پھر دیکھنا دن کیسا گزرتا ہے۔ بیٹی برا نہ ماننا۔ بس بیگم صاحب! اللہ بیلی!

(۱۹)

زمانہ اُڑا چلا جا رہا ہے۔ اور عمریاں ہیں کہ کہیں پہنچ رہی ہیں نسیمہ کا چھوٹا بھائی دو بھر کر تیسرے میں لگا تو ختنہ کی شادی ٹھہری۔ تین بہنوں میں ایک بھائی۔ چار بہنوں میں ایک بچہ۔ چشم بد دور اللہ آمین ہوتی کم تھی۔ بہت کی جوت ہے۔ دھوم دھام سے تیاریاں ہوئیں میاں بیوی کی صلاح سے تجویز یہ ہوئی کہ تین دن کی مہمانداری۔ دو دن گود بیٹھ ایک دن عام۔ مکان پر سفیدی ہوئی۔ دروازے پر ٹھاٹھ بندھے۔ شادی کا دن آیا تو مہمان آنے شروع ہوئے ڈولیوں پر ڈولیاں اور گاڑی پر گاڑیاں۔ گرمیوں کا موسم آدمیوں کی بھرمار کرایہ کی چیخ پکار۔ میزبان اور مہمان سب گھبرائے ہوئے تھے۔ بیچ کی راہ کا مکان

بیویوں کی پیچ پچ شام کا وقت ہوا بند کوٹھا اور سائبان انگنائی اور دالان کھچا کھچ بھر گئے۔ مزا یہ کہ بس اب بھی نہیں۔ ڈولیاں بند، گاڑیاں ختم۔ مرد ہیں کہ دروازہ پر چیخ رہے ہیں۔ آوازوں پر آوازیں اور تقاضوں پر تقاضے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ بشیر کی ممانی شاہ پور کے محلے سے آکر اتریں ڈیوڑھی میں نند تھی اس سے ملکر آگے بڑھیں۔ ادھر نسیمہ نے ماں سے آکر کہا اب تو اوپر بھی جگہ نہیں۔ ماں ہنسکر کہنے لگی بیٹی میں تو بلا کے پچھتائی اب کہاں اپنی چندیا پر بٹھاؤں۔ کچھ دلوں کے بخار، کچھ بیوقوفی۔ ممانی کی سمجھ میں یہ آئی کہ میرا آنا نند کو ناگوار گزرا۔ پیچھے پیچھے بیٹی اس سے پوچھا پھوپھی جان کیا کہہ رہی تھیں۔ بیٹی کیا آفت کا پرکالا تھی۔ عادت سے مجبور، موقع کی منتظر۔ کہتی کیا ہے ہم تو پہلے ہی جانتے ہیں۔ ہم غریب یہ امیر۔ ہمارا ان کا میل ہی کیا اور امیر غریب کا رشتہ کیسا۔ یہ سینکڑوں مہمان بھرے پڑے ہیں وہ ان کے اپنے ہیں۔ سر آنکھوں پر بٹھائیں گی۔ ہماری ڈولی کے چار آنے بھی دوبھر ہیں۔ اب میں کیا کہوں۔ تم سن تو رہی تھیں۔ کہاروں نے پیسے مانگے وہ لگیں خفا ہونے کہ کسی طرح بس ہی نہیں جو ہے وہ اترا چلا آرہا ہے۔ تم ہی بے غیرت ہو۔ خدا کی قسم میں تو گھڑے پانی نہ پیوں۔ تمہارے دل میں دل کیونکر ڈالدوں۔ تقدیر کی ذلت ہے وہ ہو رہی ہے۔ آپ ذلیل ہو اپنے ساتھ اوروں کو کراؤ۔ لو اب کہاں بیٹھتی ہو۔ کہیں جگہ بھی دکھائی دیتی ہے۔ کسی نے آکر جھوٹ موٹ بھی بات نہ پوچھی۔

ماں۔ ہم کوئی آپ سے تھوڑی ہی آئے ہیں۔ دو دفعہ رحیمن گئی۔ ایک دفعہ بھائی خود آئے۔ ہم کیا گرے پڑے ہیں۔ جا سلیم سے کہدے کہاروں کو ٹھہرا لے چلو اٹھو۔ فقیر ہیں تو اپنے گھر کے۔

انگنائی میں کھڑی ہو کر اللہ کی بندی بہتیرا ہی چیخی چلائی اور مطلب صرف اتنا کہ ان سینکڑوں میں خدا کسی کو اتنی توفیق دیگا کہ پوچھے بی کیا ہوا۔ مگر شادی کا ہنگامہ۔ بچوں کی چیخم دہاڑ۔ بڑوں کا غل غپاڑہ۔ طوطی کی آواز نقار خانہ میں سنتا کون تھا پوچھنا گوردکنار کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ بات تو کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ دو باتوں میں دل صاف ہو جاتا۔ مگر اس فتنی نے کچھ ایسے کان بھرے اور ایسا پڑھایا کہ ساتھ ہی لیجا کر ٹلی۔ آدھی کا تو تھا اب بھی لگا ہوا تھا۔ کسی کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ بیوی کیوں آئیں اور کیوں گئیں رات گزر گئی۔ صبح اٹھکر جو گھر والی کو خیال آیا تو ڈھونڈنے لگیں۔ بھاوج تو ایسی پڑکر ڈھیر ہوئیں کہ بھاوج کو آکر دیکھا تک بھی نہیں۔ اب چاروں طرف ڈھونڈیا پڑ رہی ہے۔ بھاوج کہیں ہوں تو ملیں۔ کوئی کہتا ہے آئیں۔ کوئی کہتا ہے نہیں۔ نند بیچاری سینکڑوں قسمیں کھا رہی ہے کہ میں خود ڈیوڑھی میں ملی ہوں۔ دونوں بیٹیاں ساتھ تھیں۔ اتنی بڑی عورت کا مہمانوں میں سے غائب ہو جانا جہاں ہنسی کی بات تھی وہاں تشویش کی بھی۔ منجھلی لڑکی کیا فرماتی ہیں۔ اماں بی الماری میں تو دیکھو چھپ نہ گئی ہوں۔ عورتوں نے بہت ٹھٹھے لگائے مگر نند بیچاری حیران پریشان کہ یہ ستم کیا ہوا۔ آئی اور آئی بھاوج کہاں غائب ہو گئیں ماما کو بھیجکر دکھوایا تو معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھی آلو چھیل رہی ہیں۔ میاں کو بھیجا تو یہ عقدہ کھلا کہ بھاوج سوچی بھولی میٹھی ہزاروں باتیں سنا رہی ہیں۔ نند بیچاری اور کیا کرتی شادی کو اسی طرح چھوڑ چھاڑ ماما کو ساتھ لے بھاوج کے ہاں پہنچی۔ وہ تو رات ہی سے بھری بیٹھی تھی۔ صورت دیکھتے ہی ایسی ٹانگ لی کہ کچھ کہتے سنتے بن نہ آئی۔ انکار پر انکار کر رہی ہے اور قسموں پر قسمیں کھا رہی ہے مگر بھاوج ہے کہ وہی کہے جاتی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کوئی اور کہتا تو میں جھوٹ سمجھ لیتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بحث رہی بڑی مشکلوں اور مصیبتوں ہزاروں منتوں اور خوشامدوں سے خدا خدا کر کے غصہ فرو ہوا ادھر تو یہ گزری ادھر مہمان بیچارے بند ہی بند پر سوکھ گئے آنتڑیاں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ مختصر یہ کہ دوپہر بعد کہیں ایک بجے کے قریب بھاوج کو سمجھا بجھا ساتھ لے کر گھر آئی۔ شادی تو خیر ہونی تھی ہو ہی گئی۔ شام کو مہمان رخصت ہوئے

مگر نسیمہ کی ماں لاکھ بھاوج سے صفائی کر چکی تھی۔ لیکن دل میں کچھ ایسی شرمندہ شرمندہ رہی کہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔ چلنے کا وقت آیا تو کہنے لگی۔ بھابی، روز روز تو کوئی کسی کے ہاں آتا نہیں کبھی کبھار گھر سے نکلنا ہوتا ہے۔ اب آج جا کر کیا کرو گی۔ اس ہنگامہ میں تو بات کرنے کی فرصت ملی نہیں۔ کل چلی جانا۔ نند کے اصرار پر تو بھاوج رہتی یا نہ رہتی مگر نسیمہ نے جھٹ جھٹ کر نانی کو ایک رات اور ٹھہرا لیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو استانی جی کہنے لگیں بوا تم نے بھی کمال کیا۔ پوچھا نہ گچھا بات کو سمجھیں نہ بوجھیں۔ جو اپنی سمجھ میں آیا یقین کر بیٹھیں۔ غلط فہمی سے تو دنیا میں بہت بڑے بڑے نتیجے پیدا ہوتے ہیں عقلمندی کا کام یہ ہے کہ اگر کسی عزیز کی طرف سے رنج پہنچے تو اس کو خوب اچھی طرح تحقیق کرے بلکہ خود اسی عزیز سے دریافت کرنا چاہیے بارہا ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے سمجھنے والا کچھ اور سمجھ جاتا ہے اور پھر بیچ کے لگانے والے جو بات کا بتنگڑ بنا دیتے ان کو اسی میں مزا آتا ہے۔ اپنے دل میں کھوٹ ہے تو بس بات جم گئی اور خواہ مخواہ کا رنج پیدا ہو گیا۔ کچھ آپ بھیجے۔ کچھ دوسرا بھیجا۔ دلوں میں پوری رنجش ہو گئی۔ رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے کی صورت سے بیزار۔ بولنا چھوڑا۔ ملنا چھوڑا۔ آنا چھوڑا۔ جانا چھوڑا۔ خدا سمجھے تو اسی وقت بات کو طے کر لے اور جا کر دریافت کر لے کہ میں نے تمہاری طرف سے یہ سنا ہے۔ سچ ہے یا جھوٹ۔ مردوں کی تو میں کہتی نہیں مگر عورتوں میں یہ بات عام طور پر دیکھی ہے کہ قصور دونوں میں سے ایک کا نہیں اور ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہی ہیں۔ اچھی بوا ماشاءاللہ آٹھ بچوں کی ماں اتنا تو سمجھا ہوتا کہ رذیل سے رذیل اور ذلیل سے ذلیل بھی تو گھر بلا کے نہیں نکالتا نہ یہ کہ اللہ آمین کا بچتوں کی شادی اور سگی بھاوج کا آنا ناگوار۔ بیوی قربان جائیے تمہاری عقل کے اور صدقے تمہاری سمجھ کے۔ اور خیر تم نے کمال کیا سو کیا۔ صاحبزادی بلند اقبال نے اور بھی غضب کر دیا۔ کنواری لڑکی اور لگائی بجھائی۔ شرافت تو یہ ہے کہ جس کی جہاں سنی وہیں چھوڑ دی نہیں کہ سنی ایک جڑیں

چار، لڑکی شاباش۔ حیف ہے ایسی بیٹیوں پر جو دلوں میں بیر ڈلوائیں۔ پھر غیر بھی تو نہیں نند بھاوج ہیں۔ آخر کیا ہاتھ آیا۔ سینکڑوں آدمیوں میں عزت کس کی گئی۔ جس نے سنا تبرا بھیجا۔ لڑکی ہو کر آفت کا پرکالا۔ بیٹھے بٹھائے کیا آفت برپا کی ہے۔ بیٹی روتی کیوں ہے یہ کلنگ کا ٹیکہ تو عمر بھر کو لگ گیا۔ اب ٹسوے بہانے سے کیا حاصل۔ خدا ایسی بیٹی سے بچائے

(۲۰)

نسیمہ کی ماموں زاد بہن جس نے یہ گل کھلوایا تھا تھی تو کنواری مگر ماں کی لاڈو نانی دادی کی چہیتی۔ دو تین گھروں میں ایک بچی، گو کیسی بے ڈھنگی اور پھوہڑ کہ خدا کی پناہ۔ ماں بارہ مہینے کی بیمار۔ تو پہلے ہی سے تھی۔ برسات کے دن، پروا ہوا۔ کھا لیا باسی خشکہ ٹھنڈے بادی چاول۔ جوڑ جوڑ میں درد ہو گیا۔ جاڑوں میں ہوئے مسہل اور پھر کیا غسل۔ اعضا کو تو تھے ہی۔ پانی پڑتے ہی دونوں ٹانگیں رہ گئیں۔ نہ اٹھنے کی ہمت نہ چلنے کی طاقت بہت دل کیا تو کھسک کھسکا چبوترے پر یا گسٹ گسٹا چوکی پر۔ گھر میں لے دے کر ڈالی یہ منتظم سمجھو، داروغہ کہو جو کچھ بھی صاحبزادی برخوردار۔ مگر لڑکی کیا جانور تھی۔ منحوس جیز گھر میں آئے، گو جب دیکھو خاک اڑ رہی ہے، ماں چلنے سے معذور خفگی سے مجبور۔ بیٹی کی طرف سے کچھ ہو نہ ہو، وہ تو کیساں۔ ماماؤں کی جوتیوں کو کیا غرض تھی کہ مصیبت بھگتیں اور گھر بنائیں۔ گھر تھا تو گھر والی کے دم سے وہ اس قابل ہی نہیں۔ لڑکی پھوہڑوں کی بادشاہ، بے ڈھنگیوں کی سردار۔ گھر کیا بازار تھا۔ چار ہی دن میں یہ کیفیت ہو گئی کہ گھسنے کو جی نہ چاہے۔ جس ماں کی یہ کیفیت کہ بچھونے پر سلوٹ ہو تو بے چین۔ اس کی بیٹی کا یہ حال کہ دنوں اور مہینوں گھر میں جھاڑو نہ لگے تو پرواہ نہیں۔ جس انگنائی میں سوئی گرے تو آگ اٹھا لو۔ اب اس میں صاحبزادی کی سہیلیوں اور ماماؤں کے بچوں نے کنوئیں کھود کھود کر گڑھے ڈال دیئے۔ مرغیوں کے بڑے بڑے وڑبوں نے گھر کی حیثیت دو کوڑی کی کر دی۔ کہیں کیچڑ کے ڈھیر۔ کہیں خاک کے تودے۔ یہاں چولہے

وہاں گُھنڈیاں۔ دونوں کے پتے۔ کوڑا کرکٹ۔ صحن کیا دنیا بھر کا مجموعہ تھا۔ پھکنی دست پناہ اس میں۔ دانہ کی کنڈلیاں، پانی کے کونڈے۔ مرغیوں کی بیٹ۔ کبوتروں کے پر۔ بورے کے ٹکڑے۔ کپڑوں کے چیتھڑے۔ چاروں طرف وہ جھاڑ جھنکاڑ اٹا ہوا کہ دم بھر بیٹھنے کو جی نہ چاہے۔ کہنے کو ماشاء اللہ ایک چھوڑ دو دو مامائیں۔ مگر اُن بیچاریوں کا کیا قصور۔ کام لینے والا ہوتا تو وہ کام کرتیں۔ گھر والی کی یہ کیفیت کہ اگر کبھی بھولے بسرے دنیا جاتی دیکھکر کسی ماما نے چاہا بھی کہ جھاڑو ہاتھ میں لے دو جھٹکے دیدوں تو اس کو جھٹ دوسرا کام بتا دیا پل بھر کی دیر ہوئی تو سینکڑوں کوسنے پڑ گئے۔ ستم یہ کہ جو کام بتایا وہ الٹا اور جو بات کی وہ ٹیڑھی۔ ماماؤں کا کیا بگڑتا تھا۔ جس رخ پر ڈالا پڑ گئیں۔ دن بھر بیٹھی مرغیوں کے دہانے ٹھونستیں اور کبوتروں کی کابکیں جھاڑتیں چکنی مٹی کے بورے، کچی اینٹوں کے ڈھیر، تغار بھیگے ہوئے، پانی پڑا ہوا۔ پختہ سنگین گھر چار دن میں غارت ہو گیا۔ دیواروں پر نظر ڈالو تو اینٹیں گری ہوئی چونا جھڑا ہوا کونے کو جا کر دیکھو تو گھاس اُگی ہوئی۔ لمبا پڑا ہوا۔ موری بند قدمچے ٹوٹے۔ جھلنگے کھرے۔ ٹھاٹر پڑے۔ خدا کی شان نواب حشمت کی محلسرا اور دیکھکر جی متلائے۔ دالان کی وہ کیفیت کہ حلوائی کی دکان بھی ایسی ہو گی۔ چاروں طرف مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بڑی بی کے زمانہ کا بنا ہوا گھر لاکھ خاک میں مل گیا تھا مگر دری چاندنی۔ چادر، غالیچے موجود سب چیزیں تھیں۔ لیکن وہی چیزیں جو کسی وقت مکان کی زینت اور آرائش کا سامان تھیں۔ آج بیٹھنے والے کو بھی لاج لگتی تھی۔ چونے کے ڈبے کتھے کے چھکتے پیڑیں، چھلکے ٹوکروں کوڑا۔ ڈھیروں راکھ۔ منوں خاک۔ بڑی بڑی مرشی دریاں مٹی میں اٹی ہوئی۔ چھپی ہوئی جاجمیں۔ جنگی جنگی چاندنیاں زمین سے بدتر مرزاپور کا حسین غالیچہ۔ دیکھنے دکھانے کے لائق اور اس کی یہ قدر کہ انگلی لگی اور خاک اُڑنی شروع ہوئی۔ چبوترے کی چوکیاں جھیٹہ بیا کہ میں ہوئیں خاک سے گردآلود۔ اوپر سے پڑا مینہ۔ شیشم اور سال سب گل کر آٹا ہو گیا۔ سامان کا حال یہ کچھ

قرینہ اور ڈھنگ وہ کچھ کہ خدا کی پناہ۔ اُگالدان اوندھا ہوا۔ پٹاری بھیگی ہوئی۔ کٹورا گرا ہوا۔ چونہ لپا ہوا۔ نواڑ کے پلنگ بان کی ادوان، پلنے دور ننگے، پٹیوں میں کان۔ بچھونوں پر قینچیاں پلنگوں پر ترلیں۔ چاندنی پر انجورے۔ غالیچہ پر کٹورے کہیں پانی گرا ہوا کہیں رنگ پڑا ہوا۔ کونڈے لڑکے ہوئے۔ رکابیاں پھیلی ہوئی۔ گھر کیا ایک طوفان بدتمیزی تھا۔ بیٹھو تو مصیبت بیٹھو تو آفت۔ جھاڑو وتر بہار و صفائی یہ ستھرائی ہو کہاں سے اور کرے کون۔ نہ کوئی کرنے والا نہ کہنے والا۔ ماں بیچاری عجب مشکل میں تھی کچھ کرتے دھرتے بن نہ آتی تھی۔ شروع شروع میں تو دو چار دفعہ بیٹی سے کہا مگر وہاں تو چکنا گھڑا تھا۔ لونڈ بری اور پھسل گئی۔ اس کان سنا اور اُس کان اُڑا دیا۔ خدا نہ کرے کہ کسی کے گھر کی ایسی خاک اُڑتے ہوتے ساتے۔ خدا نے سب کچھ دے رکھا تھا۔ ایک بدتمیزی نے وہ گھر کی مٹی پلید کی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ موئے فقیروں کا گھر بھی تو اچھا ہو گا۔ خدا معلوم کیسی منحوس طبیعت کی لڑکی تھی کہ نہ کبھی دل گھبرایا نہ جی اُکتایا۔ لحاف تو شنگ سامنے اور رشیمین کہنے کو تو مچان پر تھے۔ مگر کس کام کے۔ گرمی جاڑا برسات تینوں ہی موسم گزرے گر نکالکر دیکھا نہ اُتار کر اوڑھا۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر وہ بھنانے ڈالے کہ نون باندھنے کو جگہ نہیں۔ رہے صندوقوں کے کپڑے کچھ ٹھٹکے میں گئے۔ مہری سے کپڑوں نے کھائے اور کچھ گھن کھاتے۔ اکٹھی دو برساتیں آئیں اور گئیں مگر وہ موٹ ملی تھی اوڑھنی غرض روپے اور اشرفیوں کی چیزیں کوڑیوں کے مول رہ گئیں۔

غسل خانہ کو جا کر دیکھو کیسی کیلی میں۔ کس کا صابن سنجن۔ میلے کپڑوں کا ڈھیر چھت سے باتیں کر رہا ہے وہ کس طرح۔ اوڑھنی گیلی۔ کرتہ چوڑا۔ پتھر سیلے۔ پڑا گیلا مڑی ہوئی کنگھی ڈٹا ہوا جھانواں۔ بدبو ایسی کہ ناک نہ دی جائے۔ موری بند۔ پانی بھرا ہوا۔

باورچیخانہ۔ سبحان تیری قدرت۔ دست پناہ جھکا ہوا۔ پھکنی پھٹی ہوئی۔ چولہے گنگنی میں دو ملکتی میں۔ مگر جو ہے وہ بے ڈھنگا۔ ایک کا بازو نہیں تو دوسرے کا کولا ادھڑا ہوا آٹا گندھا ہوا کہا ہی

تو مرغیاں بھر بھر چونچیں کھا رہی ہیں۔ دال کیسی شخشو[۱۱] اور کس کا دھونا۔ آدھی سے زیادہ تو کبوتروں نے کھائی۔ بچی بچائی جیسی جس کی سمجھ میں آئی پانی ڈال چولھے کے حوالے کی۔ روٹی پک کر تیار ہوئی تو کوئی کچی اور کوئی چمڑا۔ ایک کھڑ نمک[۱۲] تو دوسری ٹکر[۱۳]۔ سالن میں گھی تو پڑے آدھ پاؤ کے بدلے تین چھٹانک مگر ڈھیر[۱۴] ڈھیر قلیا نمک زہر۔ مرچیں ہلاہل۔ نیلا نسوت۔ بھنیاسے کا شوربا۔ چاول بچے تو کچے پتے۔ برابر کے کنکر۔

اب ہر برتن اُن کا یہ حال کسی میں زنگ کسی میں تنگ مہینوں کی قلعی۔ مدتوں کے منجھے۔ کیچڑ میں تیرتے پھرتے ہیں۔ انگنائی میں پتیلیاں دالان میں تشتریاں موری پر طباق دہلیز میں کٹورے۔ پانی کی گھڑونچی خدا نہ دکھائے۔ مٹکے میلے ٹھلیا چکیلی۔ چھلنی نہ ڈھکنا جو آیا غٹ سے آبخورا ڈال پانی پی پٹخ پٹخا چلتا ہوا۔ گرمی کے دن اور پانی ادھن جیسا گرم میں آج سے دو برس پہلے جو کام تھا وہ ڈھنگ کا اور جو بات تھی وہ سلیقہ کی۔ یہی گھر میں آج ایک بدتمیز لڑکی کی بدولت ہر چیز کو یہی آگ لگی کہ دیکھی نہ سنی۔ ہاتھ پیکڑا نہ پاؤں پیکڑا دن بھر ادہر اُدہر اچھلتی کودتی پھرتی اور گھر کی طرف خاک دھیان نہ کرتی بھرے ہوئے گھی کے کنستر آٹا دال گیہوں چاول سب لغتوں کے پیٹ میں جاتے۔

کمبخت اپنی آنکھ سے دیکھتی کہ یہ نمک حرام مامائیں بھر بھر چمچے گھی اور بھر بھر چھبلا اناج بلا وجہ بلا ضرورت لا رہی اور لیجا رہی ہیں اور خاک منہ سے نہ پھوٹتی۔ مالک کا یہ ڈھنگ دیکھکر نوکروں نے اپنا گھر بھرا تو کیا برا کیا۔ دھیلے کا دہی اور روپے وصول۔ پیسہ کی چیز اور دو آنہ دام آج کٹورا غائب کل تشتری ندارد بھرا پرا گھر چار دن میں اُف ہو گیا۔ کپڑے اور برتن اوڑھنا اور بچھونا سب غارت۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چمچہ اور کفگیر

---

۱۱ دال دھونے میں احتیاط کہ اس میں کنکر وغیرہ نہ رہنا چاہیئے ۱۲ سوکھی ہوئی ۱۳ جلی ہوئی ۱۴ پتلا پانی جس میں برائے نام کو ہو۔

کچھ نہ رہا۔ بیوی سالن نکالنے کو حیران بیٹھی ہیں۔ ماما دوڑی دوڑی گئی اور پیسے والا ٹین کا چمچہ یا ٹکے والی ڈوئی لا حوالے کی۔ آدمی کچھ کہو کر سکتا ہے۔ چاہیئے کہ اس پر کچھ کان ہوتے کیا مجال۔ کرتہ چیتھڑا۔ جوتی لیتڑا۔ بدن پر تار نہیں۔ مگر ایسی بے حمیت کہ وہ وطیرے نہ چھوڑنے تھے نہ چھوڑے۔ سنجیدہ جو اتفاق سے اس محلہ میں پہنچی تو دھیان آیا کہ لاؤ آئی تو ہوں یہاں بھی ہوتی چلوں۔ دیکھتی ہے تو ڈھنگ ہی اور کچھ ہیں۔ ایمان کی بات ہے کہ اگر سنجیدہ جیسی سچی آدمی کا بیان نہ ہوتا تو ہم یقین بھی کرتے کہ دنیا میں ایسی ایسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ پھوہڑ بے ڈھنگی نکمی۔ کام چور سب ہی طرح کی لڑکیاں دیکھی بھی اور سنی بھی۔ مگر ڈھنگ دیکھا نہ سُنا۔ تقدیر میں تو کسی کا زور نہیں بہت سی اللہ کی بندیاں ایسی نکلیں گی کہ سینکڑوں ہزاروں کا میکے سے لیکر گئیں اور سب سسرال کی نیگ لگا۔ سونے چھونے والیاں جن کے قدموں کے نیچے ماں باپ آنکھیں بچھاتے تھے۔ گھر باری ہوئیں تو پتھر پڑے کہ عمر بھر پاپڑ بیلے سلائیوں اور پسائیوں سے پیٹ پالا۔ رونا تو ان بدنصیبوں کا ہے خدا نے سب کچھ دیا مگر ایک اس الٹی مت کے ہاتھوں وہ تھڑی تھڑی ہوئی کہ ساری دنیا میں جوتیاں پڑیں اس بدنصیب کو کس چیز کی کمی تھی معقول آمدنی بھرا گھر ماما کی جگہ ماما نوکر کی جگہ نوکر مگر کمبخت نے سب چیزیں خاصے لگا دیں غضب خدا کا ڈھائی سو تانبے کے برتن جا کر چھوٹی چینی کی تشتریاں اور مٹی کے پیالے ہاتھوں میں آ گئے۔ مامائیں نمک حرام اپنے مطلب کی آشنا، غرض کی دوست خوب سر سہلایا اور بیچا کھایا۔ وہی بچی کی ماں جس کو بیگم بیگم کہتے منہ خشک ہوتا تھا دو دو وقت تین تین دن غائب رہتی۔ بنی کے سو بگڑی کا ایک نہیں اس نالائق پر تو کچھ بھی پڑتی درست اور بیچا کھاتی۔ ہمیں تو افسوس بیچاری بڑی بی کا ہے۔ بڑھاپے میں کیسی مٹی پلید ہوئی ماما گئی بیٹھی بیٹی کو چولھے پاس جانا قسم۔ آٹا گوندھنا کیسا سوندہ و ساندہ تنور پر بھیجا۔ نیلا شوربا پانی۔ تیل سے گہرا۔ چربی میں پکا۔ جلے ہوئے موٹے موٹے تنور کے ٹکڑے دانت سے چبیں نہ حلق سے اُتریں۔ چورہا بنا کر بیٹیں ڈالیں بیٹھیں

چھو کی ماں گھٹنوں میں سر دے اور روئے۔ کس سے کہتیں اور کیا کہتیں۔ جو آئی وہ بھگتی
جو پڑی وہ اُٹھائی۔ سنجیدہ تو یہ رنگ دیکھکر دنگ رہ گئی۔ لڑکی کو دیکھتی ہے تو سر جھاڑ
منہ پہاڑ، اُٹھنا نہ اُٹھانا۔ سلام نہ آداب۔ شہر کی نظر بیٹھی گھور رہی ہے۔ آگے بڑھی تو جو چیز
ہے نورٌ علیٰ نور۔ جدھر گئی تعجب اور جہاں دیکھا افسوس۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ
کر دیکھا۔ خدا خدا کر کے بیچاری بڑی بی دکھائی دیں۔ بیٹھنے کی تھگلی جیسے چوک کا بازار
صورت جیسے برسوں کا بیمار۔ توشک ہے تو الٹی رسید ہے۔ لحاف ہے تو روئی کے بوٹے باہر
قرنوں کا تکیہ۔ برسوں کی رضائی۔ پرانی کرتی۔ میلا کرتہ۔ چیکٹ بڑی بی اللہ اللہ کر رہی ہیں
سنجیدہ تو صورت دیکھتے ہی بے اختیار ہو گئی اور دوڑ کر گلے جا لپٹی۔ پوچھنا تھا کہ بڑی بی
کا دل بھر آیا۔ برسوں کا جما ہوا مواد نشتر کی دیر تھی۔ لڑکی کا نام آتے ہی لگیں پھوٹ پھوٹ
کر رونے۔ رو چکیں تو رام کہانی سنائی۔ سنجیدہ کا بس چلتا تو وہ اس کو کچا ہی کھا جاتی
مگر سمجھدار عورت سوچا کہ زبان دراز لڑکی بکیوں موری میں پتھر ڈالا جو چھینٹیں اُڑیں
پرائے شگون کے واسطے اپنی ناک کٹانی کس خدا نے بتائی۔ پیاس لگی پانی مانگا
ماما تو چپ ہو گئی۔ مگر سہیلیوں میں سے ایک لڑکی سات آٹھ برس کی وہ ٹینگڑی ننگے سر ننگے
پاؤں ناک بہہ رہی ہاتھ پک رہا پانی لانے اٹھی۔ گھڑونچی کے نیچے آبخورا لڑھکا پڑا تھا جھٹ
اُٹھا غڑپ سے ڈال پانی بھر لے آئی۔ بی سنجیدہ دیکھتی ہیں تو گرد کا ٹھسکا میلا کچیلا۔
مانگنے کو تو پانی مانگ لیا۔ مگر پانی تو سانپ کی چھچھوندر ہو گیا۔ نہ اُگلے چین نہ نگلے۔ گلاس نہ
کٹورا۔ لتھڑا ہوا آبخورا پیتی ہیں تو کراہیت نہیں پیتیں تو شرمندگی۔ اُٹھی آبخورا لے
باہر آئی اور ہاتھ دھو پاس آ بیٹھی۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ ماں کے منہ پر ایسا ٹھیک کاؤں
جو بھی ماں ہو تو چلّو بھر پانی میں ڈوب مرے مگر پھر سوچا کہ کیوں نہ یاں تو اور کیوں منہ بلائے
پاس ورکی لگ ہی گئی تھوڑی دیر اور بیٹھ کر رخصت ہوئی مگر چلتے وقت اتنا کہہ گئی
ستانی جی آنکو کہہ ہی چکی ہوں واں تو انشاءاللہ میں انکے ساتھ پھر آؤنگی گھر آ کر پانی پیا اور استانی جی

سے سارا حال کہا۔ پیاس کا ذکر سنکر تو ایک استانی جی اور اُن کے ساتھ کئی اور سب کے پیٹ
میں مارے ہنسی کے بل پڑ گئے۔ سنجیدہ کہنے لگی استانی تو جب جانوں جب اس لڑکی کو ٹھیک
کرو۔ کم بخت نے گھر کا گھر واڑ رکھا ہے۔ خدا کی قسم بوا اُس نے تو بچے کے کان کاٹے خبر نہیں
کس قماش کی لڑکی ہے میرا تو اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اتنا بڑا محلہ ماشاءاللہ بیس
تیس آدمیوں کا کنبہ اور کوئی آکر جھانکتا بھی نہیں۔ جہاں کسی نے قدم رکھا اور لڑکی نے
ٹانگ لی۔ اسفندیار خاں سگے ماموں اور ایسے الگ تھلگ جیسے بالکل غیر۔ میں تو کہتی ہوں
خدا اسکا پردہ ڈھانک دے یہ رسوائی تو نہ ہو گی کسی طرح ماں بیچاری اس مصیبت سے چھٹکارا
پائے ایکدم چالیس پچاس روپے فقط کرایہ کی آمدنی۔ پنشن الگ ہی جہاں بیٹھ جائیں گی
لالوں کی لال۔ یہی مردار کی بیڑی پاؤں میں ہے جو نہ کہیں جا سکتی ہیں نہ آ سکتی ہیں
دکھ بیماریاں کیا ہوتی ہیں۔ اُن کو تو اسی صدمہ نے بٹھا دیا۔ اسلم سے نسبت ہوئی تھی
مگر بوا اُس کے سر پر اتنے بال تھے۔ دیوانہ بیچ گھر رہتی اور تل تل باتوں کی خبر پہنچتی تھی
کانوں پر ہاتھ دھر صاف الگ ہو گئے۔ مجھے تو امید نہیں کہ یہ لڑکی رستے پر آئے استانی
جی یہ حال سنکر تھوڑی دیر تو سناٹے میں رہ گئیں۔ پھر کہنے لگیں لے ہے میرا دل تو
اُن سے ملنے کو آپ ہی چاہ رہا ہے اب وقت نہیں ہے زندہ رہی تو انشاءاللہ کل صبح ہی چلونگی
دوسرے دن صبح ہی استانی جی اور سنجیدہ چلنے کو تیار ہوئیں تو نسیمہ نے بھی خواہش
ظاہر کی۔ پھوپی کا منشا تو تھا نہیں مگر استانی جی نے کہا کیا ہرج ہے گھڑی بھر تو بیٹھنا
ہی ہے ساتھ جائے گی ساتھ آئیگی لیچلو۔ تینوں ڈولیاں آگے پیچھے روانہ ہوئیں اور دم بھر
میں وہاں جا پہنچیں۔ پہلے استانی جی اتریں اور ڈیوڑھی ہی میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں
سنجیدہ اُتری نسیمہ آئی۔ تینوں آگے بڑھیں بھلا استانی جی کی تاب کہاں وہ تو جب سے
ذکر ہی سنا تھا خون کے سے گھونٹ پی رہی تھیں بڑی بی سے گلے تو مل لیں اور پھر تو وہ
آئیں تو جائیں کہاں کیسی خیر صلاح اور کس کا مزاج۔ لڑکی سے کہنے لگیں۔ دلہن بھاگ

اُن ماؤں کے جن کے ہاں ایسی ناشدنی بیٹیاں پیدا ہوں اس سرے سے اس سرے تک سارے گھر کو آگ لگا دی موئے چماروں حلالخوروں کا گھر بھی تو اچھا ہوگا یہ گز ہوگا کہ گھستے ہی جی متلانے۔ غضب خدا کا یہ پانی پینے کا آبخورا جو غڑاپ غڑاپ مٹکے میں پڑے مرغی کے دڑبے پر پڑا ہے۔ اُوئی کے جانور تمہارے ہی یہاں نہیں پلے دنیا پالتی ہے مگر اندھیر کہیں نہیں دیکھا کہ چاروں طرف مرغیاں منہ ڈالتی پھریں اور برتن تتر بتر۔ گھر کیا کنجڑے کی دکان یا گاڑیوں کا اڈا ہے کہ کٹی اور پولیاں گاجریں اور مولیاں دنیا بھر کے اکوڑ گھر کے اندر۔ یہ چاندنی ہے جس پر پاؤں رکھنے کو جی نہ چاہے نوج ایسا بے ڈھنگا کارخانہ ہو۔ ذرا گھڑونچی کی تو صورت دیکھو یہ ہوا اُسکا ہے یا رنگریز کی راجن گول اور لوٹیاں تو کہنا کیچڑ میں کھڑا ہے لے ہے دس بجنے کو ہیں اور اب تک بچھونے اُٹھنے نصیب نہیں ہوئے وہ میں بھی تو زربفت اور کمخواب کے جو دیکھے وہ خوش ہو جائے الٰہی توبہ خدا ایسی پھوہڑ لڑکی کی صورت نہ دکھائے بیٹی عورت ہے یا پتھر آدمی ہے یا جانور ذرا اپنا ہنڈا تو دیکھ کہ فقیرنیوں کا سا حال لتہ ڈلیوں کی سی گت اور آوا اور موئے چھینکے کی بھی کوئی ہستی ہے۔ بے ڈھنگے اپنے کا بے ڈھنگا کام۔ اچھی بوا سنجیدہ تمہیں خدا کی قسم الٹا لٹکا ہوا ہے؟ کیوں بیٹی ذرا جواب تو دے۔ یہ امسال ان میں پوڑیاں بنائی ہیں یا جلیبیاں تلی ہیں کہ مکھیوں کی بھنکار نے ناک میں دم کر دیا۔ کھانا کھا کر رات کو دسترخوان بھی تو اُٹھانا نصیب نہیں ہوا۔ روٹیوں کے ٹکڑے جہاں تہاں پڑے ہوئے ہیں یہ گھر ہے یا بھٹیار خانہ۔ میرے تو ہوش اُڑے جاتے ہیں ماشاء اللہ سب صفتیں موجود ہیں گھرے میں اُپلے سبحان اللہ۔ بیٹی ہاتھوں میں دم نہیں تو چاہا پانی پر سنا کیا ضرور۔ یہ جھلنگے ہیں یا اُڑن کھٹولے۔ میرا تو ایک ایک چیز کو دیکھکر جی اُلٹ رہا ہے اور تو اور یہ اندھیر بھی دیکھا ٹیاری کو ملاحظہ کیجیے ایک کلیا تانبے کی ایک مٹی کی نجوری نہیں نہرت نہیں نہ ہو تو صبر آجائے۔ ہڑ ونگی نے اپنے گنو سے گھر کا گھر دا کر دیا اور مری کی ہوتی تو شکل نہ دکھاتی۔ یہی کو تک تھے جماسوں مانی کے جوتی دی دنڈیا

اور سچ بھی ہے میکے میں یہ آفت ڈہا رکھی ہے تو سسرال جا کر کیا آگ لگائے گی۔ ننھی نہیں ناوان نہیں ارے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تو گھر سنبھالتی ہیں کہ آدمی دیکھتا رہ جائے۔ بیٹی کے ڈھنگ سونی تو میں نہیں کہ چھپ جائیں۔ نکلی ہونٹوں چڑھی کوٹھوں۔ کس کی شامت آئی ہے کہ جیتی مکھی نگلے گا۔ کیوں برا جھوٹ تو نہیں کہتی۔ آخر تمہارے گھٹنے سے لگی کب تک بیٹھے گی۔ بادشاہ وزیر کی نہیں بیٹیں یہ تو کس گنتی میں ہے۔ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں یہ وقت تو آنا ہی ہے سسرال والوں کی جوتی کو کیا غرض پڑی ہے جو گھر کا ناس کرائیں گے۔ آپا جان آپ تو خاک بستی کی بیٹھیا رہو گی۔ ان کی بہن بھی یا کچھا اور۔ ساس غریب کے خبر بھی نہیں اور بہو نے ایک ایک کر کے نو جوڑے غارت کر دیئے۔ روپیہ ڈیڑھ کا مسالہ کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا وہ تو خدا کو رسوا کرنا تھا کہ گھر پر پایا۔ نہیں گوٹے والا۔ لڑکی نے ادھیڑی پاجامے پر سے چھپا۔ ماما گئی لیکر اوپر سے آ رہی تھے شہر سے بیوی ہے اگر پوچھتے ہیں تو اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔ ماما نے ملا کر چبا لگی ادھر اُدھر کی باتیں بنانے۔ خالہ کو آیا غصہ جوتی لیکر کھڑی ہو گئیں۔ پہلے تو بہت دڑ بڑائی مگر چارہ ہی کیا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر سارا حال کہدیا۔ اچھے بی خالہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے اگر دیکھیں تو چوتھی کا جوڑا سکار چوبکی کا بیند زرہ بسینہ کا پہنا اور بیچ کی بلیں جا تب کونوں کے ترنج مار دیے تیرہ چھبیس بیٹیں مگر ہوتا کیا تھا۔ بھوتنی زبان کی چھوری سب ہی کچھ کرا ڈالا مگر بھلا چھپن کی عادتیں یوں جاتی تھیں۔ دس دس بارہ بارہ قلفیاں ایک سانس میں چٹ کر جاتی۔ ہار چھاب مار میکے پچھوا دیا۔ اب یکہ لوٹتے جوتی بیٹھے لات کیا اور ہو گئی ہے۔ انکا کیا بگڑتا تھا ایک دفعہ بیچ پٹ کر خبر نہ لی کہ ہو گئی یا گھر کا کوڑا۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی میں یہ لچھن ہوں پھر تو آج دیکھکر اوسان جاتے رہے۔ میں تو کہتی ہوں ایسی لڑکی شاید شہر بھر میں ہو گی نہیں۔

(۲۱)

بیٹیوں کے کام یہ ہیں صبح اُٹھکر وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ قرآن پڑھا۔ ماما میسر ہوئی تو اس سے نہیں تو آپ بچھونے تہ کئے۔ اندر کوٹھری میں بیجا کر رکھے۔ چارپائیاں اُٹھا کر کونے میں

کھڑی کیں۔ رات کی پھیلی ہوئی چیزیں سمیٹ کر قرینے سے رکھیں۔ جھاڑو دی یا دلوائی۔ صحن میں پتھر کا فرش ہے تو آپ کھڑے ہو کر دھلوایا۔ دالان کمرے میں جھاڑو بہارو مل چکی تو دری چاندنی قالین جو بچھا ہے اس کا ٹھیک ٹھاک کیا اگر جھاڑو دی تو ایسی کہ جھاڑو معلوم ہوئی نہیں کہ نیچے مار دئیے۔ پھوہڑ کی جھاڑو و بگھر نکالیا۔ جس چیز کے واسطے جو جگہ مقرر ہے وہ اسی جگہ رکھدی۔ تاکہ ڈھونڈھنے میں دقت نہ ہو۔ غرض بیٹی کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ گھر چندن بنجائے کیا اندر کا بچھونا اور کیا باہر کی انگنائی ایسی صاف ستھری ہو کہ ایک سوئی بھی گر پڑے تو الگ دکھائی دے۔ جن چیزوں کو دالان اور کمرے کی واسطے نہیں ہے وہ ہرگز وہاں آنے پائیں میز کرسی صندوقچے اور الماریاں دونو وقت جھاڑن سے جھاڑ دینی چاہئیں بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی چیز ٹیڑھی پڑ گئی ہے تو بلا سے کچھ پرواہ نہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیا میں بعض مزاج ایسے بھی ہیں کہ بچھونے میں سلوٹ بھی پڑ گئی ہیں تو جی الٹنے لگتا ہے اگر انکو کوئی چیز ٹیڑھی ترچھی دکھائی دے جائے تو بہت تکلیف ہوتی ہے اس لئے اگر دیواروں پر تصویریں نقشے یا قطعے وغیرہ ہوں تو ان کو روزمرہ جھاڑنے پونچھنے کے علاوہ یہ بھی احتیاط ضروری ہے کہ ذرہ بھر کجی نہ ہو۔ کپڑے لٹکانے کے واسطے اول تو کھونٹیاں اور نہیں تو خیر الگنی نہایت مناسب ہے۔ کپڑے ہمیشہ اسی پر لٹکانے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ اجلی براق اوڑھنی جہاں جی چاہا اتار پھینکی اور چار دن میں میلی چکٹ ہو گئی ایک اجلا صاف شفاف تولیہ ایک طرف ضرور لٹکا ہونا چاہیئے تاکہ ضرورت کے وقت ہاتھ منہ پونچھنے میں تکلیف نہ ہو۔ تولئے کے سوا کسی اور کپڑے اوڑھنی کے آنچل یا کرتے کے دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بڑی بدتمیزی کی بات ہے۔ دیوار پر کسی قسم کا داغ دھبہ کوئلے کی لکیریں پان کی پیک وغیرہ نہایت پھوہڑ پن ہے۔ پان کھانے والے کو لازم ہے کہ کم سے کم ایک اگالدان اگر میز کرسی ہو تو میز کے قریب ورنہ گاؤ تکیے کے پاس ایک کونے میں ضرور رکھدے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی چیز جس کی ضرورت نہ ہو کمرے یا دالان میں نہ آنے

چاہیئے۔ کوٹھری کے آگے پلنگ بچھانا بھی تکلیف دہ ہے۔ اگر مجبوری ہو تو یہ مناسب ہوگا کہ رات کو بچھا لیا جائے مگر صبح کو اٹھا دینا چاہیئے کیونکہ کوٹھری میں جانے کے واسطے بار بار پلنگ پر چڑھنا تکلیف کے علاوہ پلنگ کو بھی جھولا کر دیگا۔ ایک لڑکی کا ذکر سنا کہ صبح ہی اٹھکر منہ ہاتھ دھو اچھے اچھے کپڑے پہن ماں سے پوچھتی اماں میں کیسی معلوم ہوتی ہوں ماں ہنستی اور کہتی بہت ہی بری۔ ایک دن لڑکی نے اپنا تکلف چھوڑ گھر بھر میں جھاڑو دی اور سب چیزوں کا ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر اسی طرح خاک میں بھری بھرائی میلے کچیلے کپڑے ماں سے کہنے لگی اچھا اب کیسی معلوم ہوتی ہوں۔ ماں نے کہا بہت اچھی۔ وہ شخص جتنی ہوگی گھر کی بیوی کتنے ہی گھر گتوں جوگا۔ بیٹی سیانی ہوئی تو گھر کے تمام کام کاج کی وہ ذمہ دار ہے۔ اگر کسی گھر کی حالت خراب دیکھو اور یہ بھی دیکھو کہ وہاں ہوشیار لڑکی موجود ہے تو یقین کرو بہت ہی بدسلیقہ اور بے ڈھنگی ہے۔ بعض لڑکیوں میں یہ عیب دیکھا گیا ہے پان کھایا یا نہ کھایا تھوکنے کی ضرورت ہوئی۔ فرش پر بیٹھی ہیں دری کا کونہ اٹھایا تھوک دیا۔ ناک سنکی دیوار سے پونچھ دی۔ اس سے زیادہ بدتمیزی اور کیا ہوگی۔ لڑکیوں کو ہر وقت ایک رومال اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ مرزاپور میں ایک صاحبزادی کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بہت سی بیویاں محفل میں بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں اور اس کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا۔ دانت کرید کرید کر دیکھتی جاتی تھی۔ کسی کے سامنے خلال کرنا خاصی اچھی نالائقی ہے۔ بہت سے آدمیوں کو گھن آتی ہے۔ گو لحاظ کی وجہ سے کچھ نہ کہیں مگر دل میں تو ضرور بدتمیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لڑکی میں ایک دوسری صفت دیکھی۔ پہلے تو یہ کیفیت کہ تنکا مسوڑوں میں ڈال کر نکالتی اور دیکھتی۔ دیواروں سے پونچھتی ہونٹوں سے چوستی۔ کبھی میز پوش سے رگڑ دیا۔ کبھی دری میں مل دیا۔ دوسری تعریف یہ کہ ہم سب تو باتیں کر رہے تھے اور اس کو جو خلل ہنسی سوجھی تو ایک یکسی کی صورت دیکھ رہی ہے اور لوٹے جا رہی ہے اس کا اس بیہودگی سے ہنسنا بہت ہی ناگوار معلوم ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک بیوی جانگلی تھیں وہ بیچاری تو بس ہی

سمجھیں کہ مجھ پر غضب ہی ہے۔ بہتیرا منع کیا سمجھایا۔ مگر کا گہاں کی ہنسی ہی بند نہ ہوئی۔ کسی محفل میں اگر شریک ہونے کا اتفاق ہو یا اجنبی آدمیوں سے ملو تو بلا وجہ ہنسنا اور قہقہے لگانا بہت ہی بُری بات ہے

ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ گھر ایسا بنا سنورا۔ دیواریں ایسی صاف ستھری چاہئیں کہ دیکھنے والے کا دل خوش ہو جائے۔ یاد رکھو کہ تاڑنے والی عورتیں ایک نگاہ میں بھانپ لیتی ہیں۔ گھر کی حالت دیکھکر گھر والی کے سلیقہ کا پتہ لگانا کچھ بڑی بات نہیں۔ اپنی تو میں کہتی ہوں مجھکو لیجا کر اپنے گھر میں چھوڑ دو جہاں کبھی نہ گئی ہوں ایک نظر ڈالکر گھر والی کا سارا رنگ ڈھنگ نہ بتا دوں تو سہی۔ موٹی سی بات ہے۔ جس کے مزاج میں آپ ہی ستھرائی نہ ہوگی وہ گھر کیا بنائیگا بیوی جب کوار پتہ ہی میں ڈھنگ نہ آیا تو سسرال میں جا کر کیا خاک کرےگا غریبی ہو یا امیری کوئی سینکڑوں ہزاروں کا کام نہیں۔ گھر کا ایک دالان یا کمرہ ٹھیک کر کے انتظام کر لینا کچھ بڑی بات نہیں کہ نیچے اوپر نہ جا سکیں اتنا ہو جانے کے بعد انگنائی سب سے پہلے غور کرنے کے قابل ہے کہ کوڑا کرکٹ چھلکے دونے کوئی چیز نہ ہونی چاہئیے نہ یہ کہ دن بھر پلنگ چارپائیاں دھوپ میں پڑی ہیں۔ بعض جگہ دیکھا ہے کہ جھاڑو دے کر کوڑے کا ڈھیر کسی کونے میں لگا دیا۔ مناسب ہے کہ دروازے کے باہر ڈالدو یا حلالخوری سے آتے ہی اُٹھوا دو۔ اگر باہر پھنکواؤ تو ذرا فاصلہ پر ہو نہ کہ دروازہ پر ڈلاؤ لگا ہوا ہے۔ اندر گھر کے رہنے والوں کو معلوم نہیں ہوتا مگر باہر کے آنے جانے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے یہ بھی دیکھا ہے کہ دن بھر پڑوائے انگنائی میں پڑے رہے۔ اگر رات کو پلنگ یا چارپائیوں کے نیچے پڑوائے لگنے کی ضرورت ہو تو صبح ہی اُن کو اُٹھا لینا چاہئیے۔ ایک جگہ کا ذکر کرتے ہوئے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سیپارے کے ورق سارے گھر میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ بیکہ نہ رحل لوگ اوپر چڑھے بیٹھے ہیں اور سیپارہ نیچے پٹخا پڑا ہے غضب خدا کا مسلمانوں کا گھر اور کلام اللہ کی یہ عزت۔ جس چیز پر ایمان کا دارومدار وہ پاؤں میں رُلتی پھر رہی ہے۔ دیوار یا کنوئیں میں ڈالدو۔ مو کہو ایں کہو۔ خالہ جی کے یہاں کا ذکر ہے

پیا بیٹی تھی اور ماما محمد کا ورق جھاڑو میں نکلی۔ گھر میں ماشاءاللہ اتنی لڑکیاں بالیاں اور بڑی بوڑھیاں مگر پھوٹیں اُن کی آنکھیں جو کسی نے بھی دیکھا ہو میں نے ٹوکا تو جانے کہ بی خالہ سب کے سامنے کو چپہ جھاڑ رہے لگیں آنکھوں پر رکھیں۔ تو بہ پرواہ بھی نہ کی ماما سے اتنا کہہ دیا کہ دیوار میں لگا دو لے۔ تم اپنی تو ان کے آگے کہتی ہوں اسی دن میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے۔ نہ دین نہ دُنیا ان کے پاس ہی بھرتی دیکھی۔ آخر خدا کے کلام کا ایسا صبر پڑا کہ وہی بھرا ہوا گھر جس میں بڑے اور چھوٹے بچے اور بچے آدھی رات تک چڑیاں سی چہکتی رہتی تھیں ایک چھ مہینے میں کیسا تباہ ہوا کہ اکیلی ٹڑ بُن ٹوں مٹی کھیاں مار رہی ہیں خدا لاٹھی لیکر تو مارتا نہیں کیسی برباد ہوئیں کہ تنکا تک نہ رہا۔ مال اور جان سب ہی کچھ کھو بیٹھیں۔

ایک اور عیب میں نے لڑکیوں میں دیکھا جو ظاہر میں تو کچھ ایسا بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر غور سے دیکھو تو بہت ہی تکلیف دینے والا ہے ضرورت کے وقت چیز جہاں سے اُٹھالی اپنا کام کر کا جہاں جی چاہا پھینک دی۔ ایک دفعہ تو مجھی پر یہ مصیبت گزر چکی ہے۔ برسات کے دنوں میں چراغ جلا کر میں نے اپنے ہاتھ سے دیا سلائی کا بکس دیوار گیری پر رکھ دیا عشا کے بعد مولوی صاحب کھانا کھانے آئے۔ میں ملیم کو سلا رہی تھی۔ خدیجہ کھانا دینے اُٹھی چاولوں کو دیکھتی ہے تو ٹھنڈے برف۔ چولہے کو دیکھتی ہے تو آگ نہ بھاپ بکس لالا کر آگ سلگائی اور اس جلدی میں بکس وہیں پھینک بیچاری بھول گئی۔ پیچھے پہرے میں نہ آیا۔ بستر اسر ڈھا بکس ہی تو ٹے۔ کونہ کونہ دیکھ ڈالا مگر بکس نملنا تھا اور نہ ملا۔ اندھیر اگھپ جو چیز نہ کہاتی دل انتہا تھا میں کیڑے پتنگے کا کھٹکا۔ سانپ بچھو کا ڈر اوپر سے دہڑ تال سینہ ماچہ کا ہچہ نواسے پلنگ اُٹھا کر جا رہی تھی بیچ میں تھا کہ پنجہ ٹھوکر جو لگی تو میں نیچے اور پلنگ اوپر رات تو خیر اس اندھیرے ہی میں جوں توں گزر گئی۔ صبح اُٹھکر دیکھتی ہوں تو نیا چلن کا تھا ان شام ہی کا آیا ہوا گیلا چوڑا رکھا ہے۔ ایک بی خدیجہ کی اتنی سی بے پروائی سے

کر جس جہاں سے اُٹھایا تھا وہاں نہ رکھا۔ بےتکلیف کی تکلیف ہوئی نقصان کا نقصان۔ جی جلا
سو جدا! ایمان پوچھو تو سب کچھ ہے اتنا قصور میرا بھی ضرور ہے کہ سر پہ برابر گھٹا چھائی ہوئی ہے اور سب
چیزیں چھوڑ چھاڑ پڑ کر ڈھیر ہو گئی۔ بیٹی تو اس دن سے گرہ باندھ لی چاہے اپنی چیز ہو یا
پرائی جہاں سے اُٹھانا وہیں رکھنا۔ اور ہر چیز کے واسطے ایک جگہ مقرر کر لی کہ پھر کبھی
ایسی دقت نہ ہو۔

اوڑھنا بچھونا جھاڑو بہارو چیز بستان چیزوں سے فرصت پا کر اب غسل خانے
باورچی خانہ کا خیال کرو۔ غسل خانے میں سب سے پہلی بات تو پانی کی احتیاط ہے کہ باہر
جانے کا راستہ صاف ہو موری اٹی ہوئی نہ ہو۔ دانت صاف کرنے کے واسطے منجن
منہ دھونے کے لئے صابن یا کبھی اجلا تولیہ ثابت لنگی۔ ٹھنڈا پانی ایک قلعی دار لوٹا ہر وقت
موجود رہنا چاہیئے نہانے کے واسطے گرم پانی بہت مفید ہے مگر ٹھنڈا پانی سمونے کے واسطے
طیار رہنا چاہیئے۔ یہ وقت تو نہ ہوگی کہ کپڑے اتارے اب یا بیٹھے ماما کا انتظار کر رہی یا آپ جا کر
پانی لاؤ نہا چکنے کے بعد فوراً صاف تولیہ یا اور کسی کپڑے سے بدن پونچھ لینا چاہیئے طرح طرح
کا تیل ڈالنے سے آج دھوتی ملی۔ کل چنبیلی۔ پرسوں انگریزی سر چکٹ جاتا ہے۔ جاڑوں میں چنبیلی کا
تیل ڈالکر دھوپ میں بیٹھنے سے فوراً سر چکٹتا ہے۔ اگر عادت نہ ہو تو صابن سے دھونے سے بھی
نہانے ہی تیل ڈالکر سر گوندہ دینے سے بھی سر چکنا ہے چکٹے ہوئے سر کو ریٹھے بہت مفید ہیں
آنبے اور گوندے سے بھی نکھر جاتا ہے۔ بال بڑھانے کے واسطے یہ نسخہ اکسیر ہے۔ رات کو ماش
کی دال دھو کر بھگو دو اور صبح تھوڑے سے بیری کے پتے ڈالکر پیس لو اور سر دھو لو۔ چالیس دن
اس طرح کر کے دیکھو بال کہاں سے کہاں پہنچتے ہیں۔ یہ جو آکاس بیل ہوتی ہے زرد زرد
درختوں پر پڑی ہوئی اس سے سر دھونا بھی بالوں کو بہت بڑھاتا ہے۔ بالوں کا ذکر آ گیا تو ایک بات
اور کہنی پڑی۔ میں نے اپنے ہی شہر اور اپنے ہی محلہ بلکہ یوں سمجھو اپنے ہی گھروں میں دیکھا ہے
کہ بعض لڑکیاں دن بھر بکری کی طرح پان چباتی ہیں اور دانت سرخ سرخ ہو جاتے
ہیں۔ بات کرنے میں ہنسنے میں بولتے میں کھانے میں وہ لال لال دانت بالکل ہی زہر معلوم ہوتے
ہیں۔ کیسی بدتمیزی کی بات ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ پھر طرہ یہ کہ پان کا شوق تو اتنا اور
دانت نہ مانجھیں دونوں برابر بیٹھ کر بات کریں تو منہ سے وہ بو آئے کہ الٰہی تیری پناہ۔ چاہئے یہ کہ
چاہے پان کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ مگر صبح اٹھ کر جہاں منہ ہاتھ دھوؤ۔ وہاں دانت بھی مانجھو۔ یہ بھی کوئی
منہ دھونے میں منہ دھونا ہوا کہ دو چھینٹے مارے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لو صاحب منہ دھل گیا۔ منجن اگر
انگریزی بنا بنایا موجود ہو تو خیر ورنہ خود طیار کر لینا چاہیئے۔ یہ جو سالن میں گودے کی ہڈی
ہوتی ہے اس میں کالی مرچیں بھر کر جلا لو۔ جل جائے تو الگ رکھ لو۔ اب ایک نیم کی ٹہنی لے کر
اس کی پتیاں نوچ کر پھینک دو اور اس لکڑی کو آگ میں جلا کر کوئلہ کر لو ان کوئلوں کو اس
جلی ہوئی ہڈی کے ساتھ ملا کر پیس لو منجن ہو گیا۔ دانت ایسے صاف ہوں جیسے چینی۔ بلکہ منہ کی
سے تمام بادی بھی چھٹ جائے گی۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ جو کوئلہ ہاتھ آ گیا اس سے دانت مانجھ
لئے۔ بعض دفعہ ایسا کوئلہ ہوتا ہے کہ مسوڑوں میں درد ہو جاتا ہے۔ جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

یہ باورچی خانہ دیکھ کر تو بوا اللہ جانے میرے ہوش اڑے جاتے ہیں باورچی خانہ ہے یا
چنڈو خانہ۔ ایک دفعہ ماموں جان کے کوٹھے پر سے دیکھا تھا۔ عین میں ہی نقشہ معلوم ہو رہا ہے
چاروں طرف چیزیں تتر بتر پھیلی ہوئی ہیں۔ برتن بھانڈا اوندھا پڑا۔ کھچی چولہا سب ہی چیزیں تو
بنسی ہوئی ہیں اور توا اور کلاہ بک ور کھانچوں کو بھی یہی جگہ رہ گئی تھی۔ ذرا دیکھو تو سہی تیلیاں
بجلی طشتریاں ٹوٹی کونڈے میں ویڈار توے میں جھید ہماری سمجھ میں تو کچھ بھید آتا نہیں
بیٹی یہ صراحی میں پنے کی دال؟ یوں کہو سب چیزوں کی پال ڈال کبھی ہے پیندی کی گڑیا
بے ڈنٹی کا لوٹا بے گلے کی پتیلی۔ اللہ رکھے سب ہی کچھ موجود ہے۔ یہ چولہے کن قرنوں کے ہیں
لپے نہ پتے ٹوٹے ٹھیک بٹھیارے کا تندور بھی اچھا ہوگا۔ زینب بیچاری اگر سچ پوچھو
تو ٹکے کی مزدور ہے۔ صدیاں کرنی اور پیٹ بھرنا۔ اُلٹے نہیں تلتے نہیں آگئی
تو روزی نہیں تو روزہ۔ کل صبح کو میں جا نکلی بیٹھی روٹی پکا رہی تھی ڈھنگ

یہ چولھا لیپا پوتا، قرینے کے برتن۔ دہلے دہلائے یہ اندھیر تھوڑی ہے۔ عزت والوں کا گھر، روپے
کی جگہ روپیہ، پیسہ کی جگہ پیسہ اور یہ گت کہ دیکھی نہ سنی۔ کڑاہی میں اُپلے، کڑچھے میں کرسیاں، بے
ڈھنگی کی حد، بے تمیزی کی انتہا۔ ماما آزاد، بیوی برباد۔ روک نہ ٹوک، کہنا نہ سننا، چلو چھٹی ہوئی
ماما ہے کچھ، بیوی نہ کچھ۔ بڑی بی بیچاری اس قابل نہیں، کہے کس کی جوتی سے کس کا منہ۔ خدا شاہد
اتنی آمدنی، اور غضب خدا کا مٹی کی بدھنی۔ ٹین کا تام لیٹ بیٹھی، عورت کی عزت اس کا
سلیقہ ہے، ہنر نہیں تو لاکھ کا گھر خاک، لمحہ بھر کا کام ہے۔ ماما نہیں تو آپ ہی دو ایک ہاتھ چولھے
پر پھیر لو۔ یہ پھنکار تو نہ رہیگی۔ کوئی بڑی بات نہیں کھانے سے فراغت پائی اور اپنے سامنے
سارے برتن دھلوا منجھوا چوکی پر یا کوٹھڑی میں کانس پر یا ٹوکری میں قرینے سے رکھوا دیئے۔
بس اتنا کام ہے تو سگھڑاپا ہو گیا۔ برتن کے برتن ٹھیک ہو گئے، کام کا کام بن گیا۔ ہفتہ میں ایک
دفعہ قلعی کروالی۔ اجلے کے اجلے صاف کے صاف۔ اُپلے یا لکڑیاں اندازہ سے ضرورت
کے موافق نکالیں۔ جو بچی وہ رکھ دیں۔ باورچی خانہ نعمت خانہ ہے ایندھن خانہ نہیں۔ کڑاہی
کفچا، پھکنی، دست پناہ، کام ہو چکا کونے میں رکھ دیا۔ پھر دیکھو کیسا صاف باورچی خانہ ہوتا ہے
جہاں جھاڑو دی اور چندن ہوا۔ ہاں اتنی احتیاط ضرور چاہیئے کہ کیچڑ نہ ہو دیں، دھوون وغیرہ
جتنا پانی ہے موری پر ڈالو۔ باورچی خانہ کے آگے ڈالنا بہت ہی بدتمیزی ہے۔ جونا یعنی برتن
صاف کرنے کے واسطے رسی کا ٹکڑا روز تبدیل کر لینا چاہیئے۔ اگر ممکن ہو تو مہینے دوسرے
مہینے باورچی خانہ میں سفیدی کروا دینی بہت اچھی ہے۔ برتنوں کی قلعی میں بے پروائی کرنے
سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ کسیاؤ سے کھانا بالکل خراب ہو جاتا ہے۔ نقصان کا نقصان ذلت
کی ذلت۔ عقلمند لڑکیاں برسات کے آنے سے پہلے ایندھن بھر وا لیتی ہیں تاکہ گیلی لکڑیاں
اور سیلے اپلوں کی پھوں پھوں سے بچیں۔ ہے ایک اور پھوہڑپن تو میں نے قریب قریب
سب ہی لڑکیوں میں دیکھا ہے کہ کپڑا رنگنے اٹھیں اور جس برتن میں چاہا رنگ لیا۔ اگر وقت تو
کام نکل جاتا ہے مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھو لینے سے برتن صاف ہو گیا۔ لیکن اسکا نقص موجود

رہا جو چیز اس میں بھی وہ کڑوی، جو نکالی وہ خراب اور بدبو۔ ضرورت کے وقت روغن داغ
پا کر چھانا ملا۔ کٹورا طشتری جو چیز سامنے آئی لے لی اور آگ پر رکھ دی۔ چاندی کا میلا ہونا
برتن گھڑی بھر میں کالا سیاہ ہو گیا۔ مجھے چاہے منحوس کہو یا شوم سمجھو تو یہی برا معلوم ہوتا ہے کہ آگ
دھڑ دھڑ جل رہی ہے اور چولہے پر کچھ نہیں۔ ایک تو جیسا لوں ہی غارت ہوا۔ کچھ نہ ہو تو پانی
کی گگری یا ہی رکھ دو۔ گرم پانی کسی نہ کسی کام آ ہی جائیگا۔ ایک بات میں کہنی بھول گئی ماما ئیں
برتن منجھنے میں بڑی بے پروائی کرتی ہیں۔ بیٹیوں کو چاہیئے کہ آپ اچھی طرح دیکھ بھال لیا
کریں۔ تیلی کا پیندا اگر اچھا نہ دھلا ہو تو سالن کی لا ہو جائیگا۔ اگرچہ دیکھا تو نہیں مگر سنا ہے
کہ بعضی لڑکیاں ایسی منحوس ہوتی ہیں کہ جلتے چولہے میں سے آگ دینی بہت ہی بری معلوم
ہوتی ہے۔ ایسی کمبختوں کو کیا کہوں اس سے زیادہ نالائقی اور کیا ہو سکتی ہے جن کو مذہب
یہ حکم دے کہ حاجتمندوں کو ہر طرح سے مدد دو اور اُن کے وقت پر کام آؤ۔ اُن کا یہ
سلوک کیسے افسوس کی بات اور شرم کی جگہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے ایک چھوڑ دو دو ماما ئیں
موجود ہیں مگر یقین کرنا کہ چاہے کھانے کو دیر ہو جائے۔ جب تک باورچی خانہ صاف ستھرا
نہ ہو میں تو ایسے وقت تک پکانا نہ دینا گناہ سمجھتی ہوں۔ کچھ دلی ہی پر موقوف نہیں میں نے
تو سب ہی جگہ دیکھا ہے کہ جہاں کوئی غیر عورت آئی کنواری بیٹی اٹھی اور چھپ گئی۔ گھر میں
ایک بات پوچھتی ہوں شکل صورت کے سوا باقی تمام عادتیں، ہنر، سلیقہ، ڈھنگ، انتظام
تو گھر کی صورت دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے۔ مزاج تو معلوم ہو ہی گیا صورت نہ دیکھی تو نہ سہی۔ یہ
سب جانتے ہیں کہ ماؤں کو چھوٹے بچوں ہی کی خدمت سے اتنی فرصت نہیں کہ وہ گھر کے
کاموں کو دیکھیں۔ جب سیانی لڑکی موجود ہے تو بھلائی برائی سب کی ذمہ دار وہ ہے
بیویو، تم کہو گی تو سہی کہ یہ ستانی اچھی کمبخت آئی کہ کان کے کیڑے ہی کھائے گر کیا
کروں منہ برائی رکتی نہیں اب شروع کیا ہے تو پھر کیوں چھوڑوں۔ باورچی خانہ کا حال سن لیا
اب پانی جو زندگی قائم رکھنے کے واسطے ایک ضروری چیز ہے۔ اس کی کیفیت بھی سنو

اگر اس کی طرف اچھی طرح توجہ نہ ہوئی تو تندرستی کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی میں
کیڑے پڑ جاتے ہیں جو پینے میں تو خیر گھناؤنے ہی معلوم ہوتے ہیں مگر پیٹ میں پہنچکر طرح طرح
کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں دیکھو نہ۔ گھڑونچی ٹوٹی مٹکے میلے چپنیاں ندارد۔ اس پانی سے
اول تو پینے والے ہی کی طبیعت کو کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے مٹکا کھلا رہنے سے
کیڑے مکوڑے مچھر پتنگے جا پڑتے ہیں، رات کے وقت اگر پانی پینے والا بھی ایسا ہی سا
ہوا تو سب پیٹ کے اندر۔ سب سے بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ گھر کا پانی ایسی حالت میں ہو
کہ آنے جانے والے کا جی پینے کو نہ چاہے۔ بکھیڑے، لگن، گھڑونچی کچھ زیادہ قیمتی چیزیں
نہیں برس میں دو دفعہ بھی بدل لو یا صاف کر لو تو ایسا خرچ نہ ایسی محنت۔ مٹکے بدلنے کو اگر جیب
پیسے بھی میسر نہ ہوں تو دو پیسے کا گیرو پھیر لینے سے مٹکوں کی صورت ہی کچھ اور نکل آتی ہے
چپنیاں کاٹ کی نہیں تو مٹی ہی کی سہی پانی تو ڈھکا رہیگا۔ بہت سی بیماریاں صرف پانی
کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر احتیاط کی جائے اور پانی روزمرہ چھان کر صاف کیا جائے
تو تندرستی کو بہت مفید ہے۔ پانی صاف کرنے کی یوں تو بہت سی ترکیبیں ہیں مگر سب سے
اچھی تدبیر یہ ہے کہ تین گھڑے لیکر دو کے پیندوں میں چھید کر لو اور پہلے دوسرے یعنی چھید والے
گھڑوں میں اجلے صاف شفاف کپڑے کی بتی لگا لو اور ان ہی دو میں تھوڑا تھوڑا سا دریا کا ریت
ڈال دو اور پہلے گھڑے میں پانی بھر کر تینوں گھڑے اوپر نیچے اس طرح رکھو کہ پانی ٹپک ٹپک
کر گرتا جائے۔ اس ترکیب سے رس رس کر پانی تیسرے گھڑے میں صاف بھی ہوگا اور ٹھنڈا بھی
ہوگا۔ بعض لڑکیوں کو پانی کا بہت دھیان ہوتا ہے۔ جہاں سقے کے آنے کا وقت ہوا اور
انہوں نے باسی پانی چھان کر الگ کیا اور مٹکے خالی کر دیئے تاکہ تازہ باسی ایک نہ
ہو جائے۔ جس کو تازہ پینا ہو تازہ پیا۔ باسی پینا ہو باسی پیا۔ اگر پانی کی احتیاط
نہ ہو اور کوئی ملاپی آ نکلا اور اس نے باسی پانی مانگا تو اللہ کا نام تازہ حوالے
کیا۔ اس نے منہ میں لیتے ہی کلی کر دی۔ اگر غیرت ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرے

کہ گھر میں پانی بھی ڈھنگ کا نہیں۔ پانی پلانے میں بڑی ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ
اندھے بنے سے آگے لا کھڑے ہو گئے۔ پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ کچھ پڑا تو نہیں ہے۔ خاصکر
رات کے وقت ضرور روشنی میں دیکھکر پلانا چاہیئے۔ مٹکوں کے انتظام میں
اتنی احتیاط اور ضرور ہے کہ بچوں کا مٹکا اُن کے پانی پینے کا برتن الگ ہو۔ کیونکہ وہ دن بھر
مٹی کیچڑ میں کھیلتے پھرتے ہیں اُنکے ہاتوں کا اعتبار نہیں ہوتا اور جسطرح تمکو اوروں کے ہاں جاکر
بچوں کے ہاتھ لگانے پر پانی سے کراہیت ہوتی ہے اسی طرح دوسروں کو تمہارے ہاں
دیکھکر ہوگی۔ کٹورا، آبخورا، ڈونگا سب برتن قلعی دار رہنے چاہئیں۔ کم سے کم دو برتن ایک
بھرنے کا ایک پینے کا ہر وقت مٹکے پر ضرور ہوں۔ بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی برتن
غڑپ غوٹ ڈالا اور اسی سے پانی پی لیا۔ صراحی یا گھڑے کے منہ پر اجلا سفید جھین کپڑا باندھنا
بہت اچھا ہے۔ پانی چھن چھن کر نکلتا ہے۔ گرمی میں باسی پانی ہر گھر میں ہر وقت موجود
رہنا چاہیئے۔ مٹکوں کے پاس کیچڑ کا ہونا بھی بدتمیزی ہے۔ ایک علحدہ برتن گھڑونچی
کے پاس اس غرض سے رکھنا لازم ہے کہ بچا ہوا پانی اس میں ڈالتے جائیں اور دونو وقت وہ پانی
موری پر پھینکدیا جائے۔ پانی کے پاس کیچڑ کا ہونا جان بوجھکر بیماری پیدا کرنا ہے۔

بیٹی تمکو میری باتیں تو تم کو زہر لگ رہی ہونگی۔ اور دل میں یہ کہہ رہی ہوگی کہ چلے
تو استانی نمراد کا منہ نوچ لوں کہ گھر چڑھ کر لڑنے آئی اور ڈولی چڑھ کر باتیں بنا گئی۔ مگر بیٹی
یہ تو سوچو مجھے کے رکھت کا فائدہ۔ گھر بگڑا تو تمہارا نقصان ہوا تو تمہارا انکو نہیں تو
تم بدنام ہوئیں تو تم۔ میں بیچاری نہ لینے نہ دینے میں۔ جلتی جلاتی پھرتی پھراتی آئی گرگیا
بیٹھ گئی رہی جلا اغر کیا چلی۔ مانو نہ مانو تمہیں تم جانو تمہارا کام کیا کروں۔ نواب صاحب کے ہاں
جانا ہے نہیں تو کہتی اور پیٹ بھر کر کہتی۔ بگڑو گی تو بگڑا کرو۔ ایک تعریف تمہاری اور بھی
سنی ہے۔ سچ ہو یا جھوٹ مگر اب تو لپ گئی۔ کیوں ایسے کو تنگ کئے جو کسی نے کہا
جھوٹ ہے۔ کیوں ہونے لگا۔ سب گھن پوری کوئی نہ کھولنڈوری ماشاء اللہ قد وضع پڑا لیکن رہی جھ

بات تو جب ہی ہو کہ کوئی کسر نہ رہ جائے۔ خدا نہ کرے کہ کسی لڑکی کو یہ لپکا پڑے، نہ یہ عادت
چھٹنے والی نہ گھر پنپنے والا۔ بڑی بوڑھیوں سے سنا کرتے تھے بھیک مانگنا اچھا اور قرض لینا برا
اب جو دیکھا تو سچ ہی لینا ہی ٹھہرا تو قرض کے نام سے کیوں لو جو دینے کا فکر ہو۔ بھیک ہی
نہ مانگ لو جو تقاضے کا کھٹکا بھی جائے۔ یاد رکھو سمجھدار آدمی اول تو قرض ہی نہیں دیتے
اور اگر ایسی ہی مجبوری آ پڑتی ہے تو یہ سمجھ کر دیتے ہیں کہ وصول ہو چکا۔ بیٹی ذرا انصاف کرو۔ جب دینے
والے نے یہ سمجھ کر دیا تو بھیک نہ ہوئی تو کیا ہوئی۔ عقل سے کام لو۔ ایسی بے غیرتی بھی کس کام کی
جیسے دو ہاتھ پاؤں تمہارے ایسے دو اس کے۔ اس غریب نے کسی نہ کسی طرح محنت
مشقت سے کمایا۔ جتا کفا سے بچایا اور ہم لینے کو تیار۔ اس کی تو گاڑھے پسینے کی
کمائی اور ہم نے مفت اڑائی۔ وہ کہ بجریں بی فاختہ اور کوے میوے کھائیں۔ ہم کو قرض
مانگنے کا کیا حق حاصل ہے۔ جس طرح کسی امیر کے ساتھ نالائق مصاحب لگ جاتے ہیں کہ
دھوکا دے کر اپنا پیٹ بھریں۔ جس طرح کسی رئیس کے پیچھے شہدے چمٹ جائیں کہ چند ہی روز
میں ریاست کو خاک میں ملا دیں۔ جس طرح پشمینے کپڑے کو کیڑا لکڑی کو گھن کڑیوں کو دیمک
لگ جائے۔ اسی طرح آدمی کو قرض لگ جاتا ہے۔ لاکھوں کی آمدنی کیوں نہ ہو مگر قرض
کے پیچھے سب خاک ہے۔ بڑوں کی مثل ہے بیٹیوں الا گھر اور جلیوں الا چولہا کبھی پنپتا نہیں۔
میلا بھی ہو سا قرض والی آمدنی بھی تو کبھی نہیں ہے نہ پنپے گی۔ بھیک مانگ لے فاقہ کرلے
مگر قرض نہ لے جس نے قرض لیا تو سمجھ جانا بس دنیا بھر کی مصیبتیں اس پر آگئیں۔ غیرت
حمیت عزت حرمت سب گئی گزری ہوگی لین دار ہزاروں باتیں سنا رہا ہے اور کان
دبائے سن رہے ہیں۔ نواب مظفر کی سگی بھانجی نوشابہ کا حال سنا ہے۔ اسی قرض کے ہاتھوں وہ
مٹی پلید ہوئی کہ خدا دشمن کی نہ کرے۔ سرکار کی بھتیجی۔ اتنے بڑے باپ کی بیٹی۔ چھ سات گاؤں
کی تعلقہ دار۔ مگر قرض کا مرض ایسا لگا کہ بالکل ہی ملیا میٹ کر دیا۔ ریاست امیری سب گئی
گزر گئی۔ بھر بھر ہولی اشرفیاں ادھر بھر بھر چنگی روپے ادھر آئے اور ادھر ختم۔ دونوں فصلوں پر بس

روپے آنے کی دیر تھی گھر میں پہنچا اور اندر باہر تقاضہ گیر موجود۔ بی نوشابہ پلنگ پر بیٹھی ہتھیلیاں لگے
عیدوالو بیٹھے جاؤ۔ بکریدوالو بیٹھے جاؤ۔ شام تک پوری بٹ گئی۔ روپیہ کیا ریوڑیاں تھیں کہ تین چار گھنٹوں
میں ختم ہو گئیں۔ ایسی ہی کوئی بھاگوان فصل یا بہار کٹن ہوتا ہوگا کہ بٹ بٹا کر سو پچاس روپے
بچتے ہونگے۔ ورنہ ہاتھ جھاڑ کر اٹھتی تھی۔ اب اکٹھے چھ مہینے اور بی نوشابہ ایک ایک کی خوشامد
کر رہی ہیں۔ اتنی بڑی آدمی اور ٹکے ٹکے کے آدمیوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا۔ کوئی جھڑک رہا
ہے کوئی گھرک رہا ہے مگر اس اللہ کی بندی کے کان پر جوں نہیں چلتی تو سو کی بندی کے ڈنڈے پر
لکھی اس کو کہتے ہیں۔ گرہ کا دینا اور جوتیاں کھانی کیسی بے غیرتی اور کس قدر بے حسی کہ خدا بچائے
اس آمدنی کو دیکھو اور ان ڈھنگوں پر غور کرو آج نہیں چلی۔ کل ٹوٹا گیا۔ پرسوں کٹورا آگیا بطباق
پرات آیا۔ جنتری بھی تو گئی جڑا صبح سے دوپہر تک ایک ایک کی منت کی ایک ایک کی خوشامد
مل گیا تو خیر نہیں تو چیز نظر پڑی وہی بنئے کے ہاں۔ غرض یہی بلوں بلوں میں چھ مہینے گزرے
ہاتھ پھیکڑا انہ پاؤں پکڑوا ننگے کان سونے ہاتھ گہنے کے نام چاندی کا تار نہیں۔ فصل
کا وقت ہوا اور قرضخواہوں کی صورتیں دکھائی دینی شروع ہوئیں۔ آخر یہ سب گاؤں اور
جائداد گروی ہوئی۔ آمدنی تو پہلے ہی جیسی تھی ظاہر ہے سود نکلتا تو کہاں سے تھوڑے دنوں
تو خوب اللے تللے ہوئے۔ روپیہ کیا ٹھیکریاں تھیں برس کے اندر ہی پس چالیس ہزار روپیہ
ختم ہو گیا۔ ساہوکار ایک سڑا آدمی۔ برس ڈیڑھ برس تو گھنٹی ساد دی کہ گویا کچھ واسطہ ہی نہ
تھا۔ اور پھر تو دروازہ کی ٹٹی لے ڈالی۔ سود در سود دو کے چار اور چار کے آٹھ مجھے تو اچھی
طرح یاد بھی نہیں۔ سوائے ڈیوڑھے کر کرا جھٹ نالش داغ دی۔ یہاں کیا دھرا تھا۔ سینکڑوں
ہزاروں کی جائداد باپ دادا کی نشانی کوڑیوں کے مول نکل گئی۔ کبھی بڑی خالہ کے یہاں
جاؤ تو کنوئیں کے سامنے کی حویلی دیکھنا۔ یہی مکان ہے جس کے دروازے پر ہاتھی جھومتے
تھے آج پردہ بھی نہیں سب کچھ نکل گیا۔ ایک بیری والا گھر رہ گیا اب چار روپیہ کا کرایہ چاہو
اوڑھو چاہے بچھاؤ۔ کال کے دن پونے آٹھ سیر کے گیہوں چار روپے کے دن کے سالن تو آگ لگ

روکھے آٹے کے پھنکے اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھی پیٹ میں پڑ جائیں تو بہت ۔ اللہ کی
شان نظر آتی ہے جہاں یہ کچھ ریل پیل تھی اب جلانے کا تیل بھی نصیب نہیں ۔ اگلے جمعہ
کو ملنے گئی تھی ۔ نوشابہ جیسی بیگم جس کے پاس بھول کر بھی غم نہ پھٹکتا تھا ماما اصیلیں اور لونڈیاں
اور چھوکریاں قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتی تھیں اور سرکار سرکار کہتے منہ خشک ہوتا تھا
اب اس حال میں تھی کہ ٹوپی والا کھڑا اور دانے پر کہہ رہا تھا ۔ دو لو کوڑیاں کل دوپہر تک کے دو
توڑے لو ۔ اگلی ٹوپیوں میں جھومر والی بیلیں تم نے بالکل ہی ناس کر دیں ۔ وہ پانچوں پیسے
کاٹ کر سوا تین آنے نکلتے ہیں ۔ بیچتی ہو لو نہیں لیتیں نہ لو ۔ اللہ اللہ یہ وہی پشتوں کی امیرزادی
ہے جس کی دادی گھر بیٹھے آدھے رسول آباد پر حکومت کرتی تھیں اور سارے حسین آباد پر
راج تھا اسی دادی کی پوتی موئے سڑے ہوئے ٹوپی والے کے آگے ادھی ادھی پر ہاتھ پھیلاتی
ہے ۔ خدا جانتا ہے میرے تو آنسو نکل پڑے ، ننگے سر ، ننگے پاؤں ۔ کرتہ چکٹ دوپٹہ ہار پاجامہ
لیرلیریاں ۔ کواڑ کے پیچھے کھڑی پانچ پیسوں کے لئے بلک رہی تھی ۔ میں تو جا کر بھی پچھتائی ۔ مجھے کیا خبر
تھی کہ ایک پانچ ہی برس میں اس کی یہ گت ہو جائے گی ۔ میرے چلتے وقت گو وہ بات نہ رہی
تھی مگر پھر بھی یہ ہذرا تو نہ تھا ۔ کیا سے کیا ہو گیا ۔ جن ہاتھوں سے سینکڑوں ہزاروں اٹھائے
آج وہ دو دو دانوں کو محتاج ہیں ۔ بچپن سے جیتی تو عمر بھر لالوں کی لال بنی رہتی چار
کو کھلا کر کھاتی ۔ فقط اس قرض کے کارن سب کچھ خالصے لگ گیا ۔ اب کوئی دو
کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا جس کو لاکھ کا گھر خاک کرنا ہو وہ قرض کی عادت ڈالے اللہ نہ
کرے کہ کسی لڑکی میں یہ عیب پیدا ہو جب کسی لڑکی کو دیکھو قرض مانگ رہی ہے ۔ بس سمجھ لو کہ اس کی
زندگی برباد ہو گئی ۔ لو ۔ بیوی اللہ بیلی ۔ بس میں اب جاتی ہوں ۔

سنجیدہ و نسیمہ ، استانی جی ۔ تینوں گھر آئیں تو ڈولی سے اترتے ہی استانی جی نے
کہا ہو سنجیدہ ، خدا کی قسم ایک ہوں دو ہوں جس چیز کو دیکھتی تھی بے کینڈے ۔ گھر تو گھر
دیوار یا کھوں تک پر بدتمیزی برس رہی ہے ۔ تمہارے سر کی قسم میں نے تو بہت لحاظ کیا نہیں

ایسا ٹھیک بنائی کہ مزہ آجاتا ۔ کہنے میں تو میں نے اب بھی کسر نہیں کی مگر پھر بھی بہت سی
باتیں رہ گئیں ۔ اتنا میں تم سے کہے دیتی ہوں اور میری آج کی بات یاد رکھنا ۔ جا بو یہ ٹھیک ٹھاک جاگے
سو یہ ٹھیک ٹھاک جینے والی لڑکی نہیں مگر بیسٹ بکو سے ممتا کی زندگی تک میں بڑھیا کی آنکھیں بند
ہوئیں اور کوڑی کے تین ۔ لڑکی کیا مٹی کا تھوا یا آٹے کی بھاپو کسی کام ہی کی نہیں ۔ بی ننھی کی اماں
جو بہت بڑھ بڑھ کر بولی تھیں میں اتنی ہی تاریں میں انکی چوری بھی پکڑ آئی ۔ تم کو خاک بھی خبر نہیں اور
میں ایک ہی نگاہ میں تاڑ گئی سچ پوچھتی ہو تو ماما بیچاری کا کیا قصور سر پر انکس ہی نہیں تو کیا
کرے ۔ تم نے یہ بے غیرتی بھی دیکھی ۔ میں نے اتنا کچھ کہا لڑکی کے کان پر جوں بھی چلی کیسی آنکھوں
میں آنکھیں ڈال کر بیٹھی رہی کوئی اور ہوتی تو شکل نہ دکھاتی ۔ بس بوا اللہ کسی پر بُری نہ بنائے
ماں باپ بیٹی بے ڈھنگی ماماؤں کے ہاتھ میں پڑ اگر جو کچھ ہو سب ٹھیک ابھی کیا ہے ۔ آگے چلکر دیکھنا
جو اس کمبخت کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ ہی نہ ہو تو نام پلٹ ڈالنا صورت سیرت والیاں سونے
جیسے والیاں ہاتھ پاؤں ہلائیں تو ان کو تو کوئی بھرتا نہیں اس آذو کی بھرتی کو کون بھرے گا
کام کی وہ نہیں کاج کی وہ نہیں ان بھر بیٹھے دیکھے جاؤ ۔ دو دفعہ تم نے پانی مانگا اگر آپ اٹھ کر
پلا دیتی تو کیا شان کو بٹہ لگ جاتا ۔ وہی کہاوت ہے آ ماسلی منہ کی لونی تو کیا کرے گا کوئی جب
بے غیرتی ہی پر کمر باندھی تو پھر کیا علاج اپنے منہ سے بکو مغز کہیا وہی جلا دو اس کے بجائے ہی بھی
نہیں اتنی بھی تو پرواہ نہ تھی کہ یہ کیا رہی ہے اور کہہ کس کو رہی ہے مجھے تو ڈر یہ ہے کہ کہیں خالہ زہرا
مان گئی ہوں اس وقت تو جو منہ میں آیا کہہ گئی ۔ مگر جب سے آئی ہوں یہی خیال چلا آرہا ہے بھلا دُنیا
میں کون پرائے شگون کے واسطے اپنی ناک کٹائی لیتے ہیں دینے میں واسطہ نہ غرض وہ مثل اصل
ہو گئی ۔ بہن تم کون کہ خواہ مخواہ بیوقوف بنے ہو گی تو میرا کیا لے گی اور سگھڑ ہو گی تو مجھے کیا بخشندگی اچھی
ہے تو اپنی بری ہے تو اپنی ۔ برا مانو یا بھلا تم نے کیا ۔ آپ اچھی رہیں اور مجھے جھنڈے پر چڑھوا دیا ۔

کارخانۂ قدرت کے انتظام انوکھے اور نرالے ہیں ہزاروں لاکھوں خدا کی قیدیاں اچھی بُری

سگھڑ پھوہڑ کا نہ کوئی کہنے والا، بس لنگڑی لولی صبح شام کپی چلی جا رہی ہیں۔ میکے میں تھیں تو نیلے ڈورے، سسرال پہنچیں تو کار چوبی جوڑے۔ یہاں دھڑ دھڑ، پھٹ پھٹ، اجیرن بال وہاں عزت وقعت لالوں کی لال، روپ کی روپے، کرم کی کمائے۔ ماں باپوں کی بیٹیاں سوسنوں کا حسن آنکھ گن اور خوشکلوں کی شکل ان کا سلیقہ لکڑی کی بیل اور لکڑی کی بیل گنتوں بڑے بگڑیوں جڑے۔ کل کی بات ہے بی منجھلی کی نالائقیوں کا جھینکنا تھا آج انگھے بر کی تلاش ہے۔ دل پہ کچھ کا کچھ ہوا۔ اٹھان کہیں کا کہیں پہنچا۔ ماں بیچاری دن رات اسی فکر میں گھلی جاتی تھی۔ کہ کسی طرح اس کے دو بول ہو جائیں۔ مسجد کی مٹھائی، بڑے پیر کی گیارہویں، جن جیسی جو کچھ سمجھ میں آیا سب ہی کچھ کیا۔ برس سوا برس تک اسی چکر میں پڑی رہی مگر جن ڈھونڈھیاں ان پائیاں۔ یہ خوش نصیبی ماں کی سمجھو یا بیٹی کی۔ نہ بیچ والیوں کے بر تعریفیں نہ آنے جانے والوں کی جوتیاں ٹوٹیں۔ ہونے والا کام اور بننے والی بات عجب ایک ایسا سامان ہو گیا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور منجھلی بیگم خاصے دھوم دھڑکے سے سسرال جا پہنچیں۔ شہر کا تحصیلدار دریا پار سے بدل کر آیا۔ بیوی مر چکی تھی بچہ کوئی تھا نہیں ڈیڑھ سو روپیہ کی تنخواہ واز ذات کا سید مزاج کا اچھا۔ بات ٹھہرنے کی دیر تھی۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو گیا۔ تحصیلدار غریب نے چاہے یہ سمجھو کہ ارمان نکل گیا تھا یا یہ کہو کہ سمجھدار آدمی تھا ایک دفعہ نہیں تین تین اور چار چار دفعہ کہلا بھی بھیجا اور لکھ بھی بھیجا کہ دلی والوں کی طرح لنگوٹی میں پھاگ نہ کھیلنا۔ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا۔ بیسیوں جوڑے، سینکڑوں برتن منوں کاٹ کباڑ حاصل نہ حصول دنیا۔ ہم لوگوں کی حالت اس قابل نہیں کہ روپیہ یوں ضائع کریں۔ یکس خدا نے بتایا ہے کہ ایک بیٹی کا بیاہ کرنے اٹھے اور عمر بھر کے واسطے قرضدار ہو گئے۔ پھر ستم یہ کہ صرف بھی کیا تو ایسے فضول کاموں میں کہ نہ ضرورت نہ حاجت بھی کہاوت ہے: جب چلی نہ سودا آیا مجھ سے پوچھو تو کنوئیں میں پھینک دینا ہے۔ خدارا ان لغو باتوں سے بہت بچئے گا۔ جو کچھ بھی کیجئے حیثیت کے موافق اور آمدنی کے لائق نام و نمود کی پروا آپ کو ہو

آپ میری طرف سے تو اطمینان رکھیے۔ میں تو فقط گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ پھوپی کا تو منشا تھا کہ چپ چپاتے نکاح کر بھتیجی کو رخصت کرتے مگر ادھر تو بھاوج ادھر خود بھتیجی دونوں ماں بیٹیوں کے دماغ ساتویں آسمان پر تھے سنجیدہ تو منہ سے بات نکال کر چور نگلتی۔ بھتیجی جو منہ پھلا کر پڑی تو سارے گھر نے زور لگا لیا مگر وہ اللہ کی بندی منجھلی کیا ماننے اور منے والی تھی۔ بیٹی کی یہ کیفیت ماں کا یہ حال کہ منہ سے اتنا سنتے ہی لگی رو رو کہنے۔ بھلا منہو منہ سے گھڑی گھڑی لینے تھوڑی آئیگی غضب خدا کا پالکی کے پیچھے دس برتن بھی نہ ہوں۔ بڑی کو تو دس ہزار کا جہیز اور اس کو خاک بھی نہیں۔ آخر جب پیٹ کی وہ بھی اس کی یہ بھی ہے آپا مجھے تو دونوں آنکھیں برابر ہیں خلق کا حلق کون بند کریگا۔ دیکھنے والے تو کہیں ہی گے۔ جس محفل میں جائیگی چرچیاں پڑینگی قیاس چاہتا ہے کہ اگر ماں کا بس چلتا تو وہ اپنا تو اپنا محلہ والوں تک کا اسباب بیٹی کے جہیز میں دیدیتی اور بی منجھلی بیگم کا اختیار ہوتا تو کپڑا لتہ تو درکنار رہنے کی حویلی تک کا قبالہ ساتھ لیجاتیں۔ مگر میر صاحب نے کیا غضب سنجیدہ ہوئی الگ۔ تھاک ٹھوک دونوں ماں بیٹیوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے۔ لیکن منجھلی کیا چوکنے والی بشر تھیں۔ بھائی بہن کی صلاح کا رنگ دیکھ کر اس نے نکاح سے ہفتہ بھر پہلے کھانا پینا چھوڑ رو رو کر خون کیا کہ سب ہی نے سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ماں میاں اور منہ کے ڈر سے دل کھول کر تو کچھ نہ کر سکی مگر آدھے پاؤ آدھے پونے ادھر ادھر سے کتر بیونت کر کرا چھ سو روپے کی قرضدار ہو ہی گئی۔ غرض خدا خدا کر کے بی منجھلی بیگم ماں کو سدا کے واسطے سود کی لپیٹ میں ڈال اپنے گھر روانہ ہوئیں۔ چاروں چالے ماں اور خالہ نانی اور پھوپی کے ہوئے چوتھا چالہ پھوپی کا تھا اور سب کی آنکھیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں۔ نسیمہ جیسی بیٹی کا کام اور سنجیدہ جیسی پھوپی کا انتظام جو کچھ ہوتا تھوڑا۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ پھوپی بھتیجیوں کے سلیقہ اور کام نے غضب ہی کی دھوم دھام کر دی اور دسترخوان پر وہ کھانے چن دیئے کہ اچھے

اچھے باورچیوں کو پرے بٹھا دیا۔ دو تین چیزیں تو ایسی پکائیں کہ جس نے کھائیں انگلیاں چاٹنے لگا۔ جمعدار صاحب کی پھوپی زاد بہن تو یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر بالکل ہی لوٹ پوٹ ہو گئیں۔ دونو طرف میز پر بجلی کے لیمپ دہڑ دہڑ جل رہے تھے۔ چھت پر دائیں بائیں دو قمقمے میزوں کے بیچ میں اجلا صاف شفاف دسترخوان آدھ آدھ گز کے فاصلہ پر ایک ایک گلاس بڑی سی قعب میں سالن ایک میں چاول دونوں پر چمچے رکھے خالی طشتریاں موجود۔ جس کو جتنی ضرورت ہوئی نکال لیا۔ باہر صحن میں مامائیں کندھوں پر تولئے۔ ہاتھوں میں لوٹے لئے کھڑی تھیں۔ بیویاں ہاتھ دھو دھو دسترخوان پر آکر بیٹھیں تو ماماؤں نے اجلا براق تولئے کی شکل کا کپڑا سب کے آگے ایک ایک رکھدیا کہ گردن میں لگالیں۔ تاکہ کپڑے داغ دھبے سے خراب ہوں۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر اکثر دیکھا ہے۔ چکنا ہاتھ لگا اور تمام پانی میں ترمرے پڑ گئے! اس کے علاوہ ایسا پانی پیتے ہی کھانسی ہو جاتی ہے۔ سنجیدہ نے خوب کیا کہ ہر بیوی اپنے پانی کی ذمہ دار۔ ایک ایک صراحی گلاس سب کے آگے۔

(۲۳)

چالا تو ایسا ہوا کہ دونو پھوپی بھتیجیوں کی واہ واہ ہو گئی منجھلی کے بیاہ کو چھ ساڑھے چھ مہینے ہوئے ہونگے، جاڑے کے دن تھے۔ گھر کی قدیم ماما بڑھیا تو تھی ہی، ادھر تو کڑی سردی اوپر سے ہماوٹ، ساٹھ باسٹھ برس کی عمر ہمت ٹوٹ گئی۔ ایسی نمک حرام تو نہ تھی کہ عمر بھر کا ٹھکانہ بڑوں کا ساتھ، آنکھوں پر ٹھیکری دہر صاف الگ ہو جاتی منت سے کہنے لگی بیگم پڑ جاؤنگی ڈانٹے سے بھی جاؤں گی۔ کہو تو کل سے نواسی کو بھیج دیا کروں اور سب کام تو کرلیگی۔ ہاں اتنا ہے کہ سالن تم آپ بگھار لیا کرنا۔ روٹی ذرا اس کے ہاتھ کی بھاری ہوتی ہے۔ پکاتے پکاتے ٹھیک ہو جائے گی۔

بڑی بی نے تو آج کہا۔ سنجیدہ پندرہ دن سے کہہ رہی تھی کہ اس کڑکڑاتے جاڑے میں ڈیڑھ کوس سبزی منڈی سے صبح نماز کے وقت بڑھیا کا آنا اور چھ گھڑی رات کی توپ چلے جانا خدا خیر کرے بیسنے کی مرتی آٹھ ہی دن میں ٹیں ہو جائیگی۔ پھر ایسی نمک حلال ماما چراغ لے کر ڈھونڈو تو میسر نہیں۔ نواسی کے آنے پر فوراً راضی ہو گئی۔ لڑکی نے دوسرے دن فجر ہی آ جھاڑو تو خیر خاصی دی۔ بچھونا بھی صفائی سے تہ کیا۔ مگر آٹا گوندھنے بیٹھی تو ادہر تو ہاتھ کی تمام چوڑیاں لت پت ادہر کونڈے کے چاروں طرف گھیرا بنا ہوا۔ گوندھا تو ایسا کہ گٹھلیاں پڑی ہوئی کیسری اینٹھی ہوئی۔ نسیمہ دور سے بیٹھی دیکھ رہی تھی ہنستی ہوئی پاس آئی اور کہنے لگی۔ بوا یہ آٹا گوندھا ہے۔ ذرا چوڑیاں تو دیکھو اور یہ گراولی کیوں ہے۔ یہ تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے کونڈے کو دھو دھلا صاف کیا۔ پھر آٹا ڈال کر گوندھا۔ ذرا جان دار ہاتھوں سے مکی دی۔ ٹھیرنے پر آگیا تو تھپکی دی نہیں تو کیسری پھٹ جائے گی۔ تم نے تھپکی تو دی نہیں برابر مکی دیتی رہیں جب ہی تو کیسری پھٹ گئی۔ لاؤ میں ٹھیک کر دوں۔ دیکھو ٹھیر اتریں تو اس طرح بیلے پڑھاتے اب اس آٹے کی روٹیاں پکاؤ کیسی چپاتی پکتی ہے۔ ایک وہ تمہارا آٹا تھا کہ موٹے موٹے لکڑ بھی نہ اترتے۔ جاؤ توا دھو کر چولہے پر رکھو اور روٹی ڈالو۔ دیکھوں کیسی پکاتی ہو جیسا آٹا گوندھا ایسی روٹی نہ پکانا۔ ذرا ہاتھ ٹھیرا کر ڈالنا بھاگڑ نہیں ہے کہ ساجھڑ سو جھڑ پکا پکوا الگ کرو۔ آٹے پر صافی ڈھانک لو نہیں تو پپڑا جائیگا۔ لو اب تم روٹی ڈالو بسم اللہ کر کے۔ پیڑا الٹے ہاتھ پر کیا کیسی ہو؟ سیدھے ہاتھ پر رکھو۔ واہ یہ پیڑے بنا رہی ہو۔ ذرا گول بنا خشکی لو کم اور چنگیر کو ٹھیک۔ اونہہ ورے تھپ تھپ کہ روٹی بھی پھٹ جائے۔ ذرا آہستہ۔ آنچ تم نے اتنی کر رکھی ہے کہ اس توے پر سے لال چتی کی روٹی اتر ہی نہیں سکتی۔ شاباش ہے اسی ہاتھ سے اپلے اسی ہاتھ سے روٹی اور یہ کیا عقلمندی ہے۔ روٹی پکا کر کھلی ڈال ہی دو سوکھ کر کھڑ کھڑ ہو جائے۔ دسترخوان میں کہو کہ نرم بھی رہے گرم بھی رہے لو اب تم دیکھو اور میں پکاؤں۔ پہلے تو یہ روٹی رکھنے کی چنگیر جو ٹیڑھی بڑنگی پڑی ہوئی ہے سیدھی کر کے رکھو دسترخوان آدھا اس میں بچھایا۔ آدھا روٹیاں ڈھانکنے کو اوپر کھا آٹے کے کونڈے پر سینی ڈھانکو

آٹھ دس پیڑے توڑ کر سینی پر رکھ لئے۔ جب پک گئے پھر اور توڑ لیں گے۔ یہ جو الاؤ کا الاؤ چولھے
میں لگا ہوا ہے اس میں جو روٹی پڑ گئی وہ جل کر خاک ہو گئی۔ روٹی ہمیشہ دھیمی آنچ میں اچھی ہوتی ہے
دیکھو یہ پیڑے گول ہیں نہیں۔ خشکی نہ اتنی زیادہ نہ ایسی کم۔ معمولی سی رکھی ہے۔ دیکھو کیسی چنگیر آ رہی ہے
پولے پولے ہاتھوں سے پیٹو۔ کتنی پھیلی ہے۔ اس میں شکل ہی کیا ہے اب پیٹتی ہوں۔ لو دیکھنا کہیں
کہو لکڑ کہیں سے جلی بلی تو نہیں ہے۔ بادامی چتی کی خبردار جو ایک روٹی پکاتے ہیں اُپلوں کو ہاتھ
لگا یا دبی ہاتھ گوبر کو دبی دئے کو گھن نہیں آتی؟ کسی کا بھورا بھی آٹے میں پڑ گیا تو لگی
لگائی قیمت غارت اور پکانا یا کھانا حرام۔ لاؤ اب دو روغنی روٹیاں پھوپھی اماں کی اور
ایک پراٹھا اپنا پکا لوں۔ اس کٹورے میں گھی نکال لو۔ پہلے روغنی پکا لوں۔ دیکھو گھی
کو پگھلا کر آٹے کا پیڑا اس میں ڈال کر تھتھ لیا۔ سب گھی پیوست ہو گیا! اس کو بہت نہیں پھیلانے
روغنی روٹی ذرا گدری اچھی ہوتی ہے آنچ بھی دیکھو دھیمی کر رہی ہوں۔ تیز میں داغ ہو جائیگا
اچھا یہ تو دو ہو گئیں۔ اب پراٹھا۔ پراٹھا تین وضع کا ہوتا ہے۔ بل دار پرت دار گھیہ کا۔ پہلے
تم کو پرت دار بتاؤں۔ دو چھوٹے چھوٹے پیڑے لئے۔ بیچ میں گھی لگا کر دونوں کو اوپر نیچے رکھ لیا
لے لو اب چنگیر بنا کر توے پر ڈال لیا۔ یہ پگھلا ہوا گھی پاس رکھا ہے۔ تھوڑا تھوڑا سا لگاتے گئے
چتی پڑ گئی اب پلٹ لیا اس میں گھی کم لگتا ہے۔ اس کے چاہے جتنے پرت کر لو۔ یہ تو دو میں چاہے
تین کرو چاہے چار۔ لاؤ ایک بل دار بھی تمہارے سامنے پکاؤں۔ دیکھو یہ ہی ہونہ گھی اور نکالو اس
میں گھی بہت لگتا ہے۔ دیکھو ذرا سا آٹا رکھا اس میں گھی لگایا۔ پھر آٹا رکھا اور گھی لگایا۔ کم سے
کم پانچ دفعہ گھی لگاتے گئے اور آٹا رکھتے گئے۔ دیکھو اب اس کا اس طرح پیڑا بناتی ہوں
بنگیا اب بل بنایا اسی طرح مروڑی دیکر سانپ کی طرح۔ اب پھر اس کا پیڑا بناؤ اور توے
پر روٹی کی طرح پھیلا کر ڈال لو۔ بیچ میں چھید کر کے گھی لگاتی جاؤ سمجھ گئیں؟ یہ دو وضع
کے ہو گئے اب ایک گھیا کا رہا اور وہ بھی ایسا ہی ہے خیر اب تم مصالحہ پیسو۔ میں تمہارے سامنے
گوشت بگھاروں آٹے کی طرح ماش کر دینا کہ آدھا گرے اور آدھا رہے۔ پیاری گرہ ہلدی کی ہی

واہ آدھ سیر گوشت میں اتنی ہلدی پاؤ گرہ لو۔ جتنی ہلدی کم لو گی اتنا ہی سالن آب دار ہوگا۔ ہلدی
پیسکر دھنیا لو۔ پیا ہوا دھنیا ہمارے ہاں نہیں آتا بازار کی بھوسی ملی ہوتی ہے۔ اتنا نہ لو بس کچھ کم
سوا پیسہ بھر۔ اس پیالہ میں پانی بھر کر سل کے پاس رکھ لو۔ ذرا ذرا سا ڈالتی جاؤ اور پیستی جاؤ۔
زور نہ دو سے رگڑو۔ پولے ہاتھوں تو شام تک بھی ہیچ ہوگا۔ دیکھو اب کیسا سرمہ سا مہین ہوا ہے
چلو مرچیں لو دیکھو کیسی سرخ ہیں۔ بتاؤ کہاں کی ہیں؟ پٹنہ کی ہیں کتنی لے رہی ہو۔ چودہ لو۔
بھنڈیاں بھی تو ہیں۔ ترکاری نہ ہوتی تو گیارہ بہت تھیں لہسن لو۔ جو سے کیا کرو گی۔ پوری
گٹھی لو اور ایک گٹھی پیاز کی بھی۔ یہ مصالحہ کی پیالی ہے میں پکو تو اس میں اٹھا لینا۔ اچھا اب
مصالحہ تو پس گیا۔ اُٹھو پتیلی چولہے پر رکھو گھی آدھ پاؤ پڑے گا۔ یہ بڑا چمچہ ہے۔ دو ڈالدو
یہ پیاز کی گٹھی لو۔ کتر کر ڈالدینا۔ بیچ کی رس کی ہے۔ نہ بڑی نہ چھوٹی۔ ڈالدی۔ دیکھو لال
ہو گئی اب آدھی پیاز نکال باقی آدھی میں سارا مصالحہ ڈالدو۔ اور ہاں بی نوری نمک
تو ڈالو بس ہاں کوئی تولہ بھر ہوگا۔ اچھا اب مصالحہ بھون لو۔ جب دانہ پڑ جائے تب گوشت
ڈالدینا۔ ذرا گوشت کستی جانا اور چلو چلو بھر پانی ڈالتی رہنا کہ باندا پانی مرتا جائے۔ بس پھر شوربہ کا
پانی ڈالدو۔ پیاز جو رکھی ہے نکالکر وہ بھی پڑ گئی۔ پھر چمچہ یا کفگیر چلانے کی ضرورت نہیں ہے
ایک ترکیب سالن پکانے کی اور بھی ہے یاد رکھنا وہ بھی بتا دیتی ہوں۔ سادہ سالن ہو تو ہلدی کی
ضرورت نہیں۔ آدھ سیر گوشت ہے تو ایک گٹھی پہلے لہسن کی پیسی پھر پیاز کی دو ذرا الگ اٹھا لیا
پھر دھنیا اور مرچیں پیسیں۔ پیاز ڈالکر پتیلی میں الگ گھی داغ کیا اور پیاز نکال لی۔ لہسن پیاز
جو پیسکر رکھ چھوڑی ہے خواہ وہ دونوں چیزیں پسی ہوں یا فقط لہسن ہی ہو۔ اس کو گھی
میں بھونا پھر گوشت ڈالا اور وہ بھونا۔ بھن گیا تو دہی کالی مرچیں لونگیں ادرک ڈالو۔
مرچیں اور دھنیا ڈالو۔ دانے دار ہو جائے تو پانی ڈالدو۔ گوشت گل جائے تو لعاب پر آ مارلو۔
یہ تو خیر معمولی سالنوں کی ترکیب تھی۔ ایک قسم کا سالن ہمارے ہاں اسٹو پکتا ہے وہ اس طرح کہ
اگر آدھ سیر گوشت ہے تو پہلے گوشت کو اچھی طرح دھو کر پتیلی میں ڈالا۔ گیارہ مرچیں

ایک چھوٹی گٹھی ادرک اور لہسن کی۔ ایک پیاز کی گر خاصی بڑی۔ لونگیں۔ کالی مرچیں نمک یہ سب مصالحہ تو کترا ہوا یعنی ادرک اور لہسن پیاز۔ پتیلی میں ڈال دیا۔ پھر پسا ہوا مصالحہ لیا۔ کوئی تین پیسہ بھر دھنیا۔ پانچ مرچیں لہسن پیاز اور تین چھٹانک کے قریب گھی۔ اگر دہی میں پانی بھی ہو تو اچھی بات ہے۔ سب چیزیں ڈالکر چینی رکھ آٹے سے منہ خام کر دو اور دھیمی آنچ پر رکھ دو۔ اگر کوئلہ کی آگ ہے تو اور بھی اچھی ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد دم مار لو۔ کھانا ایک پکا کر تیار ہوا تو نسیمہ نے ماما کی نواسی سے کہا لو اب برتنوں کی ٹوکری سنبھالو یہ سب پہلے دلوائے سینچے منجھوائے رکھے ہیں ایک دفعہ اور ہاتھ پھیر لو چینیوں کو دیکھ لو راکھ واکھ نہ لگی ہو۔ پہلے برتنوں کی ٹوکری لیجا کر رکھو۔ پھر پانی کی دونوں صراحیاں۔ بھری رکھی ہیں ایک میں پانی تازہ ہے ایک میں باسی اور کٹورے ڈھانک دیا۔ چھینکے پر سے دسترخوان اتار لو۔ روٹی کی چنگیری رکھ کر پھر پتیلیاں پہنچاؤ۔ نواسی کھانا پہنچا چکی تو نسیمہ نکالنے بیٹھی مگر کس طرح کہ سالن چھ تشتریوں میں اور سب یکساں۔ پتیلی کو ٹیڑھا کر کے سامنے کر نکالتی رہی اور آگے گھی میں سے ایک ایک چمچہ سب کے ہاں ڈال دیا۔ یہ نہیں کہ آنکھیں بند کر کے کفگیر مارنے شروع کئے اور پہلے ہی سالن میں تار ختم کر پتیلی میں نیلا پانی چھوڑ دیا۔ گری زور شور سے پڑ رہی تھی کھانے سے فراغت پا۔ برتن بھانڈا آگے سے ہٹا ہٹو سب اندر کمرے میں چلے گئے۔ نواسی پنکھا جھلنے بیٹھی۔

جب تک سنبھلی موجود رہی بیلی تھی یا بڑی۔ تھوڑا یا بہت ہمیشہ نہیں کبھی کبھی، روزمرہ نہیں بھولے بسرے ماں کا ہاتھ بٹا لیتی تھی۔ پھوہڑ ہو یا سگھڑ جیسی بھی تھی اور جو کچھ بھی تھی۔ مگر ایک سے دو تھیں۔ بیٹی کا منہ ادھر موڑتا تھا کہ گھر کے کام دھندے سب ماں ہی سر آپڑے جھاڑو اور بہارو صفائی اور ستھرائی اوڑھنا اور بچھونا سینا اور پرونا ایک جان اور ہزاروں ٹنٹے۔ صبح سے رات ہو جاتی۔ گھر کا بچہ بچہ سو جاتا اور اس نیک بخت کو کمر سیدھی کرنی نصیب نہ تھی ایک کام کو اٹھتی اور دوسرا کام اینڈ۔ مصالحہ پیسا تو چولھا ٹھنڈا۔ پانی گرم کیا تو روٹی ٹھکراہٹ

ماما جب بھی تھی اور اب بھی۔ مگر بیٹی ہوئی رخصت ماں کی آنکھ میں مروت، کام کرے اس کی جوتی ہاں اتنا فائدہ ضرور تھا کہ باتوں پر سے کی تھی۔ ایک کر چیڑ کر دنیا بھر کے قصے سن لو غرض بیچاری کو چار ہی دن میں زندگی وبال ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ بچہ کیسے غصیلی اور ہار رونی کہ ابھی تو بچھونے سے روتے اٹھے اور روتے ہی سوئے۔ دیوار بیچ تند اور آٹھ آٹھ دن آنے کی رخصت ہو۔ کسی دن سے ارادہ کر رہی تھی۔ آج دودھ پیتے بچے کو گود میں لے یہاں آئی ٹکما تو دور کنار ابھی پوری طرح بات بھی کرنی نصیب ہوئی تھی کہ بچے نے بلکنا شروع کیا۔ بہتیرا چمکارتی ہے پیار کرتی ہے بہلاتی ہے ڈراتی ہے۔ مگر وہ کس کی سنتا ہے۔ آواز ہے کہ کان کے پار نگوڑی گندی لڑکی کا بسا نداشوربا دو ناک چنے جیسے کہ ماں کو دم لینا وبال ہو گیا۔ سنسان بجائیں ٹپاری کھٹکھٹائی۔ کنڈیاں ہلائیں برتن بجائے۔ مگر بچہ کیا ایک آفت تھا کہ لمحہ بہ لمحہ زیادتی ہی تھی۔ نسیمہ کچھ دیر تک تو چپکی بیٹھی دیکھتی رہی۔ جب دیکھا کہ ماں ہلکان ہوئی جاتی ہے اور بچہ کی چیخم دھاڑ کسی طرح نہیں تھمتی تو اٹھی بھائی کو گود میں لیا۔ اور کندھے سے لگا ٹہلنے لگی۔ مگر وہ کیا قابو میں آنے والا تھا۔ بالیاں ہاتھ میں آگئیں۔ رہ کر جو کھینچتا ہے تو سارا کان لہولہان۔ پک تو پہلے ہی سے رہا تھا۔ اس وقت تو سچ مچ ہی جان نکل گئی۔ غضب یہ ہوا کہ پھوار کا تھا کہ گوکھرو الجھ گئی اور ایسی الجھی کہ بہتیرا سلجھایا نہ سلجھی۔ بیوی نے اٹھ کر بالی چھڑائی۔ بچہ لیکر ماں کو دیا۔ کان کو دیکھتی ہے تو تل تل خون بہہ رہا ہے۔ نل میں سے پانی بھر ٹلی ڈالی اور کہنے لگی ایسی بے خبر لڑکی بھی نوج ہو۔ آج بارہ تیرہ دن سے کان پک رہا ہے۔ روز جھینکتی ہوں کہ بیٹھے ہوئے مصالحہ میں سے ذرا سا لیکر روئی کی پھریری سے کان پر لگا لے۔ مگر کون سنتا ہے۔ کل تو میں نے ٹھنڈے پانی سے دھو کر مرچوں کے بیچ پیس کر لگا دیئے تھے۔ آج میں بھول گئی۔ بیٹی بچہ کو لیا تھا تو آنکھیں کھول کر لیتیں۔ ایسے اندھے پنے سے لینا کیا ضرور تھا کہ جان بوجھ کر کان اس کے آگے کر دیا۔ دھویا گئی اور سیندور چار دن سے پڑا جھک مار رہا ہے۔ ایک دن بھی لگانا نصیب نہیں ہوا

اِدہر ذرا کان کا لپو تھا اُدہر خدا خدا کرکے بچہ کی آنکھ لگی تو دونوں تند بجا وہیں گاؤ تکیہ پر سر رکھکر لیٹ گئیں۔ نسیمہ نے نواسی سے کہا کیوں بی تم کو پلاؤ اور میٹھے چاول بھی پکانے آتے ہیں۔ نواسی کچھ دیر تو جھیکی رہی اور پھر کہنے لگی۔ ہاں دو ایک دفعہ پکائے ہیں۔ ترکیب پوچھی تو اس نے اُلٹ سُلٹ جواب دینے شروع کئے۔ نسیمہ نے کہا میں تم کو پہلے پلاؤ کی ترکیب بتاتی ہوں سُنو پلاؤ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یخنی کا ایک قورمہ کا۔ سو یخنی کا تو اچھا ہوتا نہیں۔ قورمہ کا یوں پکتا ہے۔ سیر بھر کا حساب بتاؤں۔ چاولوں کو دھوکر بھگو دو۔ دو گٹھیاں بڑی لہسن کی دو پیاز کی تھوڑی سی ادرک پیسکر الگ رکھ لی۔ گھی جتنا ڈالو۔ کچھ نہیں سیر بھر میں آدہ پاؤ تو ہو۔ پیاز ڈال بگھار لیا۔ پیاز سرخ ہو گئی تو نکالکر وہ لہسن پیاز جو رکھا ہے وہ ڈالدیا۔ کوئی پندرہ ایک لونگیں۔ چار پانچ چھوٹی الائچیاں چھلکوں سمیت اس گھی میں بگھار دو۔ سرخ ہو جائے تو اب گوشت دھوکر ڈالو اور بھون لو۔ بس پھر کوئی تین آبخورے پانی ڈالکر دم پہ چھوڑ دو۔ جب گوشت اچھی طرح گل جائے اور پانی بھی تھوڑا سا رہجائے تو چاول ڈالکر آنچ کر دو۔ چاول گل جائیں گے دم دیدو۔ پلاؤ ہو گیا میٹھے چاول تو آسان ہیں ان میں گوشت کا جھگڑا نہیں۔ گھی کڑکڑا کر لونگیں بڑی الائچیاں ڈالیں۔ لونگیں سرخ ہوگئیں چاول ڈالدئے دو تین دفعہ چاولوں میں چمچہ یا کفگیر چلا کر اتنا پانی ڈالدیا کہ ایک کنی باقی رہ جائے یعنی سب چاول ذرا کنی کے ساتھ گل جائیں۔

پانی خشک ہو گیا تو کھانڈ ڈالدی اور دم پہ چھوڑ دیا۔ آنچ ہلکی کر دی۔ یہ میٹھے چاول ہوگئے۔ اچھا بی نواسی تم کو مچھلی کا کانٹا گلانا آتا ہے۔

نواسی۔ اچھی بیگم تمکو آتا ہے۔ مجھکو بتا دو۔ اگلے برس حکیم جی کے ہاں میری ماں تھی مچھلی کا کانٹا گلانے کے سب ہی جتن کئے زرد کوڑی ڈالی کہیں املی کا چونا مگر کانٹا تو گلا نہیں

نسیمہ۔ یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ جب وے پڑیں ان کو اُٹھاکر ان میں چاول بھگو دو مگر چاول پرانا اور اچھا ہو۔ تین چار روز تک بھیگے رہیں اچھی طرح پانی پی لیں۔ ان کو نکالکر چھاؤں میں سکھالو اور پیسکر رکھ لو۔ جب مچھلی پکانی ہو تھوڑے سے بُرک دیئے۔ اور پتیلی کا منہ خام کرکے دھیمی آنچ کر دی۔ دوپہر تک پکتی رہے۔ پھر اُتار کر دیکھنا۔ ہڈی اور کانٹا سب گلکر آٹا ہو جائیگا۔

نسیمہ بات ختم کر چکی تو لڑکے نے بازار سے پان لا کر دیئے۔ نواسی سے کہنے لگی دہوکر پٹاری میں رکھدو۔ لڑکی شریر تو معلوم ہوتی نہ تھی یا بھول گئی یا سنا نہیں۔ پٹاری کھول لگنی میں پٹخ دیئے۔ تھوڑی دیر تک تو اِدہر اُدہر کی باتیں ہوتی رہیں نماز کا وقت آیا تو نسیمہ نے وضو کرکے نماز پڑھی۔ پڑھ چکی تو نواسی سے کہا۔ اچھی ایک ٹکڑا پان کا بنا دو۔ لڑکی پان بنا کر لائی۔ نسیمہ کہاتی ہے تو چونہ تیز کتھے کا پتہ نہیں۔ کرکراہٹ ہے وہ الگ۔ پٹاری کھولکر دیکھتی ہے تو صفائی کہیں۔ پان کہیں۔ کتھہ چونا ملا ہوا۔ چھالیا منہ سروتہ میں چھالیا کٹنے لگی ہوا ایک دفعہ کے ہاتھ لگانے میں پٹاری کی یہ گت کردی کہ دیکھنے کو جی نہ چاہے سلیقہ اس کا نام ہے۔ پٹاری صاف ستھری۔ لگنی اجلی طباق رکھے ہوئے تھالی ڈھکی ہوئی چمچیاں سروتہ سب ٹھیک سر پانوں کو دہو یا نہ دہلایا یوں ہی پھینک دیئیں۔ میں دیکھتی تو شام تک سڑ جاتے۔ چاہیئے یہ تھا کہ دھوکر صافی میں اچھی طرح لپیٹ لگنی میں رکھتیں تم نے تو بیگار سمجھکر ڈالدی۔ اسی واسطے پھوپی اماں پٹاری کسی کو چھونے نہیں دیتیں۔ صاف اُجلی گردی کتھے چونے کے ڈبوں میں غارت ہو گئی اتنی ساری کتری ہوئی چھالیا سب یوں ہی گئی۔ آخر میں بھی تو روز بناتی ہوں مجال ہے۔ کبھی چھالیہ میں زردہ کا ایک پھول تو پڑ جائے۔ اگر کوئی بے زردہ کھانے والا آ گیا تو اچھی خاطر ہوئی ایسی تواضع کو سلام کہ پان کھاتے ہی سر چکرانے لگا۔ ایک تو تم کبھی بھولکر بھی چھالیہ کی ڈلیاں نہ رکھنا۔ پھوپی اماں بہت ہی بگڑتی ہیں اور مجھے بھی زہر معلوم ہوتا ہے کہ پان بنا سو کہہ رہے ہے اور میٹھے چھالیا کتر رہے ہیں۔ صبح دوپہر شام جب فرصت ہوئی بیٹھکر دو چار ڈلیاں کتر لیں۔ ڈبیا ہر وقت کتری ہوئی چھالیا سے بھری رہنی چاہیئے۔ ایک پان میں

تم نے پناری کو ناس کیا۔ پانوں کا مزاج تو آدمیوں سے بھی نازک ہوتا ہے۔ بہت سے اوپر نیچے رکھکر پانی میں ڈال دو گل جائیں گے نہ ڈالو سوکھ جائیں گے۔ چاہیئے یہ کہ صافی تر رہے پانی نہ بہت زیادہ ہو نہ بہت کم۔ بی نوا سی پان بنانا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ خدا نہ کرے کہ کسی پھوہڑ کے ہاتھ کا پان کھانا نصیب ہو۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ صافی سے پان کو خوب اچھی طرح پونچھو تاکہ رگ رگ کی کرکراہٹ نکل جائے۔ اوپر کی نوک پیچھے کی جڑ توڑ دینی چاہیئے۔ پہلے چونہ لگاؤ پھر کتھہ اور یہ دیکھ لو کہ چونہ کتھے سے زیادہ نہ ہو کہ منہ کے ٹکڑے ہو جائیں۔ کتھہ بھی اتنا زیادہ نہ ہو کہ منہ کسیلا ہو جائے۔ اس کے بعد چھالیہ ڈالکر گلوری بناؤ۔ مردوں کے میں چھالیہ برائے نام ڈالنی چاہیئے اب تھالی کو صاف کرو اور الگ کونہ میں زردہ رکھکر دیدو۔ میں نے بہت سی جگہ دیکھا ہے کہ کتھہ اور چونہ۔ چھاتا نہ پھینکا۔ اٹھایا اور کلیوں میں بھر دیا۔ برابر کی کرکراہٹ موجود کہ دانت نہ دیا جائے۔ ایک عیب پان کھانے والوں میں یہ بھی دیکھا ہے کہ انگلی سے پونچھا اور دیوار سے مل دیا۔ تم بھی خیال کرو کیسی بدتمیزی کی بات ہے۔ پان کھانے میں ایک یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ پان کھولکر دیکھ لیں کہ کہیں غلطی سے زردہ پڑ گیا ہو یا چونہ زیادہ ہو تو خواہ مخواہ کی تکلیف بھگتنی پڑے۔ کسی غیر آدمی کو پان دو تو اگالدان بھی رکھ دو کہ تھوکنے کی دقت نہ ہو۔

(۲۴)

انسان مرد ہو یا عورت، بڈھا ہو یا جوان آنکھیں کھولکر دیکھے قدرت نے کیسے سامان مہیا کر دیئے۔ صبح دوپہر شام رات۔ جاڑا پالا برسات آم خربوزے جامن۔ اناج گیہوں باجرا مونگ جوار۔ بیشمار نعمتیں ہیں جو اس پروردگار نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں پھول کی ایک پنکھڑی اور درختوں کا ایک ایک پتا زبردست شہنشاہ کی حکومت کا پتہ دے رہے ہیں۔ چاند سورج۔ زمین آسمان۔ جنگل۔ پہاڑ۔ دریا۔ میدان۔ قدرت کا جلوہ ہر جگہ چمک رہا ہے۔

صبح کی نماز پڑھ کر ایک روز سنجیدہ اپنی چھوٹی سی کیاری کی دیکھ بھال میں مصروف تھی خوشرنگ پھولوں کے گملے چاروں طرف رکھے ہوئے تھے۔ گلاب کے ایک پودے پر نگاہ پہنچی پتلی سی شاخ سرے پر پھول ہوا کے جھونکوں سے دوہری ہوئی جاتی تھی۔ دیکھتی رہی اور دیکھتے دیکھتے کہنے لگی۔ کیا خدا کی شان ہے۔ مہینہ بھر بھی تو نہیں ہوا۔ بیج ڈالے آٹھ دس روز میں پھوٹ نکلے۔ پندرہ بیس دن میں پودا ہو گیا۔ کونپلیں آئیں کلیاں نکلیں سبحان تیری قدرت آج پھول کھل رہا ہے۔

کل ہی کا تو ذکر ہے۔ نسیمہ بنگلے کی مینا چاروں طرف باتیں ملکاتی پھرتی تھی آج ماشاءاللہ دوسروں کو سبق دے رہی ہے۔ صفائی ستھرائی شرم حیا رحم ملنساری خوف خدا، غرض وہ سب صفتیں جو لڑکیوں کا سچا زیور ہیں کوارپنے میں حاصل ہو گئیں۔ کھانا پکانا سینا پرونا کیا کام تھا جو اسے نہ آتا ہو۔ ادب لحاظ، سلیقہ، اطاعت کون سا ہنر تھا جو اس میں نہ ہو۔ ماں اور پھوپھی جو چاہتیں وہ کہتیں اور وہ چپکی بیٹھی سنتی کیا مجال جو نیچی سے اونچی نگاہ کرلے یا آنکھ ملاکر جواب دیدے۔ ناممکن تھا کہ کوئی سچا حاجتمند اس کے دروازے پر آئے اور خالی چلا جائے۔ مشکل تھا کہ اس کے ہاتھ سے آدمی تو آدمی کسی جانور کو بھی تکلیف پہنچ جائے۔ نو دس برس کی جان ہمیشہ جیسا کچھ کی گرمی اور تیسوں روزے چلے کا جاڑا، صبح کا وقت نماز اور قرآن۔ چھوٹوں سے جی، بڑوں سے جناب۔ ہمسایہ سے سلوک، بزرگوں کا ادب رحم کی نظر، میٹھی زبان برابر والوں سے محبت چھوٹوں پر مہربانی، ہاتھ کی سچی، دل کی اچھی۔ تمکنت نہ غرور، بدشیطنی سے الگ نخوت سے دور نسیمہ ایک قسم کا فرشتہ تھی کہ بڑی بڑی ایمان والیاں اس کے دامن پر نماز پڑھیں۔ محلہ کے لئے سبق کنبہ کے لئے نمونہ خاندان کے لئے ایک مثال تھی۔ دور دور کی لڑکیاں اور بڑی بوڑھی عورتیں اس سے صلاح لیتیں وہ رہ بتاتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ ایک دن دوپہر کے وقت پھوپی بھتیجیاں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں سنجیدہ کی نظر بھتیجی کی جوتی پر پڑی جوتی

ایسی پرانی تھی۔ نسیمہ ایسی بدتمیز۔ مگر خدا جانے کیا ہوا۔ اور کیونکر ہوا۔ دایاں بایاں دونو پر الگ
اور ٹیڑھے بدصورت اور بے ڈھنگم۔ کہا نا کہا چکی تو سنجیدہ نے کہا بیٹی یہ تو میں نے آج ہی دیکھا
انگریزی میں تو سنا تھا۔ ہندوستانی میں دایاں بایاں آج ہی دیکھا۔ دلی کی سلیم شاہی
پندرہ برس دن کی پہنی اور سیدھا پاؤں الگ الٹا الگ۔ تم ہی نے آج انوکھی نہیں پہنی ہم نے
بہت سی پہنی اور توڑیں مگر یہ کبھی نہ معلوم ہوا کہ یہ سیدھی ہے یہ الٹی کیسی نالائقی کی بات ہے کہ
ایک ہی پاؤں ڈال کر جو پہننا شروع کیا تو پھر پلٹنا قسم ہو گیا۔ ہیر پھیر کر پہننی چاہیے۔ کبھی یہ کبھی
وہ۔ ایک رخ پہنتے پہنتے تو آپ ہی جوتی کی صورت بگڑ جائے گی۔ دو چار دفعہ بے احتیاطی
کی اور جوتی الٹی سیدھی ہوئی۔ پھر پلٹو گی بھی تو پاؤں کو اولوا ولو معلوم ہوگی۔ چلو جوتی کا
ناس ہو گیا۔ کبھی تم نے میرے پاؤں میں بھی دیکھا۔ لو دیکھو تین مہینے کی پہنی ہوئی ہے۔ میلی ہو گئی
تو کیا خرافات تو برس ہی ہے۔ عمر بھر میں نے یہی پہنی۔ ایک دفعہ کی تو قسم کھاتی نہیں وہ بھی کوئی
دس بارہ دن اور خوشی سے نہیں مجبوری سے گیتلی ضرور پہنی ہے۔ ورنہ جب سے ہوش سنبھالا
آج کے دم تک یہی منگوائیں۔ قسم لے لو جو کبھی انگریزی یا گول پنجہ کی پاؤں میں بھی ڈالی ہو
مگر بیٹی ایسے بے ڈھنگے پنے سے کبھی نہیں پہنی۔ نسیمہ بیٹی ایسی غلطی اور نسیمہ بیگم تم سے میری تو
اتفاق سے نظر پڑ گئی۔ تم تو جو جوتی پہنتی ہو گی اسکا یہی حال ہوتا ہوگا۔ ہاں خوب
یاد آیا۔ اس دن تم کیا کہہ رہی تھیں کہ انگریزی جوتی ہندوستانی سے اچھی معلوم
ہوتی ہے۔ مجھ سے پوچھو تو کیا خوبصورتی کیا آرام اور کیا صرف کسی لحاظ سے بھی میں
انگریزی جوتی کو پسند نہیں کرتی۔ اس سے تم خاطر جمع رکھو۔ میں ایسی دقیانوسی خیال
کی عورت نہیں ہوں کہ محض انگریزی ہونے کے سبب ناپسند کروں۔ تمہاری نانی
اماں کی طرح میں یہ نہیں کہتی کہ گھر کی بہو بیٹیاں میم بن گئیں۔ مگر میں انگریزی جوتی
کو ہندوستانی سے بہتر نہیں سمجھتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں فقط اس لئے
کہ انگریزی ہے پسند کر لوں۔ دونو کا مقابلہ کر لو۔ جو خوبصورت

آرام کی ہو وہ اچھی ہے۔ چاہے انگریزی ہو چاہے دیسی۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہو گی کہ ہندوستانی
جوتی کا سارا تلا کیچڑ میں بھر جاتا ہے اور وہ فرش پر لیجانے کے قابل نہیں ہوتی۔ یہ نقص تو
انگریزی میں بھی موجود ہے۔ کم ہو یا زیادہ مگر ہے تو سہی۔ تمہارے دل میں اسوقت یہ ہو گا کہ بو بی
اماں اس دن کے وعظ میں جو سن آئی ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی نقل کرتا ہے وہ اسی میں سے
ہے اس لئے برا کہہ رہی ہیں۔ سو بیٹی یہ بات نہیں اس کے متعلق تو میں کل ہی ایک ایسے شخص
کی رائے پڑھ چکی ہوں جو مجھ سے اور تم سے اور خود مولوی صاحب سے بھی ہزار درجہ زیادہ
لائق ہے یعنی امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں جس کا اردو ترجمہ میں آج کل دیکھ رہی ہوں
اچھی طرح صاف صاف لکھ رہے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کسی قوم میں کوئی اچھی
بات موجود ہو تو اس کو نہ اختیار کرو نہ اس کا یہ منشا ہے کہ لباس خوراک وغیرہ میں مشابہت
نہ کرو۔ نسیمہ بیگم میں ایسے مولویوں کے ڈھکوسلے میں آنے والی نہیں جو اپنے حلوے مانڈے سے کام رکھیں
قوم چاہے کل کی ڈوبتی آج ڈوب جائے۔ مگر بیٹی برا مانو یا بھلا مجھکو تو جیسا ابھرا ابھرا پاؤں
ہندوستانی جوتی میں معلوم ہوتا ہے۔ انگریزی میں ہرگز بھی نہیں معلوم ہوتا اور ہاں
انگریزی پر کیا موقوف ہے گول پنجہ کی جوتی سے میں اور بھی زیادہ جلتی ہوں۔ نہ مجھے یہ اچھا
معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہی جوتی اٹھائی اور بھدی کر لی۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ کواری
بیٹیوں کو بہت بننا سنورنا اچھا نہیں۔ تو یہ تو میں مر کر بھی دیکھوں گی کہ کواری لڑکی
سلمہ ستارے کی سلیم شاہی جوتی میکے میں مٹکائے پھرے۔ اس سے تو انگریزی ہی
اچھی وہ ترک بھڑک تو نہ ہو گی۔ مگر تمہاری اس ایک بھول کی جوتی سے
تو میں کیوں ہی اچھا سمجھنے لگی۔ لیکن سلمہ ستارے کے مقابلہ میں تو وہ ہزار درجہ بہتر۔ جب
خدا وہ دن لائے گا کہ یہ روک ٹوک نہ رہے۔ اس وقت جو بات ڈلاسی جوتی میں ہو گی۔
انگریزی کے باپ کو بھی نصیب نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ کھائے من بھاتا پہنے
جگ بھاتا۔ چیز پہنے تو ایسی جو دیکھنے والوں کی آنکھ میں کھب جائے تب تو جانو

قیمت وصول ہوئی دام بھر پائے، روپیہ ٹھکانے لگا۔ انگریزی ہندوستانی دو جوڑے پاس رکھکر رکھو پہنکر پھو پہنکر دیکھو جوان میں نکلیگی اسمیں کہاں اب بیبی اپنی طبیعت اسکا تو علاج بھی نہیں

(۲۵)

سنجیدہ کا لہجہ نرم تھا یا گرم مگر مضمون تھا معقول وہ بات تھی درست نسیمہ زبان سے قائل نہوئی تو کیا دل میں نادم ضرور ہو گئی۔ کن انکھیوں سے جوتی کو دیکھا۔ نظر پڑنی تھی کہ قصور دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ نیچی نگاہ کرکے جو بیٹھی تو پھر اٹھنے اٹھانے کی قسم ہو گئی۔ اتنے میں نواسی دوڑی ہوئی آئی اور کہا چھوٹی بی مٹھو مر گیا۔ گھبرا کر اٹھی اور سٹ پٹا کر چلی ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ پاؤں الجھا اور دھڑام سے گری مگر طوطے کی محبت اتنی زیادہ تھی کہ اپنی چوٹ بھول بھلا اٹھی اور سنبھل سنبھلا پھر چلی۔ نسیمہ کے اس طرح گرنے پر نواسی کو بے اختیار ہنسی آئی مگر میاں مٹھو کی محبت نسیمہ کو کچھ ایسی غالب تھی کہ چوٹ کا خیال نہ ہنسی کی پروا۔ جا کر دیکھتی ہے تو سچ مچ مٹھو میں۔ سال بھر کی محنت بولتا ہوا جانور دیکھکر دھم کی دھم رہ گئی۔ طوطا پہاڑی تو نہ تھا مگر تھا کسی ایسے کرکٹے نیم کا کہ ایک بات کہنے کی دیر تھی سُنی اور رٹی۔ اس غضب کا بولتا تھا کہ کیا کوئی مینا بولے گی۔ دانہ پانی روٹی ٹکڑا سب اپنے منہ سے مانگتا۔ ذرا نسیمہ ادھر اُدھر ہوئی اور اس نے چیخنا شروع کیا "چھوٹی بی کدھر گئیں" نسیمہ خود اس پر جان چھڑکتی تھی۔ شام کو دانہ پانی کُلیا پلا الگنی میں لٹکایا، ہونی شدنی اتارنا بھول گئی۔ دو تین دفعہ تو مٹھو نے آواز بھی دی۔ مگر غریب کی تقدیر میں مرنا تھا کسی نے نہ سُنا۔ جاڑوں کے دن ٹھنڈک کا وقت ہوا کو ہر تھر کُلیا میں پانی کی بوند نہیں۔ خدا جانے ہوا لگی یا پیاس مٹھی بھر کی جان پھڑ پھڑا پھڑ پھڑا ختم ہو گیا۔ سنجیدہ پہلے تو تو ہی کی جان کو آئی کہ یہ کیسی نالائقی کی حرکت ہے وہ تو گری اور تو بیٹھی کھل کھل ہنس رہی ہے۔ خبر نہیں کہ کن جانوروں میں رہی ہے کہ نام کو تمیز نہیں۔ کوئی گرے کوئی ہنسے ایسی ہنسی تو جوتیاں کھلواتی ہے۔ دوسرے کی تکلیف پر خوش ہونا آدمیت تو ہے نہیں۔ جانوروں کا کام ہے۔ مجھے تو یہ چاہئے

تھا دوڑ کر اٹھاتی۔ ہاتھ دباتی پاؤں داباتی۔ پوچھتی چھوٹی بی کہاں چوٹ لگی۔ افسوس کرنے سے تو گئی۔ الٹی باغ باغ ہو گئی۔ ایسا ہی ہنسنے کا مرض تھا اور کسی طرح نہیں رک سکتی تھی۔ تو اُدھر چلی جاتی پیٹ بھر ہنس لیتی پھر آ جاتی۔ ہنسنا اور منہ در منہ بے غیرتی اسی کا نام ہے تمہاری گود میں بیٹھوں اور تمہاری ڈاڑھی کھسوٹوں۔ اگر وہ غصہ میں کچھ کہہ بیٹھتی، چوٹ لگی ہوئی جی جلا ہوا کوئی ایسی ویسی بات کہہ دیتی تو منہ ہلا بیٹھ جاتی۔ بیٹی تو ہی سوچ یہ تیرا کام خفگی کا تھا یا نہیں۔ آج تو خیر سمجھا دیا اب ایسی نالائقی نہ دیکھوں۔ میرے پاس ایسی لڑکیوں کا کام نہیں چاہے کل سے آنا یا نہ آنا۔

سنجیدہ نواسی کو نصیحت کر رہی تھی اور نسیمہ بیچاری نہ گرنے کا خیال نہ ہنسنے کا ملال گم سم بیٹھی مٹھو کو دیکھ رہی تھی۔ سنجیدہ ادھر سے فارغ ہوئی تو بھتیجی کی طرف رخ کیا اور کہنے لگی ایسی بولاہٹ بھی کس کام کی۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ پائنچے چھوڑ چھاڑ جھٹ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تو خدا نے خیر کی کہ گاؤ تکیہ بیچ میں تھا نہیں تو خدا جانے آنکھ پھوٹتی سر پھوٹتا۔ نہ بھونچال کی طرح چلتیں نہ چوٹ لگتی۔ دوڑ چلتے نہ گر پڑتے۔ اسی لئے تو میں سولہ سترہ گز کے پائنچوں سے جلتی ہوں۔ فائدہ نہ حاصل۔ صرف کا صرف اور تکلیف کی تکلیف ہر وقت پائنچوں کی نوکری کیجئے۔ ایک ہاتھ تو بس اسی لئے انٹا ہو گیا۔ ذرا چوکے اور پائجامہ کیچڑ میں لت پت مٹی میں لتھڑ پتھڑ۔ اب اس مردے کو پھنکواؤ۔ بیٹھی پنجرے کو کیا گھور رہی ہو۔ مرنا تھا مر گیا اور تمہاری جان کو دعائیں دیتا مرا۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو۔ کُلیا کیسی خشک پڑی ہے۔ پانی کی بوند تک نہیں۔ ایک جان تمہارے ہاتھوں جانی تھی وہ گئی رات کو باہر نکلکر دیکھتا، کیسا جھکڑ چلتا ہے کہ قدم نہ اٹھے۔ اس پالے میں جو رات بھر بے زبان جانور باہر لگا رہا مرتا نہیں تو کیا کرتا۔ اپنی آرام کی چیز بست سب چیزیں اندر پہنچائیں اس کی جان تو مفت کی تھی اسے کیوں لاتیں۔ یہ پانچ سات بے زبان اللہ کی مخلوق تمہارے قبضہ میں ہیں۔ ان سے ان کا گھر بار چھڑا۔ ہمجنسوں سے تڑا۔ گھر سے کوسوں دور بے خطا بے قصور

اپنا جی بہلانے کو انہیں قید کیا تو اپنے آرام سے زیادہ ان کے آرام کا انتظام کرو۔ کھلا کر کھاتیں پلا کر پیتیں پہلے ان کو سکھ دیتیں پھر آپ آرام کرتیں۔ ہاں یہ بدنصیب طوطا تمہارے ہاتھوں اپنی زندگی ختم کر گیا۔ ہوا سے بچنے کے لئے آپ تو پردے بھی چھوڑے۔ انگیٹھی بھی جلوائی۔ اس مظلوم کا دھیان تک نہ آیا کس محبت سے کہتا تھا "مٹھو بیٹے کی بیوی" مٹھو بیٹا اپنی جان تم پر سے قربان کر گیا۔ کسی دن لحاف کا اوڑھنا بھول جاتیں تو میں سمجھتی کہ طوطے کو بھی بھول گئیں۔ ایسا لاپرواہ مزاج تھا تو ایک جان کے پالنے کی ذمہ داری کیوں لی تھی۔ کس بھروسے اور کس برتے پر اب یہ تھوڑے سے لال اور رہ گئے ہیں۔ آج ان کو بھی بھول جانا۔ تو پاپ کٹ جائے۔ جاری نواسی اس کو پنجرے سے نکال باہر پھینک آ۔

(۲۶)

دن ابھی کل کل پٹ پٹ میں تمام ہونے آیا۔ نسیمہ عصر کی نماز پڑھ کر بیٹھی کتاب دیکھ رہی تھی دھوبن نے کپڑوں کا گٹھڑ لا آگے ڈال دیا۔ اور کہنے لگی! اجی چھوٹی بی جلدی سے کپڑے دیکھ لو میرا بچہ صبح سے بخار میں پھنک رہا ہے۔ اس کے لئے دوا لیجاؤں نسیمہ نے نواسی سے کاپی منگوائی کپڑے کھولے اور ملانے شروع کئے اور گن گن کر الگ رکھتی گئی احتیاط اتنی تھی کہ ہر کپڑے کو اندر سے کھول کر دیکھ لیتی تھی کہ کوئی داغ دھبہ تو باقی نہیں رہ گیا۔ کچی چکن کا نیا دوپٹہ سوئی کا ٹانکا ٹوٹا یوں کا یوں ہی دھلنے بھیج دیا تھا۔ تیسری تہہ پر دیکھتی ہے تو دوپٹہ تھی پٹی۔ نون باندھنے کے لائق بھی نہیں۔ دھوبن سے کہا۔ قصوروار تھی۔ منت سے کہنے لگی۔ بیگم! نقصان تو بیشک ہوا۔ میں روٹی پکانے میں تھی۔ لادی کی لادی آگے پڑی تھی بیل نے چبالی۔ میرے حساب سے کاٹ لینا۔ دھوبن کا یہ جواب سنکر نسیمہ نے کہا ایری لگی لگائی لاگت اور خوشی تم نے سب غارت کر دی۔ کاٹوں گی تو میں کیا خاک مگر رنج بہت ہوا تکیہ کے دو غلاف پلنگ کی چادر اور میری اوڑھنی کہاں ہے۔ ننھے کے ہاتھ بھیجی تھی۔ دھوبن سنتے ہی قسمیں کھانے لگی کہ میرے ہاں کوئی چیز نہیں گئی۔

ادھر ننھا ادھر دھوبن قسمیں کھا رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں دے آیا۔ وہ کہتی ہے نہیں لایا سنجیدہ بولی بیٹی ایک دفعہ نہیں ہزار ہا دفعہ کہا۔ اپنے ہاتھ سے دینا اور اپنے ہاتھ سے لینا۔ یہ کیسی بے عقلی ہے کہ جو ملا اس کے ہاتھ بھیجدیا۔ دیکھو اتنے کپڑے جان سے جاتے رہے سنجیدہ ابھی بگڑ رہی تھی کہ بجا ماج کے یہاں سے لڑکی پوچھتی ہوئی آئی۔ یہ اوڑھنی چھوٹی بیگم کی تو نہیں ہے۔ بوجی کہتی ہیں کہ میرے ہاں تو اس رنگ کی اوڑھنی کسی کی ہے نہیں نسیمہ نے اوڑھنی لیکر غور سے دیکھا پھر کہنے لگی۔ پھوپی اماں ذرا آپ دیکھئے میں تو جانوں میری نہیں ہے۔ سنجیدہ نے کہا میں کیا دیکھوں۔ سیاہی کی شیشی پڑی جھک مار رہی ہے۔ اتنا ہوش تم کو نہیں کہ کپڑوں پر نام لکھ لو۔ اتنی سستی بھی کس کام کی۔ ایک دو حرف لکھنے کی فرصت نہیں۔ اب جو مصیبت ہو بھگتو اور اس غریب بہو کو تو چھٹی دو۔ ذرا تم آپ اٹھو وہ لڑکی کہاں کہاں سے کپڑے لائے گی۔ دنیا بھر کا قاعدہ یہ ہے۔ ایک جگہ مقرر ہوئی۔ میلے کپڑے سنبھے وہاں اتار دئیے۔ میرے گھر کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ دو یہاں دو وہاں تین یہیں چار کہیں۔ کچھ دھوبن نے کھوئے کچھ گھر میں گئے۔ چلو چھٹی ہوئی۔ سبحان اللہ کیا کہنا آیا ہے۔ دھوئیں میں کالا تیل میں چک ہے چک یہ دھلے گا کیا خاک۔ لاکھ صاف ہو جائے دھبے تو باقی ضرور ہی رہیں گے میلے کپڑوں کو بھی احتیاط سے رکھتے ہیں جتنے اجلے اور صاف جائیں گے اتنے ہی اچھے اور آبدار دھل کر آئیں گے۔ لو موزہ ایک ہی ہے۔ دوسرے کا پتہ نہیں۔ جب ہی تو کہتی ہوں اتارتے ہی وقت حفاظت سے رکھو تو اس وقت یہ ڈھنڈیا کیوں مچے اور اس اوڑھنی میں کھونچ لگ گئی تو سینا ہی نصیب ہوا کہ دھوبن کے ہاں جا کر بالکل ہی تار تار ہو جائے بیچ کیا ہو گیا۔ دھوبن کے یہاں پہنچا ہوا کپڑا اجانا کیسی بے غیرتی ہے۔ چلو اس بیچاری کو تو کپڑے لکھکر رہائی دو۔ دھوبن میلے کپڑے لیکر گئی تو نسیمہ نے گھٹری لا شیشی اتار نئے کپڑوں پر نام لکھنا شروع کیا۔ سنجیدہ بولی لکھتی تو ہو مگر اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ دھل کر سیاہی پھیل جاتی ہے۔ کپڑے پر نام لکھنے کی ایک ترکیب مجھکو مس صاحب نے بتائی

تھی۔ یاد رکھنا۔ بھولنا مت۔ چربے کا کاغذ ایک تختہ۔ کاربن پیپر یعنی کالا کاغذ ایک تختہ (نیلا ہو تو اور اچھا)۔ تھوڑا سا موم جامہ کا کپڑا۔ یہ تینوں بازار میں آسانی سے مل جائیں گے۔ پہلے چربے کے کاغذ پر پھول یا حرف یا اور کوئی نشانی جو بنانی ہو بنا لو یا کہیں سے دیکھ کر نقل کر لو۔ پھر اس کو ہاتھ سے صاف کر لو یعنی سوئی یا بھدی پھیلی ہوئی نہ رہے اس کو الگ رکھ کر موم جامے کے کپڑے میں سے اس چربے کے کاغذ سے جس پر نشانی بنائی ہے ذرا بڑا کتر لو۔ اس کپڑے کے ٹکڑے کو کاغذ پر رکھ کر پنسل یا سیاہی سے ہو بہو نقل کر لو۔ پھر جس کپڑے میں نشانی ڈالنی ہے اس کے کسی کونے پر یا جہاں لکھنا ہے نیچے یہ ٹکڑا کپڑے کا لگا دو۔ اس کے بعد پہلے کاغذ کا اتنا ہی ٹکڑا کتر کر موم جامے اور کپڑے کے بیچ میں رکھو۔ پھر کسی قلم کی ڈنڈی یا ہاتھی دانت کی سلائی وغیرہ کو موم جامے کے پھول پر خوب زور سے پھیر دو تاکہ کالا کاغذ اپنا نقش کپڑے پر دے دے۔ دھوئے دھوئے نہ جائیگا۔ بیٹی میلے کپڑوں کا انتظام نہ کرو گی تو اجلے کہاں سے پہنو گی۔ بیٹی جو کچھ کہا تمہارے فائدہ کو کہا

قصور تھا واقعی اور خطا درحقیقت، نسیمہ دم کیا مار سکتی تھی۔ پھوپی کہتی جاتی تھی اور اس پر گھڑوں پانی پڑ رہا تھا۔ کپڑے جمع ہوئے تو وہ اس ڈھنگ کے اوڑھنی ملی تو پاجامہ ندارد۔ دوپٹہ ہے تو کرتہ نہیں۔ مزاج تھا کہ کرتہ ایک پاجامہ پھرتا پھراتا اناج کی کوٹھری میں جا پہنچا۔ صندوق میں گھی کا کنستر، رستہ میں کپڑے۔ لاتے لیجاتے خوب ہی ٹپکا۔ گھی کی خوشبو کپڑے کا معاملہ کرتہ کی آستین یا جامہ کی موہری چوہے لے گئے۔ اوڑھنی کی ڈھونڈھیا پڑی تو وہ بھی آدھی سے زیادہ بل میں پہنچ چکی تھی۔ کپڑے آئے تو سہی مگر کیسے بیڈھنگے اور تتر بتر کر خدا کی پناہ۔ ایک مٹی کے تیل میں بسا ہوا تو دوسرا کیچڑ میں لت پت۔ کسی پر گھی کسی پر تیل۔ کسی پر گارا کسی پر کیچڑ۔

سنجیدہ جیسی بیوی کا گھر اور نسیمہ جیسی بچی کا انتظام کپڑوں کی یہ گت ہنسی بھی آتی ہے افسوس بھی ہوتا ہے۔ مگر خدا نواسی کا بھلا کرے۔ جب صفائی کی ضرورت ہوئی غسلی نہ ملی

گئی اور میلا کپڑا اٹھا لائی۔ نسیمہ غریب کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کپڑوں کو یہ آگ لگ ہی ہوئی اور بی فوجی کوٹ استرے سے برابر ڈھونڈ رہی ہیں۔ جو کہیں نسیمہ اس غصہ میں اسی کا نام لے دے تو سنجیدہ کچھ نہیں تو اس کو کچا کھا جائے۔ مگر اتنا نیشب سمجھو یا محبت ساری آفت اپنے سر لے لی اور اس کا نام نہ لیا۔

(۴۷)

تربیت اور تعلیم دونوں چیزیں جیسی لازمی اور ضروری ہیں ویسی ہی مشکل اور اہم۔ یہی وجہ تھی کہ سنجیدہ نے صرف تربیت اپنے ذمہ لی اور تعلیم استانی کے سپرد کی وہ سمجھی اور سمجھ کر درست ہے سنجیدہ نے تربیت کا حق ایسا ادا کیا کہ اگر کوئی کرے گا تو بس اتنا۔ تیرہ برس کی نسیمہ کا جوڑی کا بخیہ ایسا کرتی تھی کہ اچھے اچھے سینے والے اس کے ہاتھ پر عش عش کرتے۔ سنجیدہ جیسی سکھانے والی اور نسیمہ جیسی سیکھنے والی ماشاءاللہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھیں کیا مجال جو کپڑے پر کسی قسم کا داغ دھبہ نظر آیا ہو۔ مزاج میں احتیاط یہاں تک کہ کبھی میلے ہاتھ تک سے کپڑا نہ چھوا۔ سینے بیٹھی تو پہلے جگہ صاف کی۔ بچھائی چاندنی چاندنی۔ چادر ہوئی چادر، غالیچہ۔ قالین۔ دری۔ رومال۔ کوئی چیز بچھا لیتی تب اپنا اختر بختر کھولتی۔ کھانے سے فارغ ہوئی، صابن سے ہاتھ دھوئے۔ پھوپی تک پڑ کر سو گئی مگر اس کے واسطے دن کو سونا حرام۔ ہاتھ پیر کر جیا جب چل رہا ہے یتیم خانے کے چھوٹے چھوٹے بچے اپنے چھوٹے چھوٹے کپڑے لاتے اور وہ سرآنکھوں پر رکھتی عید سے ایک دن پہلے ایک بچہ سات نہیں آٹھ برس کا ہو گا رات کے وقت اپنا کرتہ پاجامہ لینے آیا۔ نسیمہ دن بھر اپنے چھوٹے بھائی کے کپڑوں میں لگی رہی۔ کپڑا ایوں کا یوں ہی رکھا تھا۔ بن ماں باپ کا بچہ اجلے کپڑوں کی خوشی عید کی امنگ سب خاک میں مل گئی۔ آنکھ میں آنسو بھر کر کہنے لگا: "اچھا تو آپا میں جاتا ہوں" نسیمہ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آنسو بہہ رہے تھے۔ سوچنے لگی اس کا میرے اوپر کچھ زور نہیں خوشی کا سودا ہے مگر اس کا دل اس وقت کیا کہہ رہا ہو گا

بچے کو اپنے پاس بلا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی بھائی اپنا دل نہ کڑھاؤ۔ نماز سے پہلے آ کر اپنے کپڑے پہچانیو۔ ماما کر لڑکا بچہ تھا۔ لیکن نسیمہ بھی تو بڑی بوڑھی نہ تھی۔ برس کا برس دن عید کا موقع۔ رات بیچ میں۔ چوڑی مہندی، کپڑا لتہ، بیسیوں کام تھے مگر صد آفریں نسیمہ تو نو بجے رات سے جو لیکر بیٹھی تو گھر کا بچہ بچہ سو گیا اور وہ نہ ہلی ادھر موذن نے صبح کی اذان دی ادھر اس نے ٹانکا توڑا۔

تربیت ہو تو اتنی اور تقدیر ہو تو ایسی جتنی محنت سنجیدہ نے نسیمہ پر کی سب ٹھکانے لگی سچ یہ ہے کہ جیسی جانفشانی سے اس نے بھائی کی اولاد کو پالا آج کوئی اپنے پیٹ کی اولاد کو نہ پالیگا۔ کون سا کام تھا جو نہ سکھایا اور کیا بات تھی جو نہ بتائی۔ چھ برس کی جان کو برابر بٹھا سوئی دھاگا حوالے کیا۔ کترنیں آگے ڈالیں اور تیپچی شروع کرا دی۔ ذرا ہاتھ چل نکلا تو چھوٹے بھائی کا کرتہ دیا اور کہہ دیا برابر کے دونوں تنے ہیں۔ کندھوں کی تیپچی چار آنگل ادھر چار آنگل ادھر پھر دو مگر اتنی احتیاط کرنا دونوں تیپچیاں برابر نہ ہوں یعنی اوپر کی چکلی ہو اور نیچے کی تپلی۔ دونو سیونیں برابر رکھو گی تو سیون موٹی ہو جائے گی۔ کندھوں کی تیپچی کر کے تو بغلوں اور آستینوں کی سیونیں لو وہ بھی اس طرح کہ اوپر کی چکلی نیچے کی تپلی۔ مونڈھے کے اوپر دونو آستینوں کے دو دو آنگل کی پٹی چھوڑ کر لگانا۔ سمجھ گئیں؟ چاکوں کے بیچ میں آنگل بھر کی چکوتی لگے گی جو بات نہ سمجھی ہو ابھی سے پوچھ لو۔

(تیپچی) تیپچی کی ترکیب یہ ہے کہ کپڑا ہاتھ میں لیکر بڑا اوپر اور چھوٹا نیچے رکھا اور پھر سینا شروع کیا۔ سوئی میں جتنا کپڑا آ جائے۔ یعنی جب سوئی میں کپڑا بھر جائے اس وقت سوئی نکال لو۔ اور پھر آگے شروع کرو۔ اسی طرح ساری سیون ختم کر لو۔ جب پوری کر چکو تو جہاں سے تیپچی شروع کی ہے وہاں سے ناخن دو۔ مطلب یہ ہے ناخن سے کھینچکر صاف کر دو کہ تیپچی کے بیچ میں جھول یا سلوٹ نہ رہ جائے یا تاگے کی گرہ نہ پڑ جائے۔ ہاں جہاں تیپچی ختم ہو وہاں دو تین ٹانکے لگا کر دھاگا توڑو تاکہ ادھڑ نہ جائے۔ پھر ٹھیکی بنا دو اس طرح کہ سیون

کو موڑ کر۔ بیچ کرتہ کو ہاتھ سے صاف کر دو۔ اب کرتہ کپڑا ہو گیا وہ جو مونڈھے کی پٹی چھوڑی ہے اس میں لال ڈورا دو۔ چکلی پٹی اوپر اٹھائی۔ نیچے کی تپلی سیون میں ڈورا رکھا اور وہ چکلی سیون اوپر رکھ دی۔ بسیہ ہا کیا اور کوک دی کہ چکلا تپلا نہ ہو جائے۔ کر کے تم جانتی ہو؟ (خشیہ) لمبے لمبے ٹانکے ڈورے کے برابر لگا دیئے کہ ڈورا چکلا تپلا نہ ہو۔ اب کرتہ کو پھر الٹا کیا اور کلی کی سیون سے ترپن شروع کی اوپر کی سیون جو چکلی ہے کترواں لے موڑا دو حصہ باہر ایک حصہ اندر مگر موڑا اس طرح کہ سلوٹ نہ رہی۔ پھر لے برابر ترپنا شروع کیا۔ باریک باریک کلی کی سیون کو ترپتے ترپتے مونڈھے تک لے آئے مونڈھا کر کے دوسری کلی پر اتر گئے اس کو نیچے جا کر ختم کیا۔ غرض اسی طرح چاروں کلیاں کر لیں۔ پھر بغل کی سیون شروع کی۔ دونوں بغلوں کو ختم کیا۔ اس کے بعد آستین کی سیون شروع کی اور دونو آستینوں کو پورا کیا۔ اتنا ہو چکے تو کرتہ کو اب سیدھا کرو۔

ترپن کا قاعدہ یہ ہے کہ کپڑا دونوں گھٹنوں میں پکڑ کر ایک ایک ٹانکا نکالنا شروع کر دیا تیپچی کی طرح نہیں کہ جب کپڑا سوئی میں بھر گیا تو چھوڑا اگر ہاں جس طرح تیپچی میں ختم کرتے وقت دو تین ٹانکے لگاتے ہیں۔ اسی طرح ترپائی میں ٹانکا توڑتے وقت دو تین ٹانکے یوں ہی لگا دیتے ہیں اور پھر ختم کرتے ہیں۔ تیپچی کو ناخن سے صاف کرتے ہیں۔ ترپائی کو انگلی پھیر کر۔ کہ ٹانکا اچھی طرح بیٹھ جائے۔

پھر کرتہ سیدھا کیا ایک انگل سے کم گھیر موڑا اور اس کی سیون ترپن کے لئے موڑ کر ترپنا شروع کیا۔ گھیر ختم کیا اور چاکوں کی سیون بہت تپلی موڑی اگر چاکوں میں ہو تو گھیر ترپا جائیگا۔ چاک نہیں ہے کلی نہیں ہے تو چار سیونیں۔ یہ سب کر چکو تو چکوتیاں ترپنا۔ پھر بخیہ سے بخیہ شروع ہوا۔ ہو چکا تو چکوتیوں پر کیا۔ گھیر میں بیل لگتی ہے تو چکوتیاں نہ ہونگی ان کے بدلے کونے بنجائیں گے۔ اب گریبان۔ تو پہلے ایک انگل پٹی داہنی طرف لگائی ادھر لگا کر ادھر یعنی الٹی طرف ترپا۔ چار انگل پٹی نیم سکیہ کی اکہری

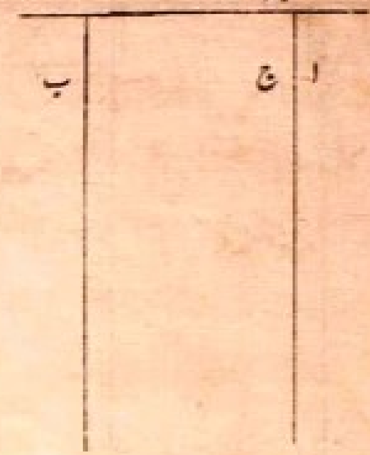
لگائی اور تیپچی بھری۔ اس کو آدھا الٹا ڈور اور پھر قلم بنائی (کوکا) گریبان میں پٹی لگائی چاہے کالر لگاؤ چاہو آڑی پٹی۔ کالر ہوگا تو سیدھا۔ پٹی ہوگی تو آڑی۔ پٹی لگائی ہے تو ذرا ادھر اس کو کوکا۔ کوک چکے تو پہلے یہ دیکھا کہ سیدھا ہے۔ پھر بخیہ کیا۔ اب اوپر نیچے کا برابر رکھ کر دیکھ لیا کہ درست ہے تو کاج بنا دیئے بخیہ کر دیا۔

(بخیہ) بخیہ بھی ترپائی کی طرح گھٹنوں میں رکھکر ہوتا ہے مگر ترپائی میں ایک ٹانکا برابر نکلتا ہے بخیہ میں بالکل ملا ہوا رہتا ہے۔ جس طرح خشخاش کا دانہ بہت باریک ہونا چاہیئے کرتہ تو خیر ختم ہو گیا۔ مگر اورے کی ابھی ترکیب رہ گئی۔

(اورما) اورما زیادہ تر پلنگ کی چادروں یا بچھانے کی چاندنیوں میں ہوتا ہے اورما دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلے میں تم کو سیدھا اورما بتاؤں۔ ایک لیٹا اورما کہلاتا ہے پھر وہ بتاؤنگی۔ چادر کا سیدھا اورما بتاؤنگی۔ گر چادر میں تو پہلی کا ٹانکا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ خیر تمہارے بچھانے کے لئے چادر ہی میں بتاتی ہوں۔ کنی سے کنی ملا کر چار انگل پر سے سی لو۔ یوں ہی شروع کرو گی تو ایسا نہ ہو جھول رہ جائے۔ کنی بڑھتی ہو جائے پہلے تو چار انگل پاؤں کے انگوٹھے میں پکڑ کر سی لیا۔ پھر گھٹنے میں رکھکر اورما شروع کر دیا۔ اور ساری سیون ختم کر دی۔ انگوٹھے کے ناخن سے صاف کیا اور چٹکی دیدی اورما دور دور نہ بھرنا چاہیئے نہیں تو جالی پڑ جاتی ہے۔ پاس پاس ہو۔ گتھا ہوا ہو۔ اورما موٹے تاگے سے ٹھیک ہوتا ہے۔ اسکا بھی ایک ایک ٹانکا لیا جاتا ہے۔ ترپائی میں اور اورمے کے ٹانکے میں فرق یہ ہے کہ اسکا ٹانکا مہین ہوتا ہے۔ اس کا اس سے ذرا موٹا۔

چادر میں ابھی ایک کسر رہ گئی۔ دو تو آنچل ترپے جائیں گے۔ اگر پٹیوں کی طرف کنی ہے تو خیر ورنہ پٹی کی طرف سیون باریک پڑتی جائے گی۔ نشانی کے واسطے چاہے کیسی ہی لڑی ڈالدو۔ اچھا لو کرتہ کا حساب سمجھو۔

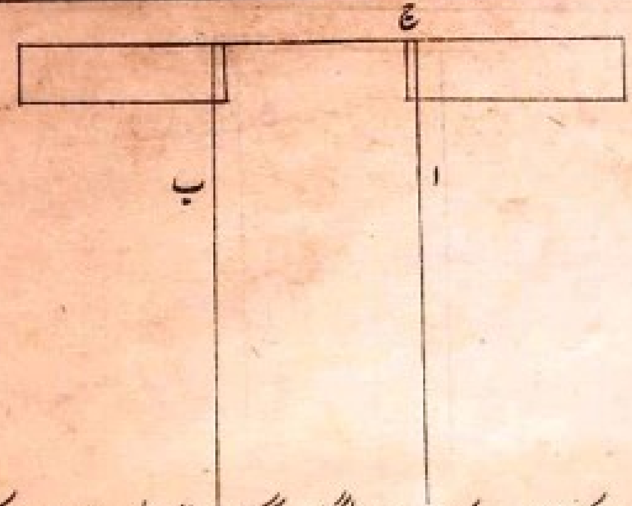
کرتہ



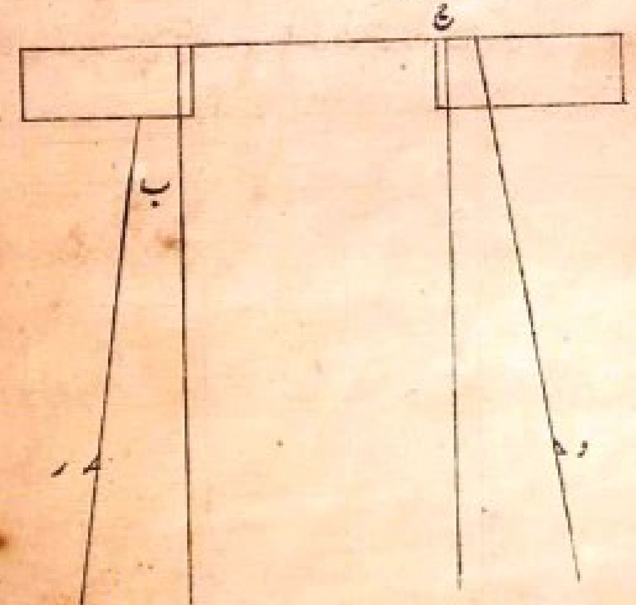
الف اور ب دو تنے ہیں جب ان کی تیپچی بھرلی تو یا اوپر نیچے ہو گئے اب ضرورت ہے ان میں آستین لگانے کی۔ کسی ایک تنے کے بیچ میں شروع کرو یعنی لمبائی کے بیچ میں جس جگہ ج ہے اس چکلان کے بیچوں بیچ آستین لگ جانے کے بعد یہ صورت ہو گی۔



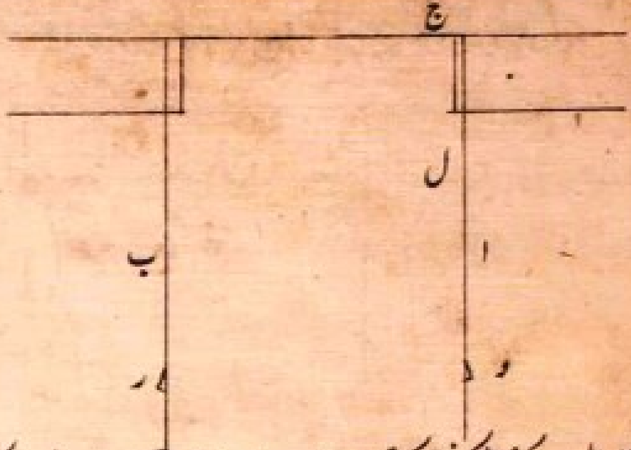
اب جو دو انگل کی پٹی مونڈھے پر ہے دو تنے پر ترپی جائے گی اور کرتہ اس ہیئت پر ہو گا۔



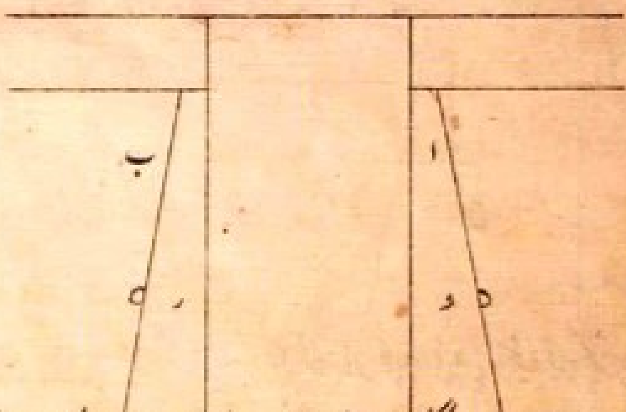
چاکوں کے بیچ میں جو چکوتیاں بنائی گئی ہیں اگر بیل نہ لگائی جائے تو وہ بھی کرٹہائی میں شامل ہیں۔ جن کی صورت یہ ہے۔



یہ ا اور ر دونو چکوتیاں رہیں۔ سیپی کی ترکیب بتانے کے بعد جو لال ڈورے کا ذکر آیا ہے وہ معمولی کرتوں میں ضرور نہیں۔ مردانے کرتوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صرف زنانے کرتوں میں وہ بھی اگر کپڑا اچھا ہو تو خوبصورتی کے واسطے۔ ریشم۔ ململ۔ تن زیب وغیرہ میں دیا جاتا ہے



ل یعنی بیچکلی پٹی اوپر کی اُٹھا کر نیچے کی تپلی سیون میں جہاں حرف ج ہے جہاں ڈورا رکھا اور سیدہا کر کے احتیاطاً کو کنی اور بخیہ شروع کر دیا۔ اب کلی کی سیون شروع کی اور وہ اسطرح



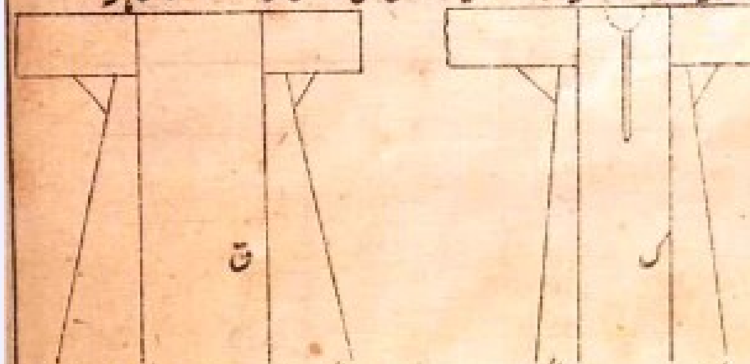
م اور ن یہ دونو کلیاں ہیں گر کلی میں بغل پہلے سے لگا لینی چاہیے۔ یہ کلی میں بغل جڑی ہوئی ہے۔



یہ دونو کلیاں بغل میں لگی ہوئی ہیں جو آستین میں لگا کر تنے پر لگیں گی۔



کلی میں بغل نکالنے کے بعد آستین میں لگی ہوئی صورت ق سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جب کہ کلی بغل میں لگی آستین میں جڑی تنے میں لگائی گئی تو اس کی صورت ک کی ہے۔



ق سادہ کرتہ ہے جس میں فقط گھیر ترپا ہوا ہے۔ چکتیاں لگی ہوئی ہیں۔ بخیہ وغیرہ کچھ نہیں ہے ک بالکل تیار کرتہ ہے۔ گھیر میں بیل لگی ہے۔ لال ڈورا ہے۔ بخیہ ہے۔ یوں سمجھو یہ زنانہ ہے وہ مردانہ۔

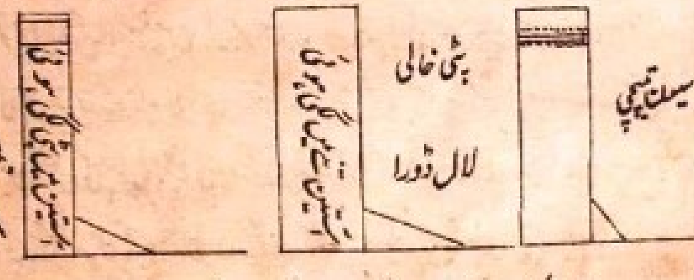
(۲۷)

شوق سے سیکھنے والی۔ دل سے سکھانیوالی۔ نسیمہ کے ہاتھ میں صفائی نہ ہوتی تو پھر کس کے ہوتی۔ کچھ ایسا چسکا پڑا کہ ادہر ادہر سے مانگ مانگ کر کپڑے لیتی۔ آدھی آدھی رات تک سیتی اور تیار کرتی۔ دس میں کپڑوں کا نکلنا تھا ہاتھ جم گیا۔ ٹنک سے سکہ ٹانکنے سے ٹانکا ملا کرتہ ہو یا پاجامہ۔ صدری ہو یا کرتی ایک سے ایک بڑھ ہی ایک سے ایک چڑھ ہی۔ گیارہویں برس تک تو یہ کیفیت تھی کہ غیر تو غیر خود سگی ماں شکل سے پہچانتی کہ یہ نسیمہ کا ٹانکا ہے

خدا کی قدرت منجھلی کے ہاں ہوا لڑکا۔ قبلہ دار صاحب کو بیٹے کا ارمان تھا۔ بھائی کہنے کو تو ماشاء اللہ پانچ چھ تھے اور سب صاحب اولاد مگر نری بیٹیاں۔ سینکڑوں تدبیریں ہزاروں ترکیبیں۔ گنڈے اور تعویذ فلیتے اور ٹوٹکے۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر لڑکا نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ خدا خدا کر کے یہ دن ہوا کہ خاندان میں بیٹے کی صورت دکھائی دی کنبے بھر میں عید تھی وہ دھوم دھام ہوئی کہ سارے شہر میں نام ہو گیا۔ جس جس سے جو کچھ ہو سکا اپنی اپنی حیثیت کے لائق سب ہی لین دین میں شریک ہوئے۔ نسیمہ نے بھی بھانجے کے لئے کرتہ ٹوپی تیار کیا۔ ریشمین ململ کا گلابی کرتہ۔ سبز ساٹن کا پاجامہ اسی کی ٹوپی۔ بھوپی کو بتانے کی بھی ضرورت نہ ہوئی اس نے آپ ہی کترا بھی اور سیا بھی۔ ٹوپی کے لئے ایک پٹی آڑی تین انگل کی چکلی باڑ بنا لی اور گول چندوہ کتر باڑ میں لگا لیا۔ نیچے قند کا استر ایک قند کی پٹی ویسی ہی تین انگل کی چکلی پٹے کے لئے نیچی لگائی۔ پہلے پٹھا ٹانکا اس کے آگے پیچھے گوکھرو کی ایک لڑی اور پھر سادے کی کٹوریوں کی بیچ رنگی تو آئی آگے پیچھے گوکھرو کی ایک لڑی اور پھر زری سنہری کرن اس سیدھی پٹی پر ٹانک کر الگ رکھی۔ چندوے اور باڑ پر ماہی پشت کا گوکھرو کا جال بیچ میں کرن کا پھول ٹانک پر گوکھرو کی قینچی ٹانک وہ جو پٹھا الگ کیا تھا۔ اس میں لگا دیا۔ ٹوپی تیار ہو گئی بہن کے بچہ کی خاطر اس قدر محنت کی یہ تو کوئی ایسی انوکھی بات نہ تھی۔ مگر نسیمہ کی مروت تو اپنے بیگانے سب کے حق میں یکساں تھی۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھی پڑوسیوں کے کپڑے سیتی اور سینا نہ نمٹتا۔ مفت کا درزی بے داموں کی مغلانی۔ سلوانے والوں کا کیا جاتا تھا۔ جس کو ضرورت ہوئی اٹھا کے کپڑے بھیج دئے۔ پڑوس میں ایک بڑی بیگم رہتی تھیں۔ صبح کی نماز پڑھ ایک دن نسیمہ قرآن شریف پڑھنے بیٹھی کہ بڑی بیگم صاحب کی ماما بڑے عرض کی چھ گز تنزیب لیکر آئی۔ سلام کیا اور کہا بیوی نے بہت بہت دعا کہی ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر آپ کو فرصت ہو تو چار کرتے سی دیجئے

گریبان اور مونڈھوں میں کیکری اور کٹاؤ ہوگا۔

انکار تو بڑی چیز ہی نسیمہ کے مزاج سے تو تامل بھی مشکل تھا۔ تن زیب لے گٹھری میں باندھ پڑھنے بیٹھ گئی۔ دوپہر کو کھانے پینے سے فراغت پا کر کرتے سینے شروع کئے اور آستینیں لگائیں۔ ڈھائی انگل کی پٹی نین سکھ کی پھاڑ کر ادھر ادھر دونوں مونڈھوں پر لگائی۔ سیون کی جگہ ایک ایک انگل پٹی آستین کی طرف کیکری کے حق کی چھوڑ کر بخیہ۔ برابر میں لال ڈورا دیکر کوک دی اور پھر بخیہ کیا۔



اب جو پٹی تہ کی طرف بچی ہی اس کو صاف کیا اور جتنی پٹی ادھر چھوڑی تھی اتنی ہی دوسری طرف کیکری کے حق کی چھوڑ کر کوک دی۔ وہ پٹی جو کیکری کے واسطے باقی ہی اس کو انگل انگل بھر سے کم برابر کترا اور کیکری موڑ کر سینا شروع کیا۔

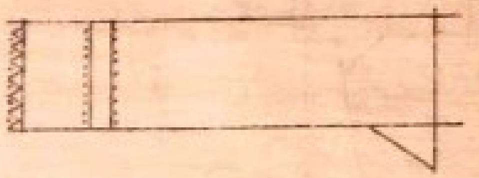


کیکری کا کچھ حصہ مڑا ہوا

خالی پٹی میں کیکری کتری ہوئی



موڑتی گئی اور سیتی گئی۔ دانہ اس طرح موڑا کہ اوپر سے زیادہ نیچے سے کم اتنا ہی دوسری طرف سے مڑا، تو بیچ کا دانہ خوبصورت ہو گیا۔ نوک ٹیڑھی نہیں ہونے پائی اور سیدھی دانہ برابر۔ جتنی نوک پتلی مڑی اتنی خوبصورت کیکری ہوئی



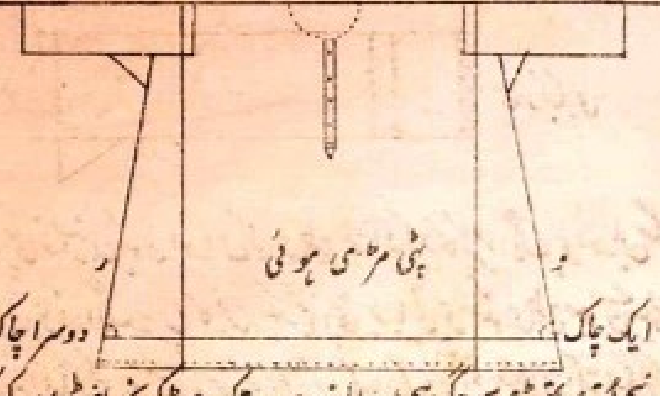
تیار کیکری

کیکری ہو چکی تو آستین کھولی اور اس کو اس طرح موڑا کہ کرتہ کا کپڑا الگ ہو اور نین سکھ جو بیچ کا باقی ہو وہ الگ۔ بیچ کا نین سکھ یعنی پٹی جو باقی ہو اسکو اسی طرح سیون کے سیون برابر ملا کر دوہرا کیا کہ کٹتی بڑھتی نہ ہو۔ پھر اس کو ایک ایک چاول چکلا اڑا کترا۔ اگر کوک تک ختم نہ کیا۔ نہیں تو پٹی بالکل کٹ جائے گی اور الگ ہو جائے گی۔ کترنے کے بعد صاف کیا۔ بیچ میں کوک دی اور ترپنا شروع کیا مگر وہیں سے ترپنا شروع کیا جہاں سے کترا ہو ایک طرف سے جس قدر کترا ہو سب سیونیں ختم کیں۔ پھر دوسری طرف کا شروع کیا۔ کٹاؤ میں سب سے بڑی احتیاط اس بات کی ہو کر نوک برابر رہے۔ اگر کے پیٹ میں سے ایک ہو چکلی تپلی یا ٹیڑھی سیدھی نہ ہو۔ گو بعض آدمی کٹاؤ پہلے کر لیتے اور بعض دوسری طرح سے بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ بہت آسان طریقہ ہی۔

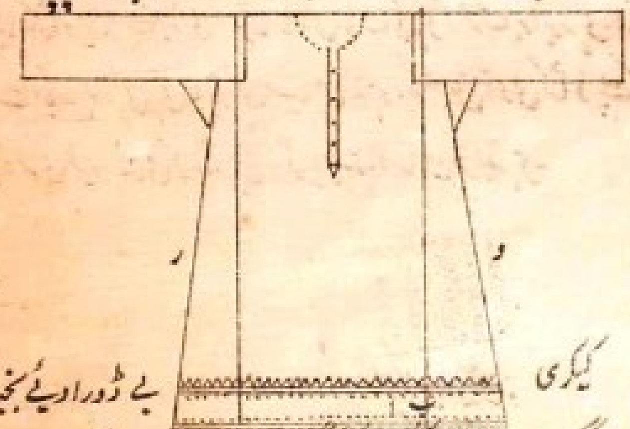


کیکری اور کٹاؤ

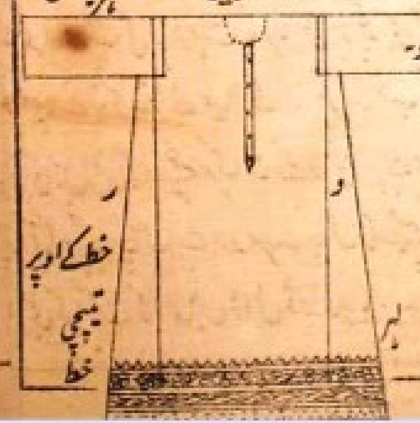
بیگم صاحب کی درخواست یا فرمائش جو کچھ بھی تھی بس اتنی کہ کیکری اور کٹاؤ ہو جائے مگر نسیمہ نے تو کرتے ایسے طیار کئے کہ بیگم صاحب کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ گیرمیں پھول پتی کی بیل ایسی کہ دیکھنے دکھانے کے لائق۔ پہلے ایک انگل پٹی نین سکھ کی کتری اور گھیر پر رکھ کر ایک چاک سے دوسرے چاک تک تیپچی بھر دی۔ موڑ کر چکلی دی صاف کیا پھر بھی کو الٹ کر اس میں لال ڈورا دیدیا۔ سیدھا کر کے کوک مار دی۔ بخیہ کیا۔



اب نیچے اتری تھوڑی سی جگہ بیچ میں الف سے ب تک چھوڑ کر بخیہ بغیر ڈور کے کر دیا
اس کے آگے کیکری بنائی۔ باریک پیچک کا دہرا دھاگا سوئی میں پرو کر کیکری کے
آگے چاروں طرف تیپچی بھر دی ایک انگل کپڑا کرتے کا کیکری کے آگے والا دے رنگ
چھوڑ کر موڑا۔ اور چٹکی اس لئے دیدی کہ خط پڑ جائے خط کے اوپر ایک تیپچی اور بھری۔



بیچ کی جو جگہ خالی ہے یعنی پٹی کیکری کے آگے کی وہ بے رنگ اس میں تاگے سے لہر بنائی۔
گر تیپچی کی اس طرح کہ خانہ کٹی پڑتی نہ ہو۔



لہر میں یہ احتیاط رہی کہ نوک نکلی ہوئی ہو۔ لہر بن گئی۔ اب اس میں پیچک کے دہرے دھاگے
کی ڈنڈیاں کروٹ میں سے نکالیں۔





جب ڈنڈیاں بن چکیں تو ہر خانہ میں پھول بنائے۔ نین سکھ کی پٹی انگل بھر سے ذرا
کم موڑ کر ایک کتری اور اس میں پتیاں کترنی شروع کیں۔



اس لمبی پٹی کو موڑ کر انگل انگل بھر سے کم خط ڈال لے اور پھر قینچی سے اس صورت پر
ہر نشان کو کترنا شروع کیا۔



اب یہ پتیاں کتری ہوئی اس ڈنڈی میں تین تین لگائیں خواہ تینوں ایک قسم کی
خواہ دو گول اور ایک لمبوتری۔ خواہ تینوں لمبوتری۔



جب یہ تینوں لگا دیں تو ایک ایک پتی کو نہ پار و لگی اتنا خیال رکھا کہ پتی جتنی پتلی ہوگی
خوبصورت اور جتنی چکلی ہوگی بھدی۔



اب اس میں کنگورہ بنایا وہ اس طرح کہ سوئی میں دہرا تاگا لے کر پہلے بے پتی کے کنگورے
کی حد تیپچی سے بنائی۔

بے پتی کے کنگورے کی حد تیپچی سے۔



اب اس ڈورے کے آگے آڑی پتیاں کتر کر نکالنی شروع کیں۔



رشتہ نہیں ناتا نہیں محلہ کا رہنا پڑوس کی بات بیگم صاحب سمجھتی تھیں نسیمہ جب کبھی
گھر کے کام دھندوں سے جھٹکارا ہوا گھڑی آدھ گھڑی کو یہ بھی لے بیٹھے گی۔ اُٹھتے بیٹھتے مہینہ
دو مہینے میں کسی نہ کسی طرح کرتے تیار ہو جائیں گے مگر نسیمہ اللہ کی بندی کو تو شروع ہی سے
مرض یا خبط جو کچھ بھی ہو گیا تھا یہ بات پڑی تھی کہ جو کام کرنا ہے جب تک ختم نہ کرے چین
سے بیٹھے نہیں۔ ایسی ہی کوئی مجبوری یا لمبا چوڑا کام ہوتا تو وہ دوسرے دن پر رکھتی۔ نہیں تو
کھانا پینا لیٹنا اٹھنا سب چھوٹ جائے مگر کام پورا ہو۔ کرتوں کا ہاتھ میں آنا تھا کہ لپٹ
پڑی اور ختم کر کے چھوڑا۔ آٹھ ہی دن میں چاروں کرتے جھٹ پٹ سی سلا کاڑھ کوڑھ کر
کرا الگ کئے۔ بیگم صاحب نسیمہ کو سگھڑ ہوشیار محنتی سب ہی کچھ سمجھتی تھیں مگر کرتوں
کو تو دیکھ کر دنگ ہو گئیں۔ کہتی تھیں ہاتھ ہے یا مشین۔ یہ بیل بوٹے کیکری کنگورے لنبی سے
جوڑے یا گوند سے چپکائے۔ صفائی یہ کہ کیا مجال جو کوئی ٹانکا بڑا چھوٹا ہو گیا ہو۔
داغ دھبہ تو در کنار سلوٹ تک نہیں۔ آب و تاب ایسی کہ جو بزاز کے ہاں تھی وہ
سل سلا کے موجود۔ ساڑھے چھ آنہ گز کی تن زیب نسیمہ کا ہاتھ لگ جانے سے دس
بارہ آنے گز کی نقل کو مات کر رہی تھی۔ دھلوانے کی ضرورت نہ استری کی حاجت۔ بیچاری
بستی کی رہنے والی انہوں نے یہ رنگ ڈھنگ کہاں دیکھے تھے۔ وہ تو یہی

جانتی تھیں۔ ساٹن کا پاجامہ پہنتے پہنتے گھٹنے پر سے نکل گیا۔ پہنے ہی پہنے سب ہی کو تب
بھر دو سلنگے مارے انہوں نے تو خواب میں بھی یہ صفائی ستھرائی نہیں دیکھی تھی۔ سنجھلی بی کا
جہیز دیکھ کر کہتی تھیں۔ بیوی دلی والیاں، اچھی تو یہ، عورتیں کیا ہیں آفت کا پرکالہ ہنڈی
کی چندی کرتی ہیں۔ کرتے دیکھ کر تو جتنی بیٹھی تھیں سب ہی واہ واہ کرنے لگیں۔ بیگم صاحب
تو بالکل ہی لٹو ہو گئیں پہلے تو سمجھیں کہ دلی والیاں سب ہی سگھڑ ہوتی ہونگی مگر سنجھلی کو
دیکھتی تھیں تو زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسی ماں کی بیٹی اسی پھوپی کی بھتیجی۔ بخیہ اور کیکری
تو بڑی چیز ہے ڈھنگ کا ٹانکا بھی چاہو تو ناممکن۔ آخر کرتے ہاتھ میں لیکر کہنے لگیں خوشا
نصیب اس ماں کے جس کی یہ بیٹی اور دھن بھاگ اس گھر کے جس میں یہ بہو ہو شاباش
ہے بی سنجیدہ کو کہ ایسی بچی اُٹھائی۔ میں نے تو اُن عقیقے ہی میں دیکھا تھا۔ کیسی بھلی
بھولی شکل تھی کہ دیکھ کر دل خوش ہوتا تھا۔ دونوں کے ناچ میں سب ہی لڑکیاں
بالیاں آئیں اور بچوں ہی کی خوشی تھی مگر ایک نسیمہ نہ آتی تھی نہ آئی۔ روزے کے قریب
کھڑے کھڑے آئی۔ بیل کا روپیہ لے اُلٹے پاؤں جیسی ہی بولی۔ میرا تو ایسا جی کڑھا کہ
کیا بتاؤں۔ صبح نماز کے وقت ٹھنڈے پانی سے بیٹھی وضو کر رہی تھی۔ میں تو اُس وقت
سے اس کی دیوانی ہوں۔ چھوٹی سی تو ہے کچھ ہی بڑی ہو کر کیا کچھ ہوگی۔ خدا اس کی عمر میں
برکت دے اور پروان چڑھائے۔ لڑکی کیا نعمت ہے۔ بات کرے تو پھول جھڑیں اُپٹ در
جنا کے سوا کوئی دوسرا لفظ اس کی زبان سے سنا ہی نہیں ابھی اس کی ماں اور پھوپی کا
کلیجہ سدا ٹھنڈا رہے۔ خیر ہٹیں طوطے پڑھیں گے تو خاک مگر کوشش تو میں بھی کروں شاید
کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا رہے۔ کچھ ایسا شوق چرایا کہ ایک لٹھے کا تھان ساتھ لے ڈولی
منگوا سنجیدہ کے ہاں جا اتریں نسیمہ کو گلے لگایا سینکڑوں دعائیں دیں اور کہنے لگیں
بچی میں تو تیری شاگرد ہونے آئی ہوں وہ جو بی سنجھلی کی چادروں میں بھیلی کا ٹانکا ہے
میری بھی ایک چادر بنادو۔ نسیمہ نے اسی وقت پانچ گز لٹھا پھاڑ دوپٹہ کی

چادر تیار کی بیچ میں مچھلی کانٹا کیا۔ جب سیون کی جالی پوری ہوگئی پاٹ جڑ چکے تو چاروں طرف سے ایک ایک انگل موڑنا شروع کیا۔ ڈورا ویکر کوک کا بخیہ کیا۔ وہ جو کپڑا مڑ کر نیچے رہا اس کی لیکری بنائی۔ آگے بازار کی بیل لگائی تینوں ڈبیاں کاڑھیں ایک پاٹ کی دو اس پاس چاروں کونوں پر چار بوٹیاں بنائیں۔ چادر تیار ہو چکی تو بیگم صاحب کہنے لگیں ذرا تم مجھکو مچھلی کانٹے کی ترکیب بتا دو۔ نسیمہ نے کہا ابھی لیجئے یہ بھی کوئی کام ہے۔ دیکھئے دونوں پاٹوں کو برابر کیا۔ مگر اس طرح کہ جھول نہ رہے گنی سے گنی ملا کر سینا شروع کیا۔ بس اتنی بات ہے کہ سوئی دھاگے کے بیچ میں سے نکلکر گنی پر جاتی ہے۔



یہ دیکھئے سوئی الف سے ب تک چلی اور پھر ب سے سوئی پلٹ کر اسی میں سے و کی جگہ ڈالکر ت تک نکال لی۔ ت سے ق تک لے گئے اور پھر اسی تاگے میں سے پرو کر م تک لائے م سے ل تک لے گئے پھر اسی ت میں سے پرو کر ق تک لائے اسی طرح چلے گئے اگر تاگے میں نہ نکالو برابر سے سوئی نکالو تو جالی بنجائے گی۔



بات فقط اتنی ہے کہ سوئی ختم کر کے ذرا پلٹ کر کے نکال لی۔ مگر بیگم صاحب ایک چیز اور رہ گئی لائیے وہ بھی بتا دوں لے لیٹا اور رہا کہتے ہیں اس میں کچھ بھی ہیر پھیر نہیں نہ تاگے میں سے نکالو نہ پلٹو بس یدھی طرح سوئی نکالتی چلی جاؤ لیجئے لیٹا اور رہا ہوگیا۔



مچھلی کانٹے میں تاگا ذرا ڈھیلا رہیگا کہ خوبصورت معلوم ہو اور جالی میں بھی زیادہ نہ کھچے گا ہاں اورے میں بہت کھچا رہیگا اور مڑا ہوگا۔ گنی سے گنی ملی رہیگی۔ اگر گنی نہ ہو دونوں طرف سے باریک موڑ لینا چاہیئے۔

ابھی بیگم صاحب بیٹھی ہوئی تھیں کہ رابعہ گہرے کپڑے کی کھول لڑکی چھپا ہوا کرتہ ہاتھ میں لیکر آئی اور کہنے لگی آپا نسیمہ! انگلیاں تو دو چھد گئیں اور بوٹی ایک نہ بنی۔ نسیمہ نے کہا بوا میں نے اسی وقت کہا تھا دو چار بوٹیاں تمہارے سامنے بنا دوں۔ تم کہنے لگیں میں سمجھ گئی۔ دیکھو یہ مولسری کی بوٹی کہلاتی ہے۔ صرف دو ٹانکے سے سی جاتی ہے پہلے ایک نیچے نکالا پھر ایک اوپر۔ دیکھو یوں سمجھو۔ یہ بوٹی جڑ کی ہے



الف سے شروع کیا اور ب تک پہنچی بھر کر لائے مگر اس طرح کہ یہ جو گنڈلی سی ہے اس پر پھیرتے ہوتے سوئی کو ت تک لائے۔



اب ایک ٹانکا جس جگہ ت لکھا ہے یہاں نکالا۔ کیونکہ جڑ کی پتی بنانی ہے۔ پھر تاگے کے نیچے سے سوئی نکالکر دوسرا ٹانکا اس پتی کی جڑ یعنی ت میں سے نکالا اب یہاں دو ٹانکے جڑ میں ت سے ب تک پہنچے کے لیکر ٹانکا پتی بنانے کے واسطے وہاں لیا جہاں ج لکھا ہے پھر اسی طرح سوئی کو اس پتی کی جڑ یعنی ت میں نکالا غرض ج



اسی طرح تیسری چوتھی اور پانچویں پتی بنالی اس کے بعد یہ جگہ الف سے ب تک خالی ہے۔ اس پر اڑے اور سے کی سوئی نکلے گی یہ تو چھپی ہوئی ہے بہت مشکل نہیں۔



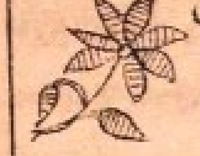
لے لو مولسری ہوگئی۔ اور یہ دیکھئے یہ دوسری بوٹی قینچی کی ہے لے جو سوئیاں کہتے ہیں



پتیاں اس میں بھی ہیں پہلے الف سے ب تک تہ بیچی بھری پھر ب سے الف تک سوئی واپس پھیری تو الف کے پاس یہ گنڈلی سی بنالی۔ لیجئے جڑ تیار ہوئی اب پتیاں بنانی ہیں جڑ یعنی ڈنڈی کے بیچ میں سے جہاں ج ہے پتی بنانی ہے پہلی پتی ج سے د تک گئی دوسری دال سے ج تک ڈال آئی چونکہ بوٹی جو سوئی



کہلاتی ہے۔ اس لئے ہر پتی پر چار سوئیاں نکلیں گی۔ یہ بوٹی تیار ہو گئی۔



مگر اتنی بات ہے کہ یہ کچی تیار ہوا گر پکی بنے گی تو کنڈلی کے بیچ میں سے سوئی سے چھید کر کے ادسا بھرا جائے گا۔ ہر پتی پر اورما ہوگا اور ڈنڈی پر بھی۔ لیکن میں سکھ پر کاڑھیگی تو بنڈل سے اور جو زیب پر کاڑھیگی تو باریک تاگے سے یہ جو کنڈلی میں چھید سا ہے یہ ادسا ہو لیکگی ہو گئی سب پتیوں پر ادسا کر دیا ہے فقط اتنی بات ہے کہ ہر پتی پر آڑی سوئی سے ادسا کیا ہے اب آپ ایک دو بوٹی ملاحظہ فرمائے اسے مویٹے کی چو سوئیاں کہتے ہیں۔ یہ اس طرح



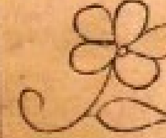
کاڑھتی ہے کہ چاروں سوئیاں اوپر ہی اوپر رہتی ہیں۔ نیچے نہیں آتیں یعنی جب تو اس طرح بنائی جس طرح پہلی بوٹیوں میں الف سے ب تک تیپچی کی اور کنڈلی بنا کر سوئی کو د تک پھیر لائے اب جس طرح مولسری کی بوٹی میں جڑ کے بیچ سے پتی



بنانی شروع کی اسی طرح د سے پہلا ٹانکا م پر نکالا اور دوسرا ٹانکا و پر نکالا اب تیسری سوئی اسی ٹانکے میں سے نکلیگی یعنی مرتا ہوگا م میں سے سوئی ہوتی ہوئی و پر آئے گی اب سوئی ب کی طرف بڑھی۔ دو ٹانکے لیکر دوسری بوٹی پر سوئی گئی دو ٹانکوں سے مطلب یہ ہے ایک واؤ اور اس کے بیچ میں



اور ایک س پر۔ چنانچہ س پتی کی جڑ ہو گئی۔ اب ٹانکا ل پر نکالا اور دوسرا س پر تیسری سوئی ل میں سے ہوتی ہوئی س پر آئی اب آپ سمجھ گئی ہونگی۔ بس اتنا خیال رکھئے کہ سیدھی طرف سے شروع اور الٹی طرف ختم ہاں یہ یاد رکھئے کہ تیسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلے گی۔ رہی بیچ کی کنڈلی اس میں اسی طرح جیسا پہلی بوٹیوں میں آپنے دیکھا۔ تین چار دفعہ سوئی پھیر کر چھید کر لیا اور ادسا کر لیا۔ چاہے تیبوں سے بھرے چاہے پیچے اچھا ایک آدھ



بوٹی کی بھی ملاحظہ کیجئے۔ دیکھئے خانہ توڑ کی بتاتی ہوں۔

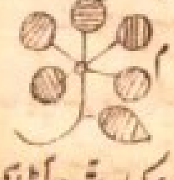
پہلے الف پر اورے کی پی کنڈلی بنائی پھر سوئی تیپچی بھر کے ب تک لائے اس پر آڑا اورما شروع کیا کہ پکی ہو جائے



اب جو یہ جڑ کی بنی ہر ج اس کو پکا کیا یعنی آڑا اورما کیا۔ یہ



دیکھئے پتی پر آڑا اورما ہوا کر پکی ہو گئی۔ اب اس کے بعد باقی پتیاں شروع کیں۔ ملاحظہ کیجئے۔ نیچے کی پتی تو اسی قسم کی رہی باقی پتیاں ایسی بنینگی یہ آپ کو اختیار ہے چاہے نیچے ایک رکھیے یا دو مگر ہاں یہ خیال رکھئے گا



جب پتی ج کی تیار ہو گئی تو دال کی تیاری کے وقت پتی م کی ڈنڈی کی جڑ میں جہاں م ہے دو ٹانکے لے کر سوئی سے اوپر جا کر پتی کے بیچ میں چھید کیا۔ پھر برابر چھید میں ادسا شروع کیا۔ پتی میں آڑا کر بوٹی میں گول ہوگا۔ اس کے بعد ڈنڈی میں جہاں دو ٹانکے تیپچی کے لئے تھے اس پر ادسا کر دیا اسی طرح سب پتیوں کو تیار کر لیا یہ تو ہو گئی۔ اب ایک بوٹی پھندے کی جسے بٹن بھی کہتے ہیں جڑ اور ایک پتی تو اس طرح بنے گی۔ جیسے پہلے ہاں پتیوں میں فرق ہے



دیکھئے یہ پہلی پتی ل کی ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ جب جڑ اور جڑ کی پتی بنالی تو پتی ل پر گئے پہلے تو تین چار دفعہ اندر سوئی پھرا کر چھید کر لیا۔ اب چھید میں سوئی نکالی اور ہاتھ کے انگوٹھے سے تاگا دبا کر دوسری سوئی پھر نکالی چونکہ تاگا دبا ہوا ہے۔ دوسری سوئی تاگے کے اندر سے نکلیگی۔ اسی طرح تیسری سوئی تاگے کے اندر سے نکالی۔ غرض جتنی سوئیاں نکلیں گی تاگے کے اندر سے نکلیں گی کہ پھندا بنجائے۔ غرض اسی طرح سب بنالیں۔ چاہے تین رکھے چاہے چار رکھے۔ نسیمہ لڑکی کو سمجھاتی رہی اور بیگم صاحب بھی پاس بیٹھی توجہ سے سنتی رہیں وہ تو پہلے ہی سے نسیمہ کا کلمہ پڑھ رہی تھیں اس وقت بالکل ہی ایمان لے آئیں اور ہزاروں دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں۔

(۴۸)

بتیجی کو دیکھ دیکھ پھوپی کا خون چلوؤں بڑھتا تھا کہتی تھی اس بیٹی پر سو بیٹے قربان اور

اور اس پتھر پر ہیرے اور لال ٹنارہ گیارہویں برس کا پورا ہوتا تھا کہ کنبہ بھر میں ناک ہو گئی قیمتی سے قیمتی کپڑے اور ٹمکل سے ٹمکل پھول پتیاں جو ساٹھ ساٹھ برس کی بڑی بوڑھیاں دیکھ کر حیران ہوں اتنی سی جان بے چھاپے اور بے نشان اُلٹے ہاتھ کا کڑھت بھی سنجیدہ کی گڑیا بارہ برس کی عمر میں پچاس برس کی بڑھیا پھوپی سے بازی لے گئی۔ ایسے ایسے ترنج اور بیل پتیاں دل سے نکالتی اور ہاتھ سے بناتی کہ وہ پھوپی یا استانی جو کچھ کہتی دنگ رہ جاتی۔

ایک دن دوپہر کے وقت باہر سے نوکر نے گھر کا طبخ[لہ] بھیجا اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہا۔ پورے بیالیس روپے کا سودا آگیا۔ تول لیجئے اور حساب کر لیجئے۔ دس روپے کے گیہوں ہوئے گیارہ سیر کے ہیں۔ آٹھ روپے کا گھی ڈیڑھ چھٹانک سیر کا ملا ہے۔ پہلے ان دونوں کو تلوا دو تو اور بتاؤں۔ نسیمہ نے پتیلے کا دھڑا کر کے بھیجا تھا۔ دھڑے کے بٹ ترازو میں جوں کے توں رکھے تھے۔ اس نے ماما کی نواسی سے کہا کہ تول لے۔ گھی تولا تو پونے نو سیر اترا تو اسی کہنے لگی لو چھوٹی بی پونے نو سیر ہے۔ ایک روپے کا ڈیڑھ چھٹانک سیر آٹھ روپے کا کتنا چاہیے۔

نسیمہ۔ مجھ سے پوچھ رہی ہو خود نہیں حساب کر سکیں؟ پہاڑے اگر یاد ہیں تو کیا دقت ہے سیر کی سولہ چھٹانکیں ہوتی ہیں آٹھ روپیہ کا آٹھ سیر تو الگ ہو گیا۔ اب ہاں ڈیڑھ چھٹانک فی روپیہ آٹھ ڈیوڑھے بارہ۔ یوں سمجھو آٹھ روپے کی آٹھ چھٹانکیں الگ ہوئیں اب رہ گیا آدھی چھٹانک فی روپیہ آدھی چھٹنکیوں کی چار چھٹانکیں چار چھٹانکوں کا پاؤ سیر تو اب جوڑ لو آٹھ سیر ایک۔ آٹھ چھٹانک ایک۔ ساڑھے آٹھ سیر تو یہ ہو گیا۔ پاؤ سیر ایک پونے نو سیر ٹھیک تو ہوا اچھا یہ تو بتاؤ اگر ڈیڑھ چھٹانک کم سیر ہوتا تو کتنا ہوتا۔ پہلے چھٹنکیوں سے حساب کرو سیر کی سولہ۔ ڈیڑھ چھٹانک فی سیر کم ہے۔ سولہ چھٹانک میں سے ڈیڑھ چھٹانک نکال دو ساڑھے چودہ رہیں۔ اب آدھی چھٹانک تو الگ کر دو۔ چودہ رہیں۔ آٹھ روپیہ کا حساب کرنا ہے چودہ آٹھے ایک سو بارہ اگر آدھ پاؤ کم سیر ہوتا۔ یعنی چودہ چھٹانک فی روپیہ تو آٹھ روپیہ کا

[لہ] کھانے پکانے کا تمام سامان

ایک سو بارہ چھٹانک ہوتا۔ گو میں پوچھ رہی ہوں ڈیڑھ چھٹانک کم یعنی آدھ پاؤ آدھی چھٹانک بڑھتی تو آپ کے دہی چھٹانک فی روپیہ اور حساب کر لو آٹھ کے آدھے چار تو گویا چار چھٹانکیں اور ہوئیں ایک سو بارہ تو ادھر ہوئیں اور چار یہ کُل ایک سو سولہ چھٹانکیں ہوئیں اُن کے سیر بنا لو سولتے ایک سو بارہ سیر تو یہ ہو گئے۔ چار چھٹنکیوں کا پاؤ سیر کُل سوا سات سیر ہوا۔ دیکھو یہی بڑا پہاڑہ۔

	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
دو	دو	چار	چھ	آٹھ	دس	بارہ	چودہ	سولہ	اٹھارہ	بیس
تین	تین	چھ	نو	بارہ	پندرہ	اٹھارہ	اکیس	چوبیس	ستائیس	تیس
چار	چار	آٹھ	بارہ	سولہ	بیس	چوبیس	اٹھائیس	بتیس	چھتیس	چالیس
پانچ	پانچ	دس	پندرہ	بیس	پچیس	تیس	پینتیس	چالیس	پینتالیس	پچاس
چھ	چھ	بارہ	اٹھارہ	چوبیس	تیس	چھتیس	بیالیس	اڑتالیس	چوّن	ساٹھ
سات	سات	چودہ	اکیس	اٹھائیس	پینتیس	بیالیس	انچاس	چھپن	ترسٹھ	ستر
آٹھ	آٹھ	سولہ	چوبیس	بتیس	چالیس	اڑتالیس	چھپن	چونسٹھ	بہتر	اسی
نو	نو	اٹھارہ	ستائیس	چھتیس	پینتالیس	چوّن	ترسٹھ	بہتر	اکیاسی	نوے
دس	دس	بیس	تیس	چالیس	پچاس	ساٹھ	ستر	اسی	نوے	سو
گیارہ	گیارہ	بائیس	تینتیس	چوالیس	پچپن	چھیاسٹھ	ستتر	اٹھاسی	ننانوے	ایکسو دس
بارہ	بارہ	چوبیس	چھتیس	اڑتالیس	ساٹھ	بہتر	چوراسی	چھیانوے	ایکسو آٹھ	ایکسو بیس
تیرہ	تیرہ	چھبیس	انتالیس	باون	پینسٹھ	اٹھتر	اکیانوے	ایکسو چار	ایکسو سترہ	ایکسو تیس
چودہ	چودہ	اٹھائیس	بیالیس	چھپن	ستر	چوراسی	اٹھانوے	ایکسو بارہ	ایکسو چھبیس	ایکسو چالیس
پندرہ	پندرہ	تیس	پینتالیس	ساٹھ	پچھتر	نوے	ایکسو پانچ	ایکسو بیس	ایکسو پینتیس	ایکسو پچاس
سولہ	سولہ	بتیس	اڑتالیس	چونسٹھ	اسی	چھیانوے	ایکسو بارہ	ایکسو اٹھائیس	ایکسو چوالیس	ایکسو ساٹھ

اور یہ دونوں سطریں تو یاد ہوں گی۔ یا اس میں بھی سوچنے کی ضرورت ہے۔

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

اتنا البتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تولے ماشے تو ہر وقت ہر گھر میں ہوتے نہیں اگر تولہ بھر تولنا ہو تو روپیہ۔ چھٹانک بھر تولنا ہو تو پانچ روپے بھر تول لیا۔ ایک حساب اور بتاؤ۔ اگر گھی ڈیڑھ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم ہوتا اور آٹھ کے بجائے سات روپے کا ہوتا تو کتنا ہوتا۔ دیکھو سولہ چھٹانک کے بدلے ڈھائی چھٹانک کم کرو ساڑھے تیرہ رہیں۔ سات کا حساب کرنا ہے تیرہ ستے اکیانوے آدھی چھٹانک باقی ہے سات کے ادھے ساڑھے تین۔ اکیانوے اور ساڑھے تین چورانوے۔ اب چھٹنکیوں کے سیر بنالو سولہ چھکے چھیانوے۔ چھیانوے ہوتیں تو چھ سیر ہوتے اب یہ ساڑھے چورانوے ہیں یعنی ڈیڑھ چھٹانک کم۔ تو لے لو حساب ہو گیا۔ ڈیڑھ چھٹانک کم چھ سیر۔

اچھا اب گیہوں تو لو پونے گیارہ سیر کے کہہ رہا ہے۔ دس روپے کے کتنے ہونگے گیارہ دہائی ایک سو دس گیارہ سیر کے ہوئے تو ایک سو دس سیر ہوئے۔ اب پونے گیارہ ہیں یعنی پاؤ سیر کم۔ دس پاؤ سیروں کا کیا ہوا۔ ڈھائی سیر ایک سو دس میں سے ڈھائی نکال لو۔ ایک سو ساڑھے سات سیر ہوئے اس کے من بنالو۔ دو من اسی سیر ہو گئے۔ باقی بچے ساڑھے ستائیس سیر اس کا دھون بناؤ گی تو بیس سیر کا دھون۔ دو من ایک دھون ساڑھے سات سیر ہوئے۔ دھڑی بناؤ تو پانچ سیر کی دھڑی۔ چاہے دو من ساڑھے پانچ دھڑی رکھ لو۔ چاہے دو من ایک دھون ڈیڑھ دھڑی رکھ لو۔

نواسی (تو لکر) جی ہاں چھوٹی بی ٹھیک ہیں۔ دیکھئے ذرا سے اُڑتے ہیں۔

نسیمہ۔ خیر اس کا خیال نہ کرو چھٹانک آدھی چھٹانک چھپن کے ادھر ادھر ہو گئے تو جانے دو۔ یہ تو تم جانتی ہو تین آدھ ہیوں کا ڈیڑھ یا تین چھٹنکیوں کا پون پا اور ہاں گے تو بتاؤ اگر یہ گیہوں سوا چودہ سیر کے ہوتے تو دس روپے کے کتنے ہوتے دیکھو چودہ دہائی ایک سو چالیس اگر چودہ سیر کے ہوتے تو سیدھا حساب تھا۔ اب یہاں سوا چودہ ہیں پاؤ سیر بڑھتی ہیں۔ دس پاؤ سیریوں کے ڈھائی سیر اور زیادہ کر لو۔ ایک سو چالیس سیر کے ساڑھے تین من ہوئے نہیں چالیس پر تقسیم کر لو۔ چالیس تئے ایک سو بیس تین من تو الگ ہو گئے۔ بیس سیر یا دھون بھر یا چار دھڑی الگ ہیں۔ ساڑھے تین من سمجھو۔ بس اب ڈھائی سیر ہی لو حساب پورا ہو گیا۔

اچھا اور بتاؤ ایک چیز چودہ آنے سیر ہے۔ پون پا کتنے کی ہوئی اور پاؤ بھر کتنے کی۔ سنو۔ ایک بہت آسان طریقہ بتاتی ہوں۔ یہ تم کو معلوم ہی ہے۔ تین پائی کا ایک پیسہ، چار پیسہ کا ایک آنہ، سولہ آنے کا ایک روپیہ۔ پندرہ روپے کی ایک اشرفی جس کو گنی سورین، پونڈ بھی کہتے ہیں۔ لو اب چیز کے نام گنو۔ چودہ آنہ کی سیر ہے تو ان چودہ آنے کے پیسے بنالو۔ چودہ چوک چھپن پیسے ہوئے۔ یعنی ایک چیز چھپن پیسہ کی سیر بھر ہے تو پون پا کتنے کی۔ یوں حساب کرو کہ ساڑھے تین پیسے چھٹانک ہوئی چھپن پیسے کی سیر بھر اٹھائیس پیسے کی آدھ سیر چودہ پیسہ کی پاؤ سیر ہوئی اس میں سے چھٹانک بھر کے دام نکالو۔ پون پا کے معلوم ہو گئے۔ چھٹانک بھر کے بڑھا دو سوا پا کے معلوم ہو گئے چودہ میں سے ساڑھے تین پیسے نکلے۔ دھیلا ڈھائی آنے رہے۔ یہ پون پا کی قیمت ہوئی۔ چودہ میں ساڑھے تین جوڑ دیئے۔ دھیلا سوا چار آنے ہوئے۔ یہ سوا پا کی قیمت ہو گئی۔

لو اب یہ دال چاول سب تول لو۔ مونگ کی دال ایک آنہ روپے کی آٹھ سیر سوا چار روپے کی تیس سیر ہوئی ٹھیک ہے۔ مرچیں اچھی سرخ پٹنہ کی کھلے بھاؤ چھ آنے

سیر بک رہی ہیں، سوا سیر ساڑھے سات آنے کی ہو میں۔ یہ پونے آٹھ آنے کی کس حساب سے تم لائے ہو۔ نئی چھالیہ کس نے منگائی تھی۔ آدھی سے زیادہ گلی نکلتی ہے۔ یہ تو یوں کی یوں ہی الٹی پھیر دو۔ بیوقوف کہیں کا۔ جا نا بڑی بی کہنا بارہ مہینے کا لانے والا۔ میں کبھی نئی چھالیہ کھاتی ہوں، پرانی لا۔ دیکھو کتھہ بھی اڑتا ہوا ہے۔ کم بخت آنکھیں بند کرکے کیوں سودا لاتا ہے۔ کیوں رے کریم یہ کتھہ پاؤ سیر ہے۔ سوا روپے کے دام اور پھر بھی اڑتا ہوا؟ دیکھے نہ بھالے، تولے نہ جھوکے جو دکاندار نے دیدیا آنکھیں بند کیں اور لے آیا۔ تجھے بھی ہیڑس پھیڑس کا مزا پڑ گیا ہے۔ بس اب کا گیا گیا شام کو پلٹیو۔ مفت کا پیسہ تو نہیں ہے کہ جو تولے آئے وہ میں رکھ لوں۔ کوئی ایسا سینکڑوں کوس بزار نہیں کہ چلتے ہی چلتے اندر آجائے، نگوڑی دو قدم پر منڈی۔ ہاں یہ ارہر کی دال نو سیر کیونکر آئی۔ پرسوں ہی تو نصیبن بھائی کے یہاں نئی دال سوا دس سیر کی لائی تھی۔ تجھے مرد کی صورت دیکھ کر اور سوا سیر کم کردی۔ جا اس کو بھی پھیر۔ عورت ذات تو لائے سوا دس سیر، یہ سورما نو ہی سیر اٹھا لائے۔ یہ چنے تیرہ سیر بارہ آنے کے کس حساب سے ہوئے۔ دنیا جہان میں پونے اٹھارہ بک رہے ہیں۔ ایک روپے کے پونے اٹھارہ آٹھ آنے کے آدھ پاؤ کم نو سیر چار آنے کے چھٹانک کم ساڑھے چار سیر جو چار آنے کے ہوئے وہ پونے اٹھارہ میں سے نکال دو۔ باقی بارہ آنے کے رہ جائیں گے تو پونے اٹھارہ میں سے چار سیر گئے پونے چودہ رہے۔ اس میں سے آدھ سیر اور نکالو سوا تیرہ رہے مگر نکالنے میں چھٹانک کم آدھ سیر اور نکالے پورے آدھ سیر سوا تیرہ سیر میں چھٹانک بھر اور ملاؤ سوا پاؤ ہوئے۔ یہ فقط تیرہ سیر ہیں۔ سوا پاؤ کہاں غارت ہوئے۔ جب کم بخت سودا لائے گا ایسا ہی خاک دھول لائے گا۔ آدھا پاؤ آٹا چونا جو ہاتھ لگا لایا۔ اور تھما دیا۔ غضب خدا کا یہ چوہے سے چاول ہیں۔ موٹے کھدی۔ بھائی اتنا کہا جتنا آٹے میں نمک۔ بی نواسی! اب یہ سب چیزیں مٹکے ٹھلیوں میں بھر کر کوٹھری میں رکھو۔ قفل لگا دو۔ مہینہ بھر کا سب سامان ہے۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مہینے بھر کا مطبخ گھر میں موجود ہو

ابھی ایندھن باقی ہے۔ اللہ چاہے کل وہ بھی منگوا لیں گے۔

گیہوں بھی سیلے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلے ان کو اچھی طرح سکھا لینا۔ پھر پسنہاری کو تولکر دینا۔ گو بیسن کی ایک چٹکی بھی گھر میں نہیں ہے چنے تو کل ہی سکھا چھان پھٹک پسنہاری کے حوالے کرو۔ ایک دفعہ ہی پسے پسوا لو۔ روز روز کی کہاں تکلیف اٹھاؤ گی۔ بڑی بی تو اور قسم کی آدمی تھیں۔ یہ لبی بڑھیا مجھے ذرا چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ پرسوں بھی سونٹھوں کی تھیلی کی تھیلی مٹکے میں سے نکالکر لائی ہوں۔ تم ہشیار رہنا۔ چیز ذرا کھلی پائی اور چوہوں کا لگ زور اس پر کوٹھری نہ چھوڑنا۔ جو چیز نکلوانی ہو تو اپنے سامنے نکلوائی اور قفل لگوا دیا۔ احتیاط کرو گی تو مہینہ بھر ایک آدھ دن زیادہ ہی کا سودا ہے۔ پھوپی اماں بہت اچھا کرتی ہیں کہ مہینہ بھر کا سودا منگوا لیتی ہیں۔ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ چھینکی گئی اور بنئے کے ہاں سے جنس آ گئی۔ خیر نہ برکت حاصل نہ فائدہ۔ سیر کا تین پاؤ تو بنئے نے بھڑا دیا۔ چھٹانک آدھ پاؤ ماما نے ہضم کیا۔ روٹی پکی تو کیسی کہ دانت نہ دیا جائے۔ کرکرا بے حساب۔ برے سے برا اور خراب سے خراب۔ خشکی تحز گئی۔ تو اب بنئے کی دکان پر دوڑے جاؤ۔ گھی ہے وہ آدھا چربی آدھا تیل۔ مہینہ بھر تک قرض کا پھیر رہا۔ تنخواہ آئی اور ریوڑیاں سی بٹ گئیں۔ پھر وہی بنئے کی منت اور خوشامد۔ پھوپی اماں کہتی ہیں چاہے سوکھا آٹا اور روکھی دال کیوں نہ ہو مگر اکٹھی بھروا لے۔ سالن نہ ہوگا دال۔ دال نہ ہوگی چٹنی۔ دو وقت نہیں ایک وقت وقت پر نہیں بے وقت۔ گھر میں چیز تو ہر وقت موجود ہوگی۔ وہ اس تکلیف کو اس آرام سے اور اس روکھی کو اس روغنی سے ہزار درجہ بہتر اور برتر سمجھتی ہیں۔ اب دیکھو چاروں طرف تلا توپ ڈال رکھی ہے۔ ایک ایک سے کہہ رہی ہیں صبح ہی بھائی اقبال کو ٹال پر بھیجا تھا کہ ایندھن اکٹھا پڑ جائے۔ اول تو سارے ہی دنوں میں انکی عادت ہمیشہ یہی رہی اور پھر آج کل تو سر پر برسات آ رہی ہے۔ بازار کے بھیگے چوڑے اپلے سیلی لکڑیاں بیٹھے پھوں پھوں کرتے رہو۔ تکلیف کی تکلیف نقصان کا نقصان۔ مٹی کے تیل کی انہونی کبھی برتی

نہیں منگوائی ہمیشہ کنستر۔ ایک بوتل کا فائدہ رہتا ہے اور پھر تیل اچھا۔ یہ نہیں کہ آج دھڑی، کل چھٹنی کالی ہوگی۔ پرسوں پانی ملا ہوا ہے۔ کوڑیوں اور پیسوں کے حساب کو تم ادنیٰ چیز سمجھنا ذروں سے پہاڑ اور کوڑیوں سے روپے بنتے ہیں۔ بھونیاں پھوئیاں تالاب بھرتا ہے۔

ہاں بی ظہورن! اشرفی میں سے کیا کیا لائیں؟ دو روپے گیارہ آنے کا کنستر۔ پونے چودہ آنے کا پان۔ کیا ہوا۔ گیارہ آنے اور چودہ آنے یہ پچیس ہوئے ایک روپیہ نو آنے ملا ایک پیسہ کم دو روپے ادھر کنستر کے یہ تین روپے پونے نو آنے ہوئے۔ پیسہ کی پچیس پوریں نو آنے ہوئے۔ پانچ پیسے کا بنڈل سوا دس آنے تین پیسے کے دیل پونے گیارہ آنے۔ یعنی تین روپے گیارہ آنے کا سودا آیا۔ ساڑھے پانچ آنے کے دو ٹھکے۔ پونے تین آنے۔ چلو دو پیسے چار روپے ہوئے۔ باقی دس روپے ساڑھے پندرہ آنے لاؤ۔

پھوپی پاس بیٹھی سن رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں کہ نسیمہ نے کس خوبی سے ذرا سی کو حساب کی باتیں سمجھائی ہیں۔ جی میں آیا کہ نسیمہ کو کچھ باتیں اور سمجھا دے کہنے لگی!

اچھا بی نسیمہ میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں سوچ کر جواب دینا۔ دیکھو ٹھیک ٹھیک بتانا۔ بیس آدمیوں کی دعوت، بریانی، قورمہ، شامی کباب تین چیزیں تیار کرتی ہیں۔ بتاؤ کیا کیا چیز کتنی درکار ہوگی۔ تم تو بالکل ہی چپکی ہوگئیں۔ لو سنو میں بتاؤں فی آدمی ڈیڑھ پاؤ رکھو۔ بیس ڈیڑھ پاؤ کا کیا ہوا۔ پو سیری کے حساب تو پانچ سیر ہوئے۔ یہاں ہیں ڈیڑھ پا یعنی آدھ پا زیادہ۔ بیس آدھ پاؤں کا ڈھائی سیر۔ پانچ وہ ڈھائی یہ ساڑھے سات سیر ہوئے پانچ سیر چاول کم ڈھائی سیر آٹا۔ ہو گئے ساڑھے سات سیر۔ اب سب جنس لو سیر کو پو سیری گھی تو سوا سیر گھی چاولوں کا ہوا۔ اب بریانی کا گوشت لو۔ دگنا ٹھیک ہوگا؟ دس سیر ڈالو۔ مصالحہ ستو، زعفران تولہ بھر الائچیاں آدھی چھٹانک گھی آدھی چھٹانک نمک پون پاؤ لہسن پیاز سیر بھر کیوڑا پاؤ سیر اب رہا قورمہ۔ سوا سیر گوشت ڈھائی سیر آٹے کو بہت ہے۔ سالن میں ڈیڑھ پا گھی۔ باقی ہلدی مرچیں دھنیا لہسن پیاز دہی

معمولی دو سیر کبابوں کا گوشت سمجھو۔ وہ ابل کر پس کر وہی کیا جائے گا۔ ہاں یاد رکھنا کہ چار پانچ انڈے ضرور ڈال لینے چاہئیں۔ اس سے کباب ٹوٹیں گے نہیں بلکہ خوب پھولیں گے تین پاؤ گھی رکھو۔ لو بھائی رحیم آگئے۔ کل سے یاد کر رہی تھی۔ تین آدمی بھیج چکی ہوں۔ لو بیٹی تم لکھتی جاؤ۔ میں سب کپڑا لکھوا دوں۔ دم بھر میں جا کر لا دیں گے۔ پھر میں کس کس کی منتیں کرتی پھروں گی۔ اور پھر بھائی رحیم جیسا کپڑا اکڑ دکان کی جان نکال لاتے ہیں۔ لکھو ایک تھان ململ کا ساڑھے انیس گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے۔ بھائی ایک عرض دیکھ لینا۔ چھیدے بنجائیں گے۔ اچھا بی اب بچی اوڑھنیاں لکھو نیلی گز کی رہیں گی وہی ایک عرض کی سوا گز کی والی پونے چار آنے گز کے حساب سے ایک تھان پورا پونے انیس گز کا۔ اب ہو کرتے انگرکھے آٹھ تہائی۔ ایک تھان سیکھیا کا ایک ڈورئیے کا۔ سیکھیا ساڑھے پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کا تھان ہوتا ہے۔ ڈوریا وہی ساڑھے تین آنے گز والا۔ دس گز۔ کافی ہوگا۔

اچھا بھائی صاحب! اب آپ تو تشریف لیجائیے۔ لو بیٹی۔ اب تم حساب کرو۔ کتنے کا سب کپڑا ہوا۔ منہ زبانی کو رہنے دو۔ لاؤ سلیٹ پنسل ادھر لاؤ۔ میں بتاتی جاؤں۔ تم لکھتی جاؤ۔ پھر سب جوڑ لینا۔

ایک	دو	تین	چار	پانچ	چھ	سات	آٹھ	نو	دس	گیارہ	بارہ	تیرہ	چودہ	پندرہ	سولہ	سترہ	اٹھارہ	انیس	بیس	اکیس
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20	21

یہ ہندسے تو اردو انگریزی کے تم کو یاد ہی ہیں۔ بس اب تم لکھتی جاؤ اور میں لکھواتی جاؤں شروع سے چلو ململ کا تھان ساڑھے ۱۹ گز کا سوا چار آنے گز کے حساب سے یہ میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ سولہ گرہ کا ایک گز ہوتا ہے۔ دیکھو یہ نقشہ بھی دکھا دیتی ہوں۔ بھول گئی ہو تو یاد کر لو۔

انچ	فٹ	فٹ	گز	گز	میل	میل	کوس	فرلانگ	کوس
۱۲	۱	۳	۱	۱۷۶۰	۱	۲	۱	۸	۱

میں نے تم کو جب ہم ایک دفعہ میرٹھ سے واپس آ رہے تھے تو رستے میں چھوٹے چھوٹے پتھر دکھا کر کہا تھا کہ یہ فرلانگ ہیں۔ جب سات پورے ہو جاتے ہیں تو آٹھویں پر میل آتا ہے۔ اور ایک میل سے دوسرے میل تک سترہ سو ساٹھ گز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ خیر اس وقت تو تم کپڑے کا حساب کرو۔ ہاں تو سوا چار آنے گز کے حساب سے ساڑھے ١٩ گز کی قیمت نکالنی ہے۔ اب اس کے دو قاعدے ہیں یا تو بیس تک کے پہاڑے یاد ہوں یا ضرب سے نکالو۔ انیس کا پہاڑہ یاد ہے۔ انیس چوک چھہتر آنے تو ایک آئے۔ مگر چونکہ سوا چار آنے ہیں ایک پیسے کے حساب سے انیس پیسے ایک ہوئے۔ یہ چھہتر آنے انیس پیسے انیس گز کی قیمت ہوئی۔ چھہتر آنوں کے روپے بناؤ اور انیس پیسوں کے آنے پھر روپے بنا لو۔ سولہ چوک چونسٹھ، چونسٹھ کے بعد بارہ بچتے ہیں یعنی چونسٹھ اور بارہ چھہتر تو چار روپے بارہ آنے تو یہ ہوئے اب ہوا انیس پیسے پونے پانچ آنے یہ ہوئے۔ دونوں کو جوڑ لو۔ پانچ روپے پونے تین آنے اور ایک دھیلا ہوا۔

پورے انیس گز تمہاری اوڑھنیوں کا تھان پونے چار آنے کے حساب سے یہ بھی اسی طرح نکالو۔ چار آنہ گز ہوتا اور انیس گز ہوتا تو وہی انیس چوک چھہتر چار روپے بارہ آنے تھان میں پونے چار آنے یعنی ایک پیسہ کم ہیں تو انیس پیسے نکالو۔ چار روپے بارہ آنے میں سے پونے پانچ آنے گئے، تو چار روپے سوا سات آنے رہے۔ اب چونکہ تھان پونے انیس گز کا ہے اور یہ قیمت ١٩ گز کی۔ اس لئے پاؤ گز کی قیمت اور کم کرو۔ گز بھر کے پونے چار آنے آدھ گز کے دھیلا سات پیسے پاؤ گز کے دمڑی کم چار پیسے تو چار روپے سوا چھ آنے اور ایک دمڑی ہوئی۔ اب سکیا اور ڈوریا لو۔ سکیا ساڑھے پانچ آنے گز۔ سوا بارہ گز کی قیمت نکالو۔ بارہ پنجے ساٹھ آنے ایک ہوئے۔ دو پیسے کے حساب سے چھ آنے۔ ایک ہوئے بارہ گز کی قیمت چھیاسٹھ آنے۔ یعنی چار روپے دو آنے ہوئے پاؤ گز کی قیمت ساڑھے تین پیسے۔ کل ہوئے چار روپے سوا تین آنے اور ایک دھیلا۔ ڈوریا ساڑھے تین آنے گز کے حساب سے بس گز تین دہائی تیس آنے۔ جس کے ایک روپیہ

چودہ آنے۔ دو پیسے کے حساب سے، دس گز کے پانچ آنے۔ کل ملا کر دو روپے تین آنے اور سب کو جمع کر دو۔

دمڑی	دھیلا	پائی	آنہ	روپیہ	
.	.	٩	٢	٥	میرے دوپٹوں کی مل
١	.	٣	٦	٤	نسیمہ کی اوڑھنیاں
.	١	٣	٣	٤	سکیا
.	.	.	٣	٢	ڈوریا
١	.	٦	٥	١٥	کل

جمع کرنا تو کوئی مشکل کام نہیں پہلے سب دمڑیاں جوڑ لو۔ وہ جوڑنی ہی کیا گئی۔ کل ایک تھی ہی ایک کی ایک جگہ۔ لو اب دھیلوں پر آؤ ایک اور ایک دو ہوئے مگر دو دو دھیلوں کا تو ایک پیسہ ہوتا ہے اس لئے یہاں کچھ نہ رہا۔ ہاں ایک پیسہ جو ہوا وہ پائیوں میں جوڑ لو۔ مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ دو دو دھیلوں کا ایک پیسہ ہو گیا۔ اس لئے جو کچھ جمع ہو کر آیا ہے اس کو دو پر تقسیم کیا۔ دو پر کیوں تقسیم کیا اس لئے کہ دو دو دھیلوں کا پیسہ ہوتا ہے۔ تقسیم کیونکر کیا۔ دو اکن دو خرج ایک حاصل ہوا اور بچا کچھ بھی نہیں۔ اس لئے خالی نقطے دے دیئے۔ اب ایک پیسہ جو ہاتھ لگا اس کو پائیوں میں جوڑو گی۔ کس طرح۔ پیسہ وہ پائیاں۔ اس کا ان کا کیا جھگڑا۔ برابر کی چیزیں جمع ہوتی ہیں پیسے پیسوں میں پائیاں پائیوں میں تو اب جو یہ ایک پیسہ جوڑنا ہے اس کی بھی پائیاں ہی بنا تو تین ہو گئیں۔ اب ان کو جوڑ دینے دیکھو۔ پائیوں کے خانے پر نظر رکھو۔ تین اور نو بارہ بارہ اور تین پندرہ پندرہ اور تین اٹھارہ۔ اب اٹھارہ پائیوں کے آنے بناؤ بارہ پائی کا آنہ اٹھارہ کو بارہ پر تقسیم کر دیا۔ بارہ اکن بارہ چھ باقی بچے ان چھ کو پائی کے خانے میں لکھو ایک آنہ حاصل ہوا اب اس ایک آنے کو آنوں میں جوڑ دو۔ ایک اور دو تین تین اور چھ نو۔ نو اور تین بارہ۔ بارہ اور تین پندرہ۔ یہ پندرہ کے پندرہ

ہی رہی۔ اس لئے آنوں میں پندرہ لکھو۔ آنوں کا کچھ حاصل تو ہوا ہی نہیں۔ جوڑو پیسوں میں جوڑو فقط روپے ہی روپے جوڑ لو۔ پانچ اور چار نو۔ نو اور چار تیرہ۔ تیرہ اور دو پندرہ بس روپے پندرہ ہوئے روپیوں میں لکھ دو۔

کل کیا ہوا؟ پندرہ روپے پندرہ آنے چھ پائی ایک دمڑی۔ لو یہ سب کپڑے کی قیمت ہوگئی۔

(۲۹)

نسیمہ تو خیر بیٹی بھتیجی شاگرد سب ہی کچھ تھی سنجیدہ کی تربیت سے جتنا کچھ بھی ہوتی تھوڑا اور کم۔ وہ بڑھیا ماما کی نواسی جو پچ پچ گستاخ گردوں کی طرح آئی اور گنواروں کی طرح رہی۔ ایک سنجیدہ کے فیض تربیت سے چند ہی روز میں پتھر سے پارس پیتل سے کندن غرض دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہوگئی۔ شروع شروع میں تو بہت اکڑی اور اکڑنے کی بات ہی تھی۔ آئی تھی یہ سمجھ کر نسیمہ برابر کی ہیلی کھیلوں گی اور کھاؤں گی یہاں آکر دیکھا تو صبح سے شام تک کام ہی کام دن رات اسی تاک میں رہی کہ بس چلے تو رسی تڑا تڑا کر ایسی بھاگوں کہ ملنا تو درکنار نام تک نہ لوں مگر ادھر نانی کا آنکس۔ ادھر سنجیدہ کا قبضہ کچھ ایسی پھنسی کہ بہتیرا ہی پھڑپھڑائی مگر نہ چھوٹنا تھا اور نہ چھوٹی۔ لیکن یہ گھبراہٹ اور بھڑک کچھ ہی دن کی تھی تھوڑے روز بعد روک ٹوک میں ہو لی۔ کھانا ملا اچھا دل لگ گیا۔ پھر نسیمہ جیسی لڑکی کا ساتھ۔ بات کی تو چمکار کر کام لیا تو پیار سے نواسی کی تو یہ کیفیت ہوئی کہ اس گھر پر پروانہ تھی۔ آٹھویں۔ دسویں پندرہویں بیسویں نانی کی زبردستی ملنے گئی گھڑی آدھ گھڑی بیٹھی اور چلی آئی۔ ہر چند گھر والے کہتے کہ اب آئی ہو تو رات کی رات پڑ رہو۔ نماز دم چلی جائیو مگر اس کا یہ حال تھا باتیں ماں سے کر رہی ہے اور دھیان نسیمہ میں پڑا ہے۔ بے سری بے تکی آئیں بائیں شائیں ادھر ادھر کی ہاں میں ہاں ملائی خیر صلاح خیر و عافیت کہیں پوچھ پاچھ اٹھی اور چلتی ہوئی۔

خدا کی شان ماما کی نواسی قطعی گر کی لڑکی اور یہ بھاگ کہ سنجیدہ نسیمہ اپنے ہاتھ سے سر دھلائیں بیٹے کے پاس بیٹھے چبائے ناگر پان۔ بڑے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان۔ وہی نواسی جس کی آنکھوں میں پہلے دن ڈھیروں چیپڑ تھے۔ ایک سال ہی بھر میں ایسی ہوگئی کہ بے جگائے اور بے بلائے سنجیدہ سے پہلے نماز کو اٹھتی اور نسیمہ کے ساتھ قرآن لے کر بیٹھتی خدا کی قدرت یاد آتی تھی۔ جس لڑکی کے ہاتھ کے کوئی چھوئے ہوئے بیر نہ کھائے آج وہ صرف اچھی صحبت اور تربیت کی بدولت اس قابل ہوگئی کہ جس گھر میں جا نکلی عزت اور جس خاندان میں پہنچ گئی وقعت۔ بڑی بڑی بیویاں اور میم زادیاں اس کی خاطر مدارات اور آؤ بھگت کرتیں۔ نواب علی نقی صاحب کی بیگم نے ایک دفعہ نہیں بارہا کہلا بھیجا کہ اگر نواسی زیادہ نہیں ایک چار گھنٹہ میری بچی کے پاس آبیٹھا کرے تو خیر اس کے قابل تو نہیں ہو مگر پندرہ روپے مہینہ۔ کپڑا جیسا برا بھلا مجھکو میسر ہو۔ روٹی جیسی روکھی سوکھی مجھکو نصیب ہو حاضر ہو مگر نواسی تو پندرہ کیا اگر پندرہ سو بھی کوئی دیتا تو نسیمہ کو خوشی سے چھوڑنے والی نہ تھی۔ اس کی کیفیت تو یہ تھی کہ اگر دم بھر کو بھی نسیمہ ادھر ادھر ہوجاتی تو بالکل بے چین۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دو جڑواں لڑکیاں ہیں جو کبھی کبھار وہ بھی بڑی مشکل اور زبردستی سے علیحدہ کر دی جاتی ہیں۔ وہی گھر اور وہی گھر کا کام جس میں دونوں پھوپی بھتیجیاں اور وہ ایک ماما دن بھر پلے رہتے اب اکیلی نواسی کے سر تھا۔ اگر یہ کہنا غلط ہو کہ اپنی آلکسی سے تو یہ کہنا یقیناً صحیح ہو کہ نواسی کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے نسیمہ نے دوسرے سال بالکل ہی ڈیوٹی دیدی۔ حساب کا شوق ایسا لگا کہ مہینوں باورچی خانہ میں آکر جھانکی تک نہیں۔ اگر نواسی سے کچھ بھول چوک ہو بھی گئی تو دور ہی سے بیٹھے بیٹھے حکم دیدیتی۔ یا ہدایت کر دیتی سب سے بڑی جیت یہ تھی کہ نواسی کچھ ایسی بلا کی ذہین واقع ہوئی تھی کہ جو بات نسیمہ کے دل میں ہو وہ نواسی کے منہ پر۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ نسیمہ اپنے شوق کو ایذا اور وقت کو ضائع کر دیتی جو سیکھنا تھا

سیکھ لیا۔ ایسا سیکھا اور اتنا سیکھا کہ نوری جیسی گنواری کو بیگم بنا دیا۔

بڑی بی بیچاری کے تو فرشتوں کو بھی یہ وہم و گمان نہ تھا کہ یہ نوری جو دن بھر گلیوں میں ننگے پاؤں، اور گھر میں ڈیڑھ ڈیڑھ گز کی چھلانگیں مارتی پھرتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے ایسی ہو جائے گی کہ کنبہ بھر میں اس کا شہرہ محلہ بھر میں اس کی دھاک اور شہر بھر میں اس کا چرچا ہو گا۔ ایک وہ وقت تھا کہ جدھر گئی دُر دُر اور جس طرف پہنچی ہٹ ہٹ ایک آج کا دن ہے کہ اپنے تو سر پر بٹھاتے چاہیں آنکھوں پر۔ غیر گھروں تک میں اس کی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔

(۳۰)

اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ نصیر پہلی ماں کے دودھ سے جو مذہب کی زیادہ پابند ہو گیا۔ بہرے سے نمازن ہی گنڈے دار تھی مگر بڑھیا پھوپی کی گود میں جو پلا کچھ نہیں تو رات دن میں ایک بچاری خود تو خدا کے خوف سے کانپ کر استغفار پڑھتی ہو گی۔ پانچویں برس سے لے کر آج تک کون سا ایسا دن گیا کہ اس نے بھتیجی کے سامنے خدا کی عظمت و بیان کی ہو اور کون سی ایسی رات گزری کہ ساتھ لیکر لیٹی اور مسئلہ جزا و سزا کے متعلق گفتگو نہ کی ہو۔ وہاں کا حال تو خدا ہی جانے مگر اتنا ہم بھی کہیں گے کہ اگر دنیا کوئی چیز ہے تو سنجیدہ اس دنیائے ناپائیدار سے ایسا اسباب اور سامان ساتھ لے گئی جو اس آڑے وقت میں جہاں کوئی رفیق و مددگار نہیں۔ اس پر کوئی مصیبت نہ آنے دیگا۔ اگلے زمانہ کی کوئی بچی کھچی بڑی بوڑھی رہ گئی ہو تو ہو۔ ورنہ اب ایسی بیویاں بہت کم نظر آئیں گی۔ یہی خوف قیامت جس کو اول دن سے سنتے چلے آئے ہیں۔ اس کے دل میں کچھ ایسا سرایت کر گیا تھا کہ بسا اوقات بیٹھے ہی بیٹھے خیال آیا اور تھرا اٹھی کچھ ہزاروں لاکھوں کی آدمی نہیں۔ پچاس ساٹھ روپیہ کا کرایہ شہر کا خرچ بھاری پتھر آگے۔ مگر بارہ مہینے دو ایک یتیم بچے ایک آدھ بڑھیا ٹھہر گیا۔ غرض کوئی

نہ کوئی اس کے دسترخوان پر ضرور ہوتا۔ بیماروں کی عیادت اپاہجوں کی خدمت محتاجوں کی مدد غریبوں کی خاطر مدارت کیا فرشتہ بھی کھلا کر کھایا پہنا کر پہنا گرمی کے پہاڑ سے دن اور جمعرات جمعہ کا روزہ جاڑوں کی کٹھن راتیں اور تہجد کی نماز نعمت پر شکر مصیبت پر صبر سوئے اور پر عمر پائی مگر ایک دن کسی کا دل نہ دکھایا۔ جی تو پھول جھڑے مری تو پھول چڑھے۔ ایسی نیک بیوی جس کی ہوا لگنے سے آدمی انسانیت پکڑے۔ نسیمہ کو جتنا اچھا اٹھانی تھی کم تھا۔ یوں تو عذاب الٰہی کا خوف شروع ہی سے اس نے بھتیجی کے دل میں پیدا کر دیا تھا۔ مگر پانچ برس کی بچی خدا کو کیا جانتی اور کیا پہچانتی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا۔ کہ خدا کی ہستی کا یقین کچھ ایسا دلنشین ہوتا چلا کہ ذرا نماز کو دیر ہوئی اور گھبرائی کوئی بھوکا آ نکلا تو ننگے پاؤں کھانا چھوڑ چھاڑ روٹی دینے گئی۔ مصیبت زدہ دکھیاریاں ڈھونڈ نسیمہ کا نام سنکر آئیں اور وہ ان کا دکھ سنتی اور ہاتھ پاؤں سے روپیہ پیسے سے جو کچھ ہو سکتا مدد دیتی اور خدمت کرتی۔ امیر کی بچی لاڈ کی پلی کو آج کا زمانہ پہننے اوڑھنے کے دن روپیہ گز کا پہنتی اور شہزادی تر لکا کھاتی تو بجا تھا۔ مگر اس کو تو پیسہ فضول اٹھانا قسم تھا جو پھوپی نے بنا دیا اور کھلا دیا سر آنکھوں پر۔ خدا معلوم قدرت کی اس حکمت میں کیا بھید چھپا ہوا تھا کہ کال دو سال گزر گئے اور ایک بوند مینہ کی نہ پڑی دو تو برساتیں نکل گئیں۔ ساون بھادوں کے مہینے جھڑیاں اور مسلا دھار تو درکنار ابر کا ٹکڑا تک نظر نہ آیا کہ کچھ امید ہی بندھتی پہلے سال تو کسان غریبوں نے جوں توں کھینچ کھانچ کسی نہ کسی طرح کھیتوں میں پانی پہنچایا۔ دوسرے سال ندی نالے جوہڑ تالاب کوئی بھی اس قابل نہ رہا کہ ان غریبوں کی محنت برباد ہونے پر دو آنسو گرا دیتا۔ کال پڑا اور ایسا کہ خاصے کھاتے پیتے آدمی دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے۔ شہر کو تو یہ آفت اور شہر والوں پر یہ مصیبت مگر سنجیدہ کی مہمان بی بکاؤ کے یہاں کال ایکا یک عید ہو گئی۔ آنکھوں پر ٹھیکری دل کیا پتھر مرنے کو بھول چار دن کی زندگی پہ پھول گھر بھرنا شروع

کیا۔ باپ کے ترکہ کا تین ساڑھے تین ہزار روپیہ نقد موجود تھا۔ روپوں کی چیزیں کوڑیوں کے مول خریدنی شروع کیں۔ اپنی غرض باؤلی اس ظلم وستم پر بھی مصیبت ماریاں کو سوائے [illegible] اور اونے پونے آدھی چوتھائی جو دام مل جاتے غنیمت سمجھتیں او صبر کرتیں۔ خدا کسی پر وقت نہ ڈالے اور غرض اُٹھائے۔ چار چار پانچ پانچ سیر تانبے کے برتن تین تین چار چار سیر کے میں دینے پڑتے غضب تھا کہ کم بخت منگنے اور تکتنے وعدہ پر رکھتی اور چندہی روز میں آئے گئے کر دیتی کمال یہ تھا کہ حقیقی رشتہ دار ہر وقت کے اُٹھنے بیٹھنے والے ہوکے مرجائیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے سگے بھانجے بھتیجے بلوں بلوں کرتے پھریں اور اس ناگن کا دل نہ پسیجے۔ کچھ ایسا خدا کا خوف دل سے اُٹھا کہ مزے سے دونوں وقت ڈٹ کر کھاتی اور دکھا دکھا کر کھاتی۔

زمانہ کا انقلاب جان کے ساتھ ہے۔ ساون تو سر ابھی لبستہ کو رہا ہی گیا۔ بھادوں کا تیسرا یا چوتھا روز تھا کہ دوپہر کے وقت دھواں دھار گھٹا پورب سے اُٹھی۔ ابھی پانی کا تیہ بھی نہ تھا کہ لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے جو جہاں تھا گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگا۔

بھوکوں کی زاری خالی نہ گئی مینہ برسنا شروع ہوا دو برس کا رکا ہوا ابر بھلا دو چار گھنٹے کیا برستا۔ وہ دھڑ تال پانی پڑا کہ جی چھڑوا دیئے۔ صبح ہوتے ہی ذرا تھما تھا ایک گھنٹہ ہی بعد ابر سیاہ نے پھر اندھیرا گھپ کر دیا۔ پھوئیاں پھوئیاں ہوا پڑ رہی تھی اور کالے کالے بادل جھوم جھوم کر آ رہے تھے آخر برسا اور کچھ ایسا کہ دیکھے کہ دن گزرا رات گزری اور دو طرف دن بھی مگر پانی کی رفتار میں کمی نہ ہوئی اونچی اونچی حویلیاں اور پکی پکی محلسرائیں آخر تھیں تو مٹی گارے ہی کی۔ تیسرے دن جا کر ٹپ اُٹھیں ات کو اکا دکا تا سے جھلانے لگے تھے۔ امید تھی کہ اب نہ برسے گا مگر ادھر چھ گھڑی کی توپ چھوٹی ادھر پھر برسنا شروع ہوا اب پانی نہ تھا طوفان تھا۔ موسلا دھار مینہ اور ہوا کا جھکڑ ایسے دیے کچے دیا ہے تو کبھی کے رخصت ہوئے سنگین عمارتیں کچھ ٹھہریں مگر آدھی رات تک وہ بھی چھلنی تھیں چھتیں اور کھپے پچھے اور منڈیاں چاروں طرف سے دھواں دھوں آوازیں آ رہی

تھیں۔ نکاٹر سے دیوار بیچ ایک یتیم خانہ تھا۔ جس میں استانی جی نے بیس پچیس بے ماں باپ کی لڑکیاں جمع کر لی تھیں۔ جو کچھ ادھر اُدھر سے آجاتا پکا پکوا ان کے آگے رکھ دیتیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ کسی کو اپنے پیٹ کے بچوں کی مامتا ہو گی تو اتنی ہی جتنی استانی جی کو ان بے وارثوں کی۔ ہزار بارہ سو کا مکان ڈھائی تین سو کا زیور چالیس پچاس کے برتن غرض جو کچھ جمع پونجی تھی وہ سب ان بچیوں کی نذر کر دی۔

نکاٹر استانی جی کو راگ سے فرزندی کے بہانے ایک لڑکی کو قبضہ میں لے ہی پلید کر چکی تھی اور اب ایک اور لینے کی فکر میں تھی۔ استانی غریب ایک ہی کو دیکر ایسی پچھتائی تھیں کہ جب اس پر چار چوٹ کی مار پڑتی تو دھاڑیں مار کر روتیں۔ گو کہ اس نے اوسان بگاڑ دیئے، اور نکاٹر نے ستم میں کوئی کمی نہ کی، مگر صد آفریں استانی جی کو کہ دو دو تین تین وقت بعد اچھی یا بُری جو میسر ہوئی پہلے اُن کے پیٹ میں ڈالدی پھر آپ منہ پر کی۔ لبیریاں لگائیں اور لتھڑے پینے چکیاں پیسیں اور چیتھڑے اوڑھے بلکہ ان معصوموں کو کلیجہ سے جدا نہ کیا۔

اس وقت آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی پانی برابر اسی طرح پڑ رہا تھا اور استانی جی بچیوں کو لیے بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں ٹپکنے نے اور بھی دم ناک میں کر دیا۔ بالشت بھر جگہ ایسی نہ تھی جو محفوظ ہو اوڑھنے کو کہیں لینے چراغ لے کوٹھری میں آئیں دیکھتی ہیں تو بڑی دیوار جس پر کڑیاں ہیں پھولی کھڑی ہے۔ جلدی جلدی چیز بست اُٹھا لڑکیوں کو لے باہر آئیں پانی [illegible] اوپر آیا ہو چکا دالان اڑا اڑا کر نیچے گرا۔ ایک ہی پچھے کے نیچے لیٹی تھی۔ برابر کی دو کڑیاں اوپر آئیں۔ بھیجا پاش پاش ہو گیا۔ چھ برس کی لڑکی کی بساط ہی کیا۔ جب تک استانی پہنچیں آنکھیں پھیر بیچارہ رخصت ہو گئی۔

کیسا نازک وقت تھا۔ مینہ کی وہی کیفیت ہوا کی وہی حالت خدا کسی پر وقت نہ ڈالے استانی جی اس شان کی عورت کہ کبھی ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دی بھیگتی بھاگتی کھڑکی میں آئیں اور نکاٹر کو آواز دیکر منت سے کہا اتنی اجازت دو کہ ان معصوموں کو لے کر رات کی رات

تمہارے ہاں پڑ رہوں۔ اور میرے منہ اٹھکر نواب صاحب کے یہاں چلی جاؤنگی۔ انکا خرسنگدل کیا موم ہونے والا تھا۔ ہنسی اور ہنسکر کہا۔ بیٹھنے کو گھر نہیں کھانے کو ٹکڑا نہیں۔ پھر یہ لڑکیوں کی حمال کیوں ڈال رکھی ہے۔ میں نے کتنی منت سے کہا تھا استانی جی ایک لڑکی ہیں اور دیدو۔ ناک بھوں سکیڑ سیدھی ہو لیں میں تو وہی ظالم بیرحم ہوں ایک لڑکی میرے حوالے کرو شوق سے آجاؤ۔ ایک رات کی جگہ دو رات پڑ رہو۔

استانی جی اس وقت لاکھ حاجتمند ہوں مگر ایسی گئی گزری نہ تھیں کہ حاجت سے دب کر اور ضرورت سے مجبور ہو کر لڑکی دینے کی حامی بھر لیتیں۔ انکا شوہر ان کو طلائی بھیک منگنی مردہ شو فقیرنی کچھ ہی سمجھے مگر ناداری میں بھی اتنی عزت رکھتی تھیں کہ سرداراآباد تک کی بیبیاں انکی تعظیم کو سروقد کھڑی ہوتیں۔ خدا کی شان تھی کہ اس آن بان کی عورت جس نے کبھی پھوپی کے آگے آجتک ہاتھ نہ پھیلایا ایک ایسی نابہنجار کمبخت کی خوشامدیں کر رہی تھی

رات اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی۔ بادل زور شور سے گرج رہا تھا اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گھسی جاتی تھی۔ ایک ایسی مسلمان بچی کا مردہ جس کا والی وارث سوا خدا کی ذات کے کوئی نہ تھا۔ کڑیوں میں دبا پڑا تھا اور چند معصوم لڑکیاں مع استانی جی کے صحن میں کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑتی تھی۔ زندہ اور مردہ دونوں کی مٹی پلید تھی۔ گرانی کے موسم اور ایسے نازک وقت میں سنجیدہ اور نسیمہ دونوں پھوپی بھتیجیوں کی ہمدردی پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے۔ یوں تو جس دن سے کال پڑا اور خلق خدا پر مصیبت کی گھڑی آئی ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ پھوپی بھتیجیوں کے دسترخوان سے دو چار بھوکوں کا پیٹ نہ بھرا ہو۔ سیر بھر آٹا اس وقت سیر بھر اس وقت تو یتیم خانہ کا مقرر ہی تھا۔ اس کے علاوہ بھی جب ضرورت ہوئی اور جو موجود ہوا۔ ہنسی خوشی دیا اور بے منت دیا۔ غرض تمام لین دین دنیا میں چلا ہی آتا ہے۔ نسیمہ نے اس کال میں کمال کیا کہ جسکو دیا اور جو کچھ دیا یہ سمجھکر دیا اور کہکر دیا کہ واپسی کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیے تھا کہ نہ صرف محلہ ہی محلہ میں بلکہ دور دور جہاں صبح اٹھکر ٹکاٹر کا نام لینا لوگ منحوس سمجھتے تھے وہاں ننھے ننھے دلوں تک سے نسیمہ کو دعائیں ملتی تھیں۔ گو ٹکاٹر نے دو ڈیڑھ سال میں کئی ہزار کی جائداد کرلی اور نسیمہ پیسے چار سو روپے کی پھوپی کی قرضدار ہو گئی مگر پانسیر چاندی اٹھاکر وہ خزانہ جمع کر لیا کہ ریاستیں قربان اور سلطنتیں نثار۔ وہ دو وقتین وقت کے فاقہ زدہ جس وقت اس کے دروازے سے پیٹ بھر کر جاتے اور چین سے پڑ کر سوتے تو اگر رات کو بھی آنکھ کھل جاتی تو کہتے الہی اس گھر والی کو دنیا جہان کی خوبیاں۔ ان ہی دعاؤں کا اثر تھا کہ نسیمہ ایسی پھلی پھولی کہ خدا سب بیٹیوں کو نصیب کرے۔

مینہ برسنے کی خوشی میں پہلے پہلے تو سب کی طرح وہ بھی شریک تھی مگر جب بارش نے قیامت بپا کر دی اور ادھر ادھر سے ہولناک آوازیں اور وحشت انگیز خبریں آنے لگیں پڑوسیوں کو دیکھا رات ہی رات پر جان ہے تو گویا مکان پختہ اور سنگین سب ہی کچھ تھا۔ مگر حق ہمسایہ مار کا جایا۔ ذرا کہیں سے دھماکے کی آواز آئی اور اس کا کلیجہ دھک سے ہوا۔ کوٹھے پر کھڑی ایک ایک کی خیر صلاح پوچھ رہی تھی۔ برجیس منشی کا گھر پرانا اور الگ کھڑا تھا۔ اس کو بال بچوں سمیت شام ہی سے اپنے ہاں بلا لیا تھا۔ خرابی یہ تھی کہ استانی جی چار گھر پرے تھیں اور گھر بھی کچھ ایسا پرانا نہ تھا۔ نہ ظاہر گرنے کے کوئی آثار تھے اتفاق کی بات اور ہونی شدنی کہ خاصا اچھا مکان تاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ استانی جی کی پریشانی یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں اس گھر سے اس گھر اس گھر سے اس گھر ہوتی نسیمہ تک بھی پہنچی۔ سنتے ہی بیچین ہو گئی۔ دیوار پر چڑھ کر آوازیں دیں۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخی مگر پرمحلہ اور پھر مینہ کا شور استانی جی تو در کنار برابر کے گھر میں سے بھی کسی نے کروٹ نہ لی۔ مایوس ہو کر جھکی ہوئی ناامید ہو کر نیچے آئی تو ماسی کو ساتھ لیا۔ لالٹین ہاتھ میں لی اور پھوپی کو اطلاع دئے چلی استانی کے ہاں۔ مان لیا کہ سنجیدہ فرشتہ صفت انسان تھی مگر تھی تو انسان ہی نسیمہ کو اس وقت جاتے

دیکھ طرح طرح کے وہم اس کے دل میں آنے لگے۔ سوچا اور سوچ کر بولی۔ بیٹی اس وقت تو جانا ٹھیک نہیں چاروں طرف دیواریں اور کوٹھے پھوٹے کھڑے ہیں۔ ذرا مینہ تھم جانے دو۔

نسیمہ۔ اے ہے پھوپی اماں آپنے سنا نہیں مکان گر پڑا۔ عائشہ دب گئی۔ اُستانی جی ایک ایک کی منتیں کر رہی ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ اس مصیبت میں انکا ساتھ دے۔ ہمدردی کا وقت تو یہی ہے ہیں ہائیں ہم اس وقت آسمان کے نیچے کھڑے بھیگ رہے ہیں۔ جب تک ہاتھ پاؤں چلتے ہیں ان سے کام لینا چاہیئے۔ پھر تو شاید ان کو کیڑے بھی نہ کہائیں۔ عائشہ نگوڑی شاموں شام تو بیاہ لینے آئی ہے۔ پھوپی اماں مسلمان کا مردہ ہے اجازت دیجیئے برقع اوڑھے ہوئے ہوں گئی اور آئی پہنچی اور لائی۔

اب یہ خدا جانے کہ ہنسی خوشی یا مجبوری لاچاری سنجیدہ خود بھی ساتھ ہوئی۔ مگر بڑھاپے کی عمر گھٹنوں گھٹنوں پانی ٹخنوں ٹخنوں کیچڑ دو ہی قدم چلی تھی کہ آم کے چھلکے پر سے پاؤں رپٹا وہ تو خدا نے یہ خیر کی کہ گھڑونچی ہاتھ میں آگئی نہیں تو بیٹھے بٹھائے مفت کی پریشانی تھی۔ غرض سنجیدہ کو گھر میں چھوڑ نواسی کو ساتھ لے استانی کے ہاں پہنچیں۔ اُستانی اور شاگرد بچے سب کھنڈر میں بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ نسیمہ کی صورت دیکھتے ہی استانی جی کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ جوش محبت میں کھڑی ہوگئیں اور صرف یہ الفاظ منہ سے نکلے "میری بچی میں تیرے قربان"۔ لڑکیاں ہٹا ملبہ سرکایا۔ عائشہ کو نکال استانی اور لڑکیوں کو ساتھ لے اپنے ہاں آئی۔ اپنے ہاتھ سے کمرے میں تین پلنگ دو چارپائیاں بچھا اُن پر بچھونے کئے اور لاوارث لڑکیوں کو لٹا کر سلا دیا۔ صبح ہوتے ہی پانی تھما تو عائشہ کو اول منزل پہنچایا۔

ناممکن ہے کہ یہ سطریں اس کیفیت کو ظاہر کر سکیں۔ جو اس وقت استانی جی کے دل کی تھی۔ جس دل سے اُنہوں نے دعائیں دیں اور دکھ پڑی لڑکیوں کی آتما نے یہ سکھ پاکر جو کچھ کہا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ زندگی ہو تو ایسی دنیا ہے تو یہ دین ہے تو یہ

(۳۱)

رات سدا رہنے والی نہ تھی آئی بھی اور نکل بھی گئی البتہ وہ بات باقی ہے اور کچھ روز تک باقی رہیگی چار روز کی زندگی کے واسطے انسان جو چاہے کرے خدا کی لاٹھی اور بے آواز۔ دیر ہے اندھیر نہیں آج کے تیتے آج ہی نہیں جلتے۔ باپ کی ناؤ آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ایک دن ڈوبے اور ڈوبے۔ کال ختم ہوا اور چوتھے سال تو اللہ کی کچھ ایسی مہربانی ہوئی کہ چھ دھڑی کے گیہوں بکنے لگے۔ سستا سماں ہوتے ہی وہ تکلیف اور پریشانی سب بھول بسر گئے۔ ہاں نکاتر کا ستم اور نسیمہ کا کرم دلوں پر نقش تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ محلہ والوں نے انا جانا بات چیت نکاتر سے قطعی بند کر دی اس خودغرضی اور نفس پروری کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندوں نے جیتے ہی جی اسے مردہ سمجھ لیا۔ دن بھر بیٹھی مکھیاں مارتی اور کوئی آ کر جھانکتا تک نہیں۔ آدمی کچھ کھو کر سیکھتا ہے۔ چاہیئے کہ نکاتر اب تو اپنی حرکتوں سے باز آتی مطلق نہیں۔ یتیم خانہ کی وہ لڑکی معصومن جو قبضہ میں تھی بندر کی بلا طویلہ کے سر۔ محلہ بھر کا غصہ اس غریب پر تھا۔ دوپہر کے وقت ایک روز لڑکی کو بخار چڑھا۔ جاڑوں کے دن تھے۔ دھوپ میں بیٹھی کپکپا رہی تھی۔ نکاتر نے ٹہاری منگوائی۔ زبردست کے بورے بیر۔ اُٹھی اور لائی۔ چھ سات برس کی جان بخار میں ہلتی۔ پکا پانسیر تانبا ہاتھ میں سے پاؤں پھسلا اور دھڑام سے گری۔ بیمار کا گرنا تھا کہ نکاتر جھلا کر اُٹھی ٹہاری کو تو وہیں چھوڑا اور معصومن کا ہاتھ پکڑ کر بیدردی سے گھسیٹتی ہوئی لائی۔ بخار زدہ معصومن کی حسرت آمیز نظریں نکاتر جلاد سے رحم کی ملتجی تھیں اور بے گناہی کا اظہار کر رہی تھیں مار پڑنی شروع ہوئی جب طاقت ضبط نہ رہی تو رو کر کہنے لگی۔ بیگم صاحب اب معاف کر دیجیئے پھر کبھی نہیں گراؤں گی۔ یہ تو کہنا ہی فضول ہے کہ بے بس لڑکی کی منت وزاری کا نکاتر پر کیا اثر پڑا۔ جتنا مار سکتی تھی مارا اور مار چکی تو ایک ایسا دھکا دیا کہ اوندھے منہ جا کر تخت پر گری۔ کنپٹی میں کیل چبھی۔ خون کی تلی بندھی۔ سارا چہرہ لہولہان ہوگیا

معصومن سے زیادہ بدنصیب اور کون ہوگا۔ پہلی مصیبت تو یہ آئی کہ ماں چھوٹی۔ ماں کا بچھوا چھوٹا، دوسری آفت تقدیر نے یہ ڈھائی کہ پہنچی ایک کٹڑ کے پاس۔ جس کے دل میں رحم تک کا نام نہیں اور پھنسی ایسی ظالم کے پھندے جس کو خدا سے غرض نہ رسول سے واسطہ۔ بخار، بخار پر مار، مار پر چوٹ اولاد والی ہوتی تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتی۔ مگر اس کے بجائے یہ بھی نہیں۔ معصومن میلی کچیلی اوڑھنی سے آنسو پونچھ پانچھ کر زمین جا لیٹی غنیمت تھا کہ نکاتر اسی پر بس کرتی۔ نہیں بیٹھی کو اٹھوا مصالحہ پسوایا۔ برتن دھلوائے اور کھانا کھانے بیٹھی۔ بڑا ہو یا بچہ تکلیف کا احساس تو ہوتا ہی ہے۔ معصومن کچھ دیر تک تو باورچی خانے میں پڑے پڑے سر رکھے ہوئے ہولے ہولے ہائے اللہ ہائے اللہ کرتی رہی اور پھر اپنی مری ہوئی ماں یاد آگئی۔ بخار کی گھبراہٹ چوٹ کی تکلیف خون کی کثرت اس پر ماں کی شفقت کا یاد آنا تھا کہ ننھا سا دل بھر آیا۔ روئی اور رو کر باہر آئی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان چھوٹے چھوٹے تاروں کو اپنی گود میں لئے کھڑا تھا۔ کچھ دیر تک چپکی کھڑی سوچتی رہی اور پھر کہنے لگی "بس اللہ میاں میرے اماں باوا تم ہی ہو میرا بخار اتار دو۔ میرا خون تھما دو۔ اور مجھکو یہاں سے نکلوا دو۔ دیکھو سر میں کیسا درد ہو رہا ہے۔ اللہ میاں اللہ کی قسم بھیجا نکلا پڑتا ہے۔" آدمی غور کرے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جس طرح یہ ایک دو یا چند گردش کے مارے زمانہ کے ستائے ہمارے ماتحت ہیں اور ہم ان پر حاکم ہیں اسی طرح ایک زبردست طاقت ہمارے اوپر بھی حاکم ہے۔ جس وقت نکاتر معصومن کا ہاتھ پکڑ کر لائی ہے اور معصومن نے نگاہ یاس سے نکاتر کو دیکھا ہے گو اس کی نظر اور وہ خود دونوں مجبور و لاچار تھے مگر اس کا دل یہ ضرور کہہ رہا تھا "اے تھوڑی ہی دیر کی حاکم میرا تیرا فیصلہ اور انصاف وہ حقیقی مالک کرے گا۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے میرا اور تیرا دونوں کا حاکم ہے۔ میں اس وقت بے بس ہوں اور بیکس ہوں۔ ماں میرے ساتھ نہیں۔ باپ میرے پاس نہیں۔ مگر میرا وارث و حامی ابھی

ایک موجود ہے۔ جو میری بیگناہی اور تیرے ظلم کو دیکھ رہا ہے۔"

قبولیت کی گھڑی عام آدمیوں کے واسطے کوئی خاص ہو تو ہو مظلوم کے واسطے تو حاکم حقیقی کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ معصومن کی التجا دکھے ہوئے دل کی آہ تھی کلیجہ سے نکلی زبان پر آئی۔ زبان سے نکلنے کی دیر تھی آسمان اور زمین دونوں کانپ گئے۔ حاکموں کا حاکم بادشاہوں کا بادشاہ مظلوموں کا والی۔ معصومن کا وارث جس کے حضور میں اتنی دیر گڑگڑانی اس فریاد کو سن رہا تھا۔

نکاتر کھانا کھا رہی تھی کھا چکی تو آواز دی کہ برتن اٹھا۔ معصومن سنتے ہی ادھر چلی مگر چلا نہ گیا خون بند ہو گیا تھا۔ مگر بخار جوں کا توں۔ چکر آیا اور ساتھ ہی اندھیرا۔ گری مگر سنبھلی اتنی دیر میں دو تین آوازیں اور تین چار گھرکیاں پڑ چکی تھیں۔ گرتی پڑتی پہنچی دسترخوان لپیٹا برتن اٹھائے اور پھر پڑ رہی۔

نکاتر کی گردن میں گدی کے نیچے پھنسی نہ پھوڑا ایک یوں ہی سا دانہ دو تین دن سے تھا صبح کو جو اٹھی تو ذرا جلن معلوم ہوئی۔ سمجھی گرمی دانہ پک گیا۔ مگر جلن زیادہ ہوئی۔ کاسے مرہم کا پھایا لگایا۔ السی کی پلٹس باندھی گئی لگا کر پان چپکایا۔ کاسٹک کی پھریری پھیری۔ مگر وہ باجرے برابر دانہ خدا معلوم کس قوت کا تھا کہ گھنٹوں اور گھڑیوں نہیں پلوں بڑھ رہا تھا۔ دوپہر کو کہیں سہ پہر کو کہیں شام کو تو کہیں کا کہیں پہنچا۔ آدھی رات تک تو کچھ سوئی اور کچھ جاگی مگر آدھی کے بعد تو پلک سے پلک جھپکانی حرام تھی۔ منہ اور گردن دونوں سوج کر کپا ہو گئے بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے چیخ پیٹ کر رات کاٹی۔ نماز ہوتے خالہ نانی کو بلوایا۔ چچی پھوپی کو ڈولی بھیجی۔ غرض جس نے دیکھا دم بخود رہ گیا۔ ڈاکٹر جراح حکیم طبیب سب ہی آئے اور گئے۔ مگر تسکین کی کوئی صورت نہ نکلی۔ ایک چیخ آسمان اور ایک زمین تھی۔ جس شخص نے کبھی پیسہ تو پیسہ سوکھی روٹی تک نہ دی ہو وہ بھر بھر مٹھیاں روپے دے رہی تھی اور ایک ایک کی خوشامدیں کر رہی تھی۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر آرام اور افاقہ کیا۔ بیس سے انیس بھی نہ ہوا۔ کس قیامت کی کھولن اور غضب

کی جلن تھی کہ کسی کروٹ بھی چین نہ پڑتا تھا۔ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔ دن اسی آفت میں بسر ہوا۔ پھوپی اور چچی نے تو ڈولی ہی الٹی پھیری تھی البتہ خالہ اور نانی وہ بھی سگی نہیں رشتہ کی آ پہنچیں تھیں۔ شام کو وہ بھی چلی گئیں۔ محلہ والے تو پہلے ہی دن رات اس کی جان کو رو رہے تھے بلا واسطہ بے غرض تکلیف پہنچاتی تھی۔ کچھ ایسا بغض للّٰہی تھا کہ جب تک دن بھر میں ایک آدھ کو سخت نقصان نہ پہنچا لے صبر ہی نہ آتا تھا۔ اُستانی جی اگلے زمانہ کی عورت تکاثر کے ماں کے ساتھ کی کھیلی ہوئی یہ کیفیت سنکر آ گئیں مگر ظہر پڑھ کر اُٹھیں عصر جا کر گھر پڑھی۔ تیماردار تھی یا خدمت گار وہی لے دیکر ایک معصومن سو وہ غریب آپ ہی مر رہی تھی۔ مگر پھر بھی سر سے پٹی باندھ جتنا کچھ ہو سکا برابر لگی لپٹی رہی۔

دوسری رات پہلے سے بھی بدتر گزری۔ ایک زخم تھا جس پر کوئی کچو کے دے رہا تھا۔ صبح جراح نے آ کر چیرا دیا۔ دوپہر کو بخار چڑھا۔ غفلت شروع ہوئی۔ گھڑی دو گھڑی بعد ہوش آ جاتا تھا تو ایسی بلبلاتی تھی کہ سننے والوں تک کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے شام کو بخار ذرا ہلکا ہوا۔ مگر پھوڑے کی تکلیف بدستور تھی۔ پلنگ باہر بچھوا انگنائی میں آ کر لیٹی۔ یہ عمر بھر میں پہلا ہی دن ہوگا کہ تکاثر ارحم الراحمین کے رحم کی ملتجی تھی۔ اور اس کو یاد کر رہی تھی۔ عشا کا وقت تھا کہ ایک فقیر نے دروازے پر آ کر صدا لگائی۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

بیماری کی حالت رات کا وقت مضمون درد انگیز۔ فقیر خوش الحان دفعتہً تکاثر کو عاقبت کا خیال بندھا۔ سوچنے لگی کہ بس زندگی کے دن پورے ہو گئے اور ایک دو روز یا دو چار گھڑی دنیا کی ہوا کھا رہی ہوں لے لیا جو لینا تھا اور کر چکی جو کرنا تھا۔

افسوس ہے اس دنیا پر جس کے واسطے اتنا کچھ کیا آخر بیوفا نکلی۔ بچہ بچہ پر ظلم کئے بڑوں بڑوں کو دھوکا دیا۔ آج شہر بھر میں ایک متنفس ایسا نہیں جو مجھ سے خوش ہو۔ یا اتنی بیویاں محلہ میں بھری پڑی ہیں مگر ایک اتنا نہیں کہ جھوٹ موٹ تو آ کر میری خیر صلاح

پوچھتا مگر کیوں پوچھتا اور کس لئے آتا۔ میں ہوں ہی کس سے بھلی جو میرا خیال کسی کو ہو میرا گور گڑھا ہی کر دیں تو بھی اُن کا احسان۔ ورنہ میں تو اس کی بھی مستحق نہیں۔ افسوس، افسوس ناکام جی اور بدنام مری۔ یتیموں کے مال مارے، رانڈوں پر ستم کئے۔ معصومن جیسی بچی ماں باپ میرے ہاتھ سے کیسی کیسی بے گناہ پٹی۔ وقت گزر گیا دن نکل گئے اب اس کی سزا ہے۔ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ ایک عظیم الشان مکان میں شادی کا سامان ہے ڈولیوں پر ڈولیاں اتر رہی ہیں مگر آنے والیاں کچھ ایسی سراسیمہ و پریشان کہ باوجود ملاقات اور جان پہچان کے نہ کوئی کسی سے بولتا ہے نہ چالتا۔ تکاثر نے کئی ایک سے پوچھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور یہ کس کا گھر ہے مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ دفعتہً اب کے ایک بڈھا سا شخص آیا اور تکاثر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتا لے چلا۔ اس شخص کی صورت ظاہری تو چنداں خوفناک نہ تھی مگر آواز میں کچھ اس بلا کی دہشت تھی کہ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ ایک کوٹھری کے قریب لیجا کر اس شخص نے دھمکا کر کہا "چل چل اپنے پھل پا جو بویا وہ کاٹ لے،، کہا اور کچھ ایسا کڑک کر کہا کہ تکاثر کے ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑ گیا۔ کوٹھری کے کواڑ کھل گئے اندھیرا گھپ تھا۔ یہ حالت دیکھکر چاہتی تھی کہ اس شخص کے پاؤں پر سر رکھ کر کچھ عرض کرے کوٹھری کے اندر سے ایک جانب سے ایسی پھنکار ماری کہ بالکل ہی دہل گئی۔ اتنے میں ایک آواز اس کے کان میں آئی جو یہ کہہ رہی تھی۔

"کیوں تکاثر چار دن کی زندگی پر ایسی پھولی کہ اگلے دن کا کبھی خیال نہ آیا۔ تو دن رات دیکھتی تھی کہ تیری ماں بہنیں بھاگی دوڑی اس جگہ چلی آ رہی ہیں۔ مگر تو نے کبھی یہ نہ سوچا کہ کہ ایک دن تجھکو بھی یہاں آنا ہے۔ دیکھ اس کاغذ کو دیکھ تیری ایک ایک گھڑی کا حال اور ایک ایک پل کی کیفیت اس میں لکھی ہوئی ہے۔ ہم نے تجھکو لکھکر اطلاع دی زبانی پیغام بھیجے کہ نادان ابھی کچھ نہیں گیا۔ کچھ کرنا ہو تو اب بھی کر لے ورنہ روئے گی اور پچھتائے گی۔ مگر تیرے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ ان خوشیوں میں پانی کے

بلبلہ کی طرح زیادہ ٹھہرنے والی نہ تھیں تو ایسی گئیں کہ نکلنے کو جی ہی نہ چاہا۔ وہ تیرے جھوٹے دوست اور خوشامد کرنے والے آج کہاں ہیں؟ اے نمک حرام ہم نے پکار پکار کر کہا کہ سکھ سے جی چین سے رہ۔ خوشی سے رہ اور شوق سے رہ مگر دنیا کو مستقل نہ سمجھ۔ بتا آج تیرے پاس ہمارے لئے کیا کیا سوغاتیں ہیں۔ ہماری محبت پر بھی تو نے غور کیا۔ تیری خاطر ہم نے سارے دنیا کو گلزار بنا دیا۔ کام کاج کو دن دیا۔ سونے کو رات دی۔ جاڑے کے بعد گرمی دی۔ گرمی کے بعد برسات دی۔ طرح طرح کے میوے قسم قسم کے پھل یہ وضع وضع کی نعمتیں کس کے لئے۔ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ ہماری عنایتیں اور مہربانیاں اسی قابل تھیں کہ تو ہمیں کبھی بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ دیا ضرورت سے زیادہ کافی سے بڑھ کر بے روک ٹوک دیا۔ جتنا چاہے کھا۔ جتنا چاہے پی۔ جہاں ضرورت ہو جا۔ جو ہر مرضی ہو پہن اوڑھ۔ اٹھ بیٹھ۔ لیٹ۔ سو کھا پی۔ ماری جائیو کم بخت مگر تو نے کبھی ہمارے احسان کو احسان نہ سمجھا۔ او احسان فراموش ناگنی ذرا تو سوچ اور غور کر تجھ جیسی بے وفا کو کہ تو نے تیس برس میں ایک وقت ہمارے روبرو سر نہ جھکایا۔ ہم نے اپنی نعمت سے محروم نہ رکھا۔ پیٹ بھرنے کو روٹی دی پہننے کو کپڑا دیا ہاتھ دیئے پاؤں دیئے کان دیئے ناک دی۔ ہمیں مشکل نہ تھا کہ تجھکو اندھا کر دیتے بہرا بنا دیتے۔ تیری جیسی عورتیں تیرے ہی آنکھوں کے سامنے آنکھوں سے اندھی پاؤں سے لنگڑی ہاتھوں سے لولی کانوں سے بہری موجود تھیں۔ کبھی انکو دیکھکر بھی تو نے ہماری قدر نہ کی۔ تجھے کبھی یہ بھی نصیب ہوا کہ نیا کپڑا پہنکر ہمارا شکریہ ادا کرے۔ کبھی یہ نیک توفیق ہوئی کہ اچھا کھا کر ہماری شفقت کو یاد کرے۔ سر اٹھا اور آنکھ ملا کر بات کر۔ ہم نے تجھکو کہاں کہاں بچایا۔ کس کس جگہ مدد دی۔ کیسے کیسے موقعوں پر تیرا ساتھ دیا۔ تیرے ہی کارن اے نمک حرام صرف تیری خاطر تیری پرورش کی خاطر ماں کو مامتا دی۔ باپ کو پیار دیا۔ بھولی بھولی صورت دی۔ میٹھی میٹھی باتیں دیں کیوں مگر اسی لئے نہ کہ جب تو

پل پلا کر بڑی ہو اور بڑھ بڑھا کر جوان ہو تو تو ہمکو بالکل ہی بھول جائے۔ نعمتیں ان چادریں چڑھا قبروں پر جھک پیروں کو پوج۔ اول سے آخر تک اپنے تمام حالات سُن اور تو ہی بتا۔ اب ہم تیرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ تجھ سے زیادہ ناعاقبت اندیش کون ہوگا۔ مسافر بنکر گئی۔ گھر والی بنکر بیٹھی۔ پردیس کو وطن سمجھا سرائے میں ڈیرے ڈالے اور اس بات کا کبھی خیال بھی نہ آیا کہ جو کچھ کر رہی ہوں حرف بحرف لکھا جا رہا ہے اور دفتر ایک دن کھلنا ہے۔ کیوں مگر کال کے دن بیٹھی بھر دانوں کے لالے اور تیرے ہی جیسے مظلوم و معصوم بندے دور دور سے آس لگا کر تیرے پاس آئیں اور تو منہ پھیرے۔ دکھیاریاں مصیبت ماریاں بھوکی پیاسی تیرے در پر آکر پڑیں اور تو اُن کا زیور ٹکے کے تیس تیس چالیس چالیس روپے کی رقمیں محنت کی کمائی مصیبت کی جوڑی دس دس پندرہ پندرہ روپے میں ہتھیائیں اور کبھی رحم نہ آیا۔ یتیموں کے مال مارے وقت پڑوں کے زیور چھینے رانڈوں کے دل توڑے بچوں پر ظلم کیا کسی کا مکان دبایا کسی کی دکان اُڑائی مگر او بے وقوف وہ سب یہیں تک تھا اور وہیں کا وہیں رہا۔ آج تیرے ساتھ ان میں سے تو کچھ نہیں مگر ہاں مظلوموں کی آہیں اور دکھے ہوئے دلوں کی بددعائیں تیرے ساتھ ضرور ہیں مگر وہ ظلم و ستم اور غرور و تمکنت سانس ہی تک تھا۔ اب ختم ہوا۔ اب تو ہے اور ان کرتوتوں کا پھل جو کیا وہ بھر۔ جو بویا وہ کاٹ یاد رہا یا بھول گئی۔ آدھی رات کا وقت پانی کا طوفان اور وہ جن ماں باپ کی بچیاں رات کی رات تیرے گھر پر رہنا چاہیں منتیں کریں خوشامدیں کریں اور تو اس کان سن اس کان اڑا دے ان کا کچھ نہیں گیا تو نے اپنی آخرت برباد کر لی وہ دن اور رات کچھ بھی نہ رہا مگر تیرا عمل باقی رہ گیا۔ جس مکان پہ اتنا گھمنڈ کیا وہ سدا رہنے والا نہ تھا۔ مگر آج اس گھر میں اُلو بول رہے ہیں اور کوئی اتنا نہیں کہ چراغ جلا کر بیٹھ جائے۔ کس برتے پہ تتا پانی۔ کس بات پر بھولی اور کیا سمجھکر بھولی جو کچھ کرتی اور جو کچھ دیتی وہ سب تیرا امانت ہوتا اور آج ہم تجھکو تیری امانت دگنی اور تگنی واپس کرتے۔ دیتے اور اتنا دیتے کہ تو خوش ہو جاتی مگر تو تو ہمارے

نام سے ایسی بیزار ہوئی کہ مرگئی اور ہم کو جھوٹوں یاد نہ کیا۔

کچھ معصومہ کے برتاؤ کا بیان ہے۔ آج ہم وہی برتاؤ تیرے ساتھ کریں گے۔

تونے اس کو بیٹی کی طرح رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اس کا ننھا سا دل باغ باغ تھا مگر اے سنگدل تونے اس کی بڑی مٹی پلید کی اور ننھے سے کلیجے پر بڑے بڑے داغ دیئے۔

اس ایک معمولی سی ہنسی میں تونے محلہ کا محلہ سر پر اُٹھا لیا اور وہ بخار میں ہلاتی آفت زدہ بچی جو تیرے حکم پر پانسیر کا بوجھ اُٹھا کر لائی صرف پاؤں پھسل جانے پر اس سزا کے قابل تھی کہ سر لہولہان ہو جائے۔ وہ بھی تو تیری طرح جان رکھتی تھی۔ صرف اتنا فرق تھا کہ تو زبردست تھی وہ کمزور۔ تو اختیار والی تھی وہ مجبور مگر اس وقت تو ایسی عدالت میں موجود ہے جہاں کا حاکم تجھ سے زیادہ زبردست اور جس کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ معصومہ کا دل مجروح اس بارہ میں تجھ سے زیادہ پیارا ہے اور اسی سات برس کی لاوارث بچی اور تیری دست نگر لونڈی کی خاطر ہے کہ تو اس سخت عذاب میں پڑتی ہے۔ اُٹھ اور جو کیا اس کو بھگت۔

آنکھ کھلی تو جنگل تھا نہ میدان خدا تھا نہ فرشتے۔ وہی اپنا گھر ٹوٹے پھوٹے جلنگے اور آئے گئے آدمی۔ کلیجہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی۔ بہتیرا چاہتی تھی کہ سنبھلے مگر دل تھا کہ اندر سے بیٹھا جاتا تھا۔ بمشکل تمام رُک رُک کر اور تھم تھم کر معصومہ کو آواز دی پاس بٹھایا اور خواب کے حالات پر غور کرنے لگی۔ سوچتی ہے تو واقعی بیس پچیس برس میں مہینہ اور مہینے کا کوئی دن اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی ساعت اور کوئی گھڑی ایسی نہ گزری کہ سچ مچ نہیں تو جھوٹ موٹ اور واقعی نہیں تو دکھاوے ہی کبھی تو خدا یاد آیا ہو یا خدا کے خوف سے کوئی کام کیا ہو۔ وہ ڈھائی گھنٹہ تک پڑی اپنی حالت سوچتی اور افسوس کرتی رہی۔ جس پہلو پر نظر ڈالتی تھی ندامت و شرمندگی کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا

تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچی کہ یہ خواب میرے واسطے غیبی ہدایت ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ ابھی تمام باتیں میرے اختیار میں ہیں۔ جو کہیں مر گئی ہوتی تو ہمیشہ اسی عذاب میں تڑپا کرتی۔ اگلے پچھلے گناہوں کا دھیان خدائے وحدہٗ لاشریک کی قدرت اور ہستی کا یقین ہوتا تھا کہ افسوس و ندامت کے ساتھ بیمار کے چہرہ پر مسکراہٹ آگئی اتنے میں دل نے اندر سے صدا دی کہ غافل یہی وقت تو کام کا ہے۔ منٹ منٹ اور پل پل کا بھروسہ نہیں۔ گو وقت سے اٹھی مگر اٹھی بیٹھے بیٹھے ہی وضو کیا جانماز بچھوائی اور سجدے میں گر گئی۔ یہ عمر بھر میں پہلا اتفاق تھا کہ ارحم الراحمین کے حضور میں سچے دل سے پڑی گڑگڑا رہی تھی۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ تک پڑی روتی رہی رو چکی تو اُٹھ کر پلنگ پر آئی۔ معصومہ کو بلا کر گلے لگایا اپنا قصور معاف کروایا۔

خدا کی قدرت کہو یا اتفاق۔ محض رات کو تکلیف میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ صبح ہی اُٹھ کر استانی جی کو بلایا۔ روتی ہوئی لپٹی اور جھکتی ہوئی ملی۔ ایک ہزار روپیہ کا نوٹ یتیم خانہ میں دیا۔

اُنیس بیس کا فرق تو رات ہی کو تھا۔ صبح کو بہتر دوسرے دن اور بہتر ایک ہفتہ ہی بھر میں پورا ایسا ہو گیا تھا کہ گویا تھا ہی نہیں۔

(۳۲)

مرزا احمد نسیمہ کے والد ماجد کچھ ایسے بڈھے تو نہ تھے مگر ہاں تھے سدا کے روگی اور ہمیشہ کے بیمار، وہم بھی اس غضب کے کہ اگر چھینک بھی آگئی تو گھنٹوں کریدنی اور پرچول احتیاط اتنی زیادہ کہ تول کر کھائیں ناپ کر پئیں۔ باوجود اس کے چوتھیا بخار کچھ ایسا ہاتھ دھو کے پیچھے پڑا کہ دلی اور کلکتہ، بمبئی اور لکھنؤ چاروں ہی کھونٹ تلاتوپ ڈالی مگر نہ ٹلنا تھا اور نہ ٹلا۔ زاہد جیسا نازک مزاج جسکا آدھا دودھ میں جی تتلائے بھرے بھرے قدرے اور لبالب پیالے جن کو دیکھ کر دوسروں کو ابکائی آتی مجبوری اور معذوری

غٹ غٹ پی جاتا۔ اس کم بخت زندگی کے کارن سب ہی کچھ کیا۔ مگر جو دوا پی وہ الٹی اور جو علاج کیا وہ برعکس۔ خیر پانچ تو رہ ہی گیا۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ ایک دن صبح کو گرم پانی سے نہا کر چانولوں کے دو نوالے کھائے تھے کہ پسلی میں درد شروع ہوا۔ حکیم ڈاکٹر تو میں سب ہی آئے اور گئے مگر درد نے جنبش نہ کی۔ بال بچوں والا شخص کنبہ دار آدمی اور پھر آدمی بھی ایسا کہ پرائی آگ میں کود پڑنے والا شام کو تو عورتوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ مریض کے سرہانے موجود تھا۔

اُن کے آنے کی غرض درحقیقت ہمدردی ہو یا محبت لیکن بظاہر تو کچھ تھوڑی سی حماقت ہی تھی۔ دوائی کے یہ نہیں۔ ٹھنڈائی کے یہ نہیں۔ حکیم کے یہ نہیں بلکہ اور اُنکو دیکھ دیکھ کر مریض کو وحشت ہوتی ہوگی۔ ادھر گھر والوں کا جی اکتا ہوگا۔ بیمار غریب کے اول تو ہوش ہی نہ تھا اور اگر کبھی گھنٹہ دو گھنٹہ بعد لمحہ دو لمحہ کو آنکھیں کھولتا بھی ہوگا تو رنگ برنگ کی صورتیں اور طوفان بے تمیزی دیکھکر اپنے مرنے کا یقین ہو جاتا ہوگا۔ گھر والی عجیب پریشانی میں تھی۔ بیمار کی بیمارداری کرتی یا مہمانوں کی خاطرداری۔ اگر ایسا ہی آنے والوں کا دل پھڑک رہا تھا تو سیدھی سی بات یہ تھی کہ کھانا کھا پی آئے گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھے دور سے دیکھ داکھ یا ادھر اُدھر سے پوچھ پاچھ چلے گئے۔ یہ کس نے بتایا تھا کہ دس بجے کے آئے آئے شام ہوگئی جانے کا نام نہیں۔ پھر یہ کیسی آفت تھی کہ آئیں عیادت کو اور بال بچوں سمیت۔ بچوں کی چیخم دہاڑ عورتوں کی کچر کچر اور بھی آفت تھی۔ بیوی جتنی خدمت چاہیے تھی سر آنکھوں سے کر رہی تھیں مگر اس کے ساتھ دودھ پیتے بچے کا ایسا اڑنگا لگا ہوا تھا کہ ذرا پاس سے سرکی اور اس نے بلکنا شروع کر دیا۔ سامنے کی چارپائی پر لیٹے پڑی رہتی وہ سو جاتا تو اُٹھتی اور پاس آ بیٹھتی۔ ہاں خدمت کا حق ادا کیا تو نسیمہ نے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ تیرہ چودہ برس کی بچی باپ کو ماں کی یاد دلا دیگی پہاڑ سی راتیں۔ گھر کا بچہ بچہ سو جائے اور وہ اللہ کی بندی ٹکٹکی باندھے باپ کی صورت

دیکھ رہی ہے۔ تیسری رات دو بجے ہونگے۔ سنجیدہ نے کہا بیٹی اب تو جا کر ذرا لیٹ جا۔ میں بیٹھ جاتی ہوں۔

نسیمہ۔ پھوپی جان اب مجھے لیٹنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں سب چیزیں میسر آجائیں گی مگر یہ نعمت گئی تو پھر ہاتھ آنے والی نہیں۔ ابا جان تیرہ چودہ برس تک میری خدمت کرتے رہے۔ آج میرا فرض ہے کہ اس تکلیف میں اُن کا ساتھ دوں۔ پھوپی جان زندہ ہوں تو راتیں سینکڑوں آئیں گی۔ یہی نیند ہوگی اور یہی میں۔ مگر ابا جان کہاں اور میں کہاں۔ جن کے صدقہ میں برسوں راج کیا۔ اگر اس وقت اپنا تھوڑا سا آرام اس کے واسطے گنوا دوں تو کیا بیجا ہے۔ میرا بس چلے تو میں اپنی جان تک قربان کردوں۔

پھوپی۔ توبہ نسیمہ! کیسے بڑے بڑے خیال تمہارے دل میں آتے ہیں۔ انشاءاللہ صحت ہو جائے گی۔ کمزوری کے مارے غوطے میں پڑے رہتے ہیں۔ بیٹی ایسی باتیں زبان سے نکالتے نہیں وہم نہیں آتا۔

نسیمہ۔ ہاں پھوپی جان! اللہ ابا کی عمر میں برکت دے۔ مگر پھوپی جان لاکھ آپ مجھ سے چھپائیں میں بھی تو آخر چھوٹی موٹی بڑی بھلی کچھ تو عقل رکھتی ہوں۔ بچہ نہیں نادان نہیں۔ ہائے پھوپی جان میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ میں باپ سے چھوٹی اور ایسی چھوٹی کہ سدا کو۔ اب تو آپ ابا جان کو اس گھر میں مہمان ہی سمجھئے۔ کلیجہ اندر سے امڈا چلا آتا ہے کس قیامت کی رات ہے۔ دیکھئے تو سہی صبح ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ لیجئے دو بجے ہیں۔ میں تو خدا سے التجا کرتی ہوں کہ ابا جان کی بیماری مجھکو لگ جائے اور یہ اچھے ہو جائیں۔ اللہ میری دعا قبول کرے۔ ڈاکٹر کمبخت کو تو دیکھئے کیا منہ بھر کہہ گیا ہے کہ اب علاج بیسود ہے۔ پھوپی سے یہ کہکر جو باپ کی صورت پر نظر ڈالی اور ساتھ ہی اس کی شفقت محبت کا خیال آیا تو دل بالکل ہی بے اختیار رہتا۔ سکتا تھا نہ کہکر آواز دینا پاس بلانا ہاتھ پھیرنا کھلانا پلانا۔ غرض شفقت پدری کا فراق کیا تھا۔ کلیجہ پر تیر لگ رہے تھے کچھ

ایسا جوش آیا کہ جھکی اور جھک کر اپنی آنکھیں باپ کے تلووں سے ملیں۔

نسیمہ کا رو رو کر آنکھیں ملنا اور بوسے دینا تھا کہ میر زاہد نے آنکھ کھولی۔ دیکھا تو گھر بھر پڑا سوتا تھا۔ سنجیدہ کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ نسیمہ کو پاس بلا کر گلے سے لگایا اور آہستہ سے کہا "بیٹی جان میں تو اچھا ہوں تو کیوں دل بھاری کرتی ہے۔" باپ کے یہ الفاظ تسکین کے بدلے ایک ایسا نشتر تھا جو فوراً ہی دل کے پار ہو گیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہر چند باپ نے سمجھایا اور دلاسا دیا مگر وہ کچھ اس درجہ ناامید ہوئی تھی کہ کسی طرح نہ سنبھلی۔ سنجیدہ ہوئی تو کیا خاک تھی۔ تین چار راتوں کی جاگی ہاری تھی گاؤ تکیہ پر سر رکھ کر سیدھی کرنے لیٹ گئی تھی۔ ذرا کی ذرا آنکھ جھپکی ہو گی کہ بھتیجی کے رونے کی آواز آئی۔ گھبرا کر اٹھی اور سٹ پٹا کر دوڑی۔ بھائی کو ہشیار دیکھ کر جان میں جان آئی۔ بھتیجی کو سمجھا بجھا پانی پلایا۔ اور بھائی سے باتیں کرنے لگی۔

میر زاہد کی حالت اس وقت تعجب انگیز تھی یا تو وہ غفلت اور غوطہ کہ گھنٹوں چپکا پڑا ہے آوازوں پر آوازیں دو مگر خبر نہیں یا یہ اوسان اور ہوش کہ اپنے منہ سے پانی مانگا اٹھ کر بیٹھا۔ گھر کے ایک ایک بچہ کو نام بنام پوچھا گھنٹہ سوا گھنٹہ اس طرح گذرا ہو گا کہ حالت پھر جیسی کی تیسی ہو گئی۔ آنکھیں پھر گئیں۔ سنجیدہ پان بنا رہی تھی۔ نسیمہ سہارا دئے بیٹھی تھی بہتیرا سنبھالا مگر جب دیکھا کہ اب میرے بس کا نہیں ہاتھوں پر سہارے کر تکیہ تک لائی۔ ابھی سر تکیہ تک پہنچا بھی نہ تھا کہ میر زاہد کو ہچکی آئی اور بیٹی کے ہاتھوں میں ہمیشہ کو رخصت ہو گیا۔ سنجیدہ نے آ کر دیکھا تو بھائی کبھی کا رخصت ہو چکا تھا۔ چیخ مار کر گر پڑی ہوش آیا تو بھتیجی کو گلے لگا کر ایسی بلکی ہے کہ سننے والوں کے دلوں پر چوٹ لگتی تھی۔ نسیمہ کی آنکھ سے باپ کی زندگی میں تو ساون بھادوں کی جھڑیاں تھیں مگر باپ کا دم نکلنا تھا کہ بالکل ہی پتھر ہو گئی۔ آنکھ میں آنسو، نہ ٹھنڈا سانس ایک تصویر تھی کہ گم سم بیٹھی ہے۔ پون گھنٹہ اس طرح گزرا ہو گا کہ اٹھی۔ وضو کر کلام اللہ لائی اور باپ کے سرہانے بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا۔

رات ختم ہوئی اور موذن نے صدائے اللہ اکبر بلند کی۔ فراق ابدی کا ثبوت، باپ کا مردہ آنکھ کے سامنے تھا۔ اذان کی آواز کان میں آتے ہی منہ پر سے کپڑا اٹھایا اور یہ کہہ کر لپٹ گئی "ابا جان لونڈی سے کچھ خدمت نہ ہو سکی۔"

(۴۳)

میر زاہد کو تو خیر مرنا تھا وہ مر گیا مگر سچی بات یہ ہے کہ نسیمہ کو جیتے جی مردہ بنا گیا۔ سنجیدہ جیسی پھوپی جس پر سو ماں قربان جس نے تیرہ چودہ برس تک بھتیجی کی آنکھ تک میلی ہونے نہ دی اس معاملہ میں بالکل مجبور تھی۔ یہ پہاڑ نسیمہ پر ایسا آن کر گرا کہ سنجیدہ کے سرکائے نہ سرکا۔ لاکھ تسلی اور تشفی دیتی۔ مگر میر زاہد کی موت نسیمہ کے لئے ایک ایسا کاری زخم تھا۔ جس نے اندر ہی اندر گھلانا شروع کر دیا۔ پھوپی کی زبردستی، ماں کے کہنے سننے سے برائے نام دسترخوان پر آ بیٹھتی۔ مگر جہاں نوالہ توڑا اور باپ کا تصور بندھا۔ مشکل سے رات دن میں آدھ پاؤ۔ ڈھائی چھٹانک اناج اس کے پیٹ میں جاتا ہو گا۔ دسواں بیسواں چالیسواں سب کچھ ہو گیا۔ میر زاہد کو مرے دو تین مہینے ہونے آئے۔ بیوی اور بہن دونوں رو پیٹ کر صبر کر چکیں مگر نہ درست ہوئی تو حالت نسیمہ کی۔ ذکر ہو تو اسی کا اور فکر ہو تو اسی کا۔ مردوں کی سی صورت یتیموں کی سی حالت، پڑی ہے تو چپکی، کھڑی ہے تو گم سم۔ بھائی کا صدمہ تو سنجیدہ بھول بسر بھی گئی۔ مگر بھتیجی کی یہ کیفیت اس کے دل پر ہر وقت کچوکے دیتی۔ سب کوشش کر چکی تو استانی جی کو جو چند روز کے واسطے کلکتہ گئی ہوئی تھیں مفصل حال لکھ کر ان سے مدد مانگی کہ اگر آ سکیں تو خود آئیں ورنہ لکھ کر سمجھائیں۔ استانی جی کچھ ایسے بکھیڑے میں تھیں کہ کئی دفعہ آنے کا ارادہ کیا مگر ہمیشہ کوئی نہ کوئی سبب ایسا ہو گیا کہ نہ نکل سکیں۔ اس وقت جو خط انہوں نے نسیمہ کو لکھا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔

پارۂ جگر نسیمہ بیگم سلمہا۔ دعائے فراواں۔ میر صاحب کی رحلت سے جو صدمہ

تم کو پہنچا مشکل ہے کہ دوسرا آدمی اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر سکے۔ میں ہرگز اس خیال کی آدمی نہیں ہوں کہ ایک شخص پر مصیبت پڑے اور دوسرے اس کو صبر کی تلقین کرنا محض اپنا فرض سمجھیں۔ صبر ایسی چیز نہیں کہ کسی کے کہنے سننے سے آجائے یا دینے سے مل جائے۔ بلکہ میں تو اس کو ایک قسم کی زیادتی سمجھتی ہوں۔ بننے والے کی تو جان پر بنی گئی ہے اور دیکھنے والے صبر صبر پکار رہے ہیں۔ یہ کہنے کا حق تو اسی معبود حقیقی کو حاصل ہے جو مصیبت پر صبر کرنے والے کو صبر جمیل بیان فرماتا ہے۔ تم کو اس وقت جس قدر صدمہ ہو صحیح۔ اور جتنا غم کرو درست۔ سنجیدہ بہن کے خطوں سے تمہاری حالت معلوم ہوئی۔ وہ اپنی مامتا کے مارے کچھ ہی کہیں۔ مگر میں تو یہ کہتی ہوں کہ یہ حالت جو تمہاری ہوئی بجا ہوئی اور جائز ہوئی اور ہونی چاہیئے تھی۔ کس منہ سے کہوں اور کس دل سے لکھوں کہ صبر کرو۔ وہ تو اپنے وقت ہی سے آئے گا۔ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ مگر ہاں باپ کا سایہ سر سے اٹھنا تھا وہ اٹھ گیا۔ محبت اور خوشامد کرنے والے زندہ ہو تو بہت سے ملیں گے مگر اس دل سے چاہنے والا اب نصیب نہ ہوگا۔ میری رائے میں زندگی کی گراں بہا نعمت ماں باپ کا سایہ ہے اور تم اس آدھی نعمت سے محروم ہو گئیں۔ تقدیر نے تم سے ایک بیش بہا چیز چھین لی اور اس طرح چھینی کہ اب کبھی ہاتھ نہ آئے گی۔ میرے خیال میں عمر بھر کی بڑی کمائی اور میکے کا انمول جہیز یہی دو چیزیں ہیں تم کو تعجب تو ہوگا مگر غور کرو گی تو معلوم ہو جائے گا کہ گو ماں باپ جہیز میں نہیں ہوتے مگر انکی دعائیں بیٹی کے ساتھ ہوتی ہیں نسیمہ بیگم میں سچ کہتی ہوں نہ اب میرزا ابد قبر سے زندہ ہو کر آئیں گے نہ ویسی دعا دینے والا میسر ہوگا ایسے نقصان پر جس کی تلافی تمہارے کیا کسی کے بس کی نہیں۔ جتنا رو دو تھوڑا ہے تم کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ ایسی دولت جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں چند روز کی مہمان ہوتی ہے۔ جب مہمان نے رخصت کی ٹھانی تو کچھ ہی کرو اور کتنا ہی رو دو سب فضول۔ پھر یہ دم بھر ٹکنے والے نہیں چھوٹے اور ایسے چھوٹے کہ پھر

چاہے دنیا بھر کی خاک چھان ڈالو مگر یہ کہاں۔ نسیمہ بیگم برا نہ ماننا اس وقت رنج اور غم جو کچھ بھی کر رہی ہو اپنے آرام کا ہے۔ محبت آزمانے کا وقت تو وہ تھا کہ جب باپ مرض الموت میں گرفتار اور تمہاری مدد کا محتاج ہو کر پڑا۔ تو تم نے کتنی خدمت کی۔ مجھکو تمہاری سعادتمندی سے امید نہیں یقین ہے کہ وہ شخص جس نے اپنا سکھ چین تم پر سے قربان کر کے تم کو نسیمہ بیگم بنایا۔ آخر وقت میں اس طرح رخصت ہوا ہوگا کہ اس کی روح ہمیشہ ہمیشہ تم کو دعائیں دے گی۔ یقین نہیں یقین کامل ہے کہ تم نے باپ کا تھوک بھی صندل کیا ہوگا۔ میں دعوی سے کہتی ہوں کہ ہو لوگی بہلوگی اور کبھی اس بات کا پچھتاوا نہ آئے گا کہ باپ کا حق الخدمت ادا نہ ہو سکا۔

مجھکو یہ سنکر خوشی ہوئی کہ باپ کی یاد میں آج تک تمہاری آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں میں تم کو منع کرتی ہوں نہ یہ کہتی ہوں کہ زاہد جیسے باپ کو دل سے بھلا دو اور دنیا کے مخمصوں میں ایسی پھنسو کہ مرحوم باپ کا کبھی خیال نہ آئے مگر ہاں اتنا ضرور کہوں گی اور وہ بھی اس لیے کہ ضرورت ہے۔ بیٹی یہ تمام رشتے ختم ہونے والے اور فانی ہیں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے اور چلتا رہیگا۔ ذرا سوچنے کی دیر ہے آسانی سے معلوم کر لو گی کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ہوگا نہ ہوگا۔ جو اس رنج سے بچا ہو۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ صدمے زیادہ ہوتے گئے۔ زندگی کے ساتھ ہی ان واقعات کا دیکھنا اور صدمات کا اٹھانا بھی لازمی سمجھ لو۔ کبھی قبرستان میں جانے کا اتفاق ہو تو دیکھنا بیسیوں اور سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں قبریں ہی قبریں دکھائی دینگی۔ کچی اور پکی ثابت اور ٹوٹی غرض چپہ چپہ اور کونہ کونہ ان ہی سے پٹا ہوگا آخر یہ کون ہیں؟ کلیجے کے ٹکڑے آنکھوں کے تارے لالوں کے لال یہ وہ چاند سی صورتیں ہیں جو راتوں سینوں پر لوٹی ہیں اور آج جنگل بیابان اندھیرے گھپ میں مٹی اور گارے کے نیچے دبی پڑی ہیں ان کو کس دل سے رخصت کیا اور کن ہاتھوں سے سلایا وہی دل جس پر ان کی چند روزہ جدائی سے چھریاں چلتی تھیں ان کو گہری گور میں سلانے اور فراق ابدی پر راضی ہو گیا۔

بیوی دنیا کا یہی دستور ہے کہ ایک سے ایک جیتا چلا آیا ہے جس طرح آج ہمارے ماں باپ ہم کو تن تنہا چھوڑ کر سدھار گئے۔ اسی طرح ایک دن ہم کو بھی اپنے بچوں سے منہ موڑنا ہے یہ وہ قانون ہے جو بدلنے والا نہیں اور وہ سلسلہ جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔ ہم ان پر رو رہے ہیں لوگ ہم پر روئیں گے۔ جیسے ہم مرنے والوں پر رو رہے ہیں مرنے والے اپنے پیاروں کو روتے مگر نہ اُن کے مرنے سے قدرت کے انتظام میں فرق آیا نہ ان کے مرنے سے آئے گا۔ آسمان جیسے پہلے چھایا ہوا تھا آج بھی چھایا ہوا ہے۔ وہی دن ہیں وہی راتیں ہیں وہی صبح وہی شام مرنے والے مر گئے اور چلنے والے چلدیئے اب ہم ہیں اور دنیا، وہی دنیا اور وہی دنیا کے دھندے، مرتے کے ساتھ کون مرتا ہے۔ اگر کہیں مردوں کے ساتھ زندہ بھی دفن ہوتے تو دنیا کے کام ہی چوپٹ ہو جاتے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مرنے والا کیسا مرا۔ گیا تو کیا کر کے گیا اور چلا تو کیا لے کے چلا میرزاہد خدا بخشے مجھ سے آٹھ برس چھوٹے تھے۔ میں ہٹی کٹی بیٹھی ہوں اور انہوں نے جنگل جا بسایا۔ گو اُنکی عمر مرنے کی نہ تھی مگر پھر بھی اُنکو جو کچھ کرنا تھا اگر سب نہیں تو بہت کچھ کر گئے بیٹا بیاہا بیٹی بیاہی۔ بیٹی کے بچے دیکھے بیٹے کی دلہن دیکھی۔ رہے تو ایسے رہے کہ واہ واہ اور سبحان اللہ اور گئے تو ایسے گئے کہ تم تو بیٹی ہو میں غیر بھی آج تک رو رہی ہوں اُن کو نہیں رو رہی بلکہ اپنی غرض کو کیونکہ محلہ میں کوئی اتنا نہیں دکھائی دیتا۔ بیٹی پیاری ان کو تو جو کچھ کرنا تھا وہ کر گئے اور اچھا کر گئے۔ تم کو جو کچھ کرنا ہے اس پر بھی تو نظر ڈالو۔ ورنہ دنیا میں آنے کی غرض گئی گزری ہوئی۔ جانتی ہو کیا کرنا ہے؟ اتنا تو تم کو معلوم ہے۔ کہ تمہاری زندگی سے کارخانۂ قدرت کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر فائدہ پہنچ سکتا ہے تو تمہارے اپنے بہن بھائیوں کو تمہارے ہی جیسے آدمی کو تمہارے ہی جیسے اللہ کے بندوں کو محتاجوں کی خدمت، حاجتمندوں کی مدد مظلوموں کا ساتھ بے وارثوں کا پاس بڑوں کی تعظیم چھوٹوں سے سلوک یہ کام ہیں جن کے واسطے تم بنائی گئیں تاکہ آدمی اور جانور غرض جس کا جو کچھ حق تمہارے ذمے مقرر ہو گیا اس کو پورا کرو۔ بیٹی زندگی کا مزا تو جب ہی ہے ورنہ جینا

فضول اور رہنا بیکار۔ تم نے تو ابھی عمر کی پہلی منزل بھی طے نہیں کی۔ حالانکہ پہنچنا بہت دور ہے ابھی تو آگے چلکر دیکھنا کہ کیسے کیسے ندی اور نالے پھلانگنے پہاڑ اور گھاٹیاں اُترنی پڑتی ہیں ضرورت یہ ہے کہ بڑی بڑی ٹکروں اور سخت سخت مصیبتوں کے واسطے تیار ہو۔ اگر آج ہی ہمت پست کرو گی اور جی ہارو گی تو یہ عمر کس کے کاٹے کٹیگی۔ یہ بیڑا کیونکر پار ہوگا اور یہ منزل کس طرح پوری ہوگی۔ نسیمہ بیگم تم کو چند بندوں کی پرورش کرنی ہے اور ایک گھر کا مالک بننا ہے تم ابھی سے کندھا ڈالوگی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ تم یہ کوشش کرتی ہو کہ قدرت کے انتظام میں رد و بدل کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چن لو۔ بیٹی یہ تو ہونا نہیں پھر کیوں کہکر بدنام اور کر کے شرمندہ ہوئیں۔ یہ انتظام میرے تمہارے دو ہاتھ دو پاؤں والے آدمی کے کام نہیں بلکہ ایک زبردست احکم الحاکمین کے احکام ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ دم مارے اور اس کے فیصلہ پر چیں بہ جبیں ہو۔ میں مسلمان کے ہاں پیدا ہوئی اب بھی مسلمان ہوں۔ اور دعا کرتی ہوں کہ مسلمان مروں۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہم سب اپنا وقت پورا کر کے ایک بڑے دربار میں اس غرض سے حاضر ہوں گے کہ زندگی میں جو غفلت کی اس کی جوابدہی کریں۔ ممکن ہے میری رائے صحیح نہ ہو۔ لیکن میں تو زندگی کا ماحصل یہ سمجھتی ہوں کہ جس وقت دنیائے ناپائیدار کو خیرباد کہوں تو جس طرح تم اپنے باپ کو رو رہی ہو دنیا مجھکو اس طرح روئے اور میں جو دنیا میں روتی ہوئی داخل ہوئی ہنستی ہوئی رخصت ہوں۔

اب میں اس نتیجہ پر پہنچتی ہوں کہ جب زندگی کا مقصود خدا اور اس کے بندوں کی رضامندی ہے تو کس کا صدمہ اور کس کا رنج جو حال ہے وہ اچھا جو وقت ہے وہ خوب باپ کی محبت رنج و غم سے ظاہر نہیں ہو سکتی سچی ہو تو وہ باپ جس کا دن رات تمہاری صورت دیکھتے گزرتا تھا اور آج تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس کی خدمت کرو۔ خیرات کرو قرآن پڑھو وہ بھی تو سمجھے کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ مجھے میاں زاہد مرحوم کا حال اچھی طرح معلوم ہے۔ جس طرح انہوں نے دنیا میں کسی کا دل نہ توڑا۔ خالق حقیقی اُن کا دل نہ توڑے گا۔ مگر وہ تو جبھی

گزارنی تھی گزار گئے۔ لیکن تم کو ابھی بہت سی گزارنی ہے۔ نسیمہ بیگم سب سے زیادہ اس کا لحاظ کرو اور یہ سمجھو کہ دنیائے ناپائدار کی کسی حالت کو قرار نہیں کوشش یہ ہو کہ جب تک زندگی ہے عزیز اقارب محلہ پڑوس اپنے ہوں یا غیر رشتہ دار ہوں یا جان پہچان کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور جب روانگی کا وقت ہو تو دربار حقیقی میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

(۳۴)

استانی جی کا خط ایک نشتر تھا جس نے صبح ہی صبح نسیمہ کے پکے پھوڑے کو چھیڑ دیا۔ سوا دیڑھ ہی ہوا تھا ہاتھ لگانے کی دیر تھی پڑھتے ہی بے اختیار ہو گئی۔ اندر کے کمرے میں جا لگی پھوٹ پھوٹ کر رونے کہیں دو ڈھائی گھنٹے بعد جا کر ہچکی تھمی تھی تو سوچنے لگی کہ سچ تو یہ ہے جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب اس رونے دھونے اور فکر و رنج سے کیا حاصل۔ کیا کروں ہر چند دل کو سمجھاتی ہوں مگر کسی خیال سے تسکین نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی میں انوکھی بیٹی تھوڑی ہوں اور کچھ میرے ہی سر سے باپ کا سایہ نیا نہیں اٹھا۔ دنیا جہان میں یہی ہوتا آیا ہے۔ خدا کی مرضی یہی تھی پوری ہوئی۔ اب میں قدرت کے انتظام میں دخل دینے والی کون۔ استانی جی نے کیسی اچھی بات لکھی ہے کہ خیرات کرو قرآن پڑھو۔ باپ کی محبت ہے تو ثواب پہنچاؤ بیشک اس کی تعمیل میں تو عذر نہیں۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بزرگوں سے بھی سنا کتابوں میں بھی پڑھا کہ مردے کو ثواب پہنچتا ہے۔ آخر یہ کس طرح۔ پھوپی اماں سے چلکر پوچھوں۔

نسیمہ کو خبر ہو یا نہ ہو مگر یہ خط اصل میں سنجیدہ اور استانی جی کی ملی بھگت تھی لڑکے کا آکر آواز دینا تھا کہ وہ اندر بیٹھی بیٹھی باہر آئی۔ گن انکھیوں سے پتہ پڑھا اور لفافہ کی صورت دیکھتے ہی خط کا مضمون بھانپ گئی۔ نسیمہ مسئلہ ثواب کو دریافت کرنے آئی تو انہوں نے اس طرح جواب دینا شروع کیا۔

تم جانتی ہو باری تعالیٰ خود تو کسی بندے کی عنایت یا عبادت کا محتاج

نہیں۔ خیرات و زکوٰۃ مقرر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ حاجتمند اس بہانے سے اپنی حاجتیں رفع کریں جس طرح مالداروں کی ضرورتیں بآسانی پوری ہوتی ہیں۔ اسی طرح مفلسوں کی بھی اٹکی نہ رہیں۔ اور وہ لوگ جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہے وہ دوسروں کی ضرورت کا بھی لحاظ کریں۔ اسی واسطے سب سے پہلے عزیز اقارب کی خدمت ہے تاکہ وہ غیروں کے دست نگر نہ ہوں۔ ہر شخص کے اوپر دنیا میں دو قسم کے حق ہیں ایک خدا کا جس کو حقوق اللہ کہتے ہیں اور ایک بندوں کا جسے حقوق العباد کہتے ہیں۔ میں پہلے بھی ایک دفعہ تم کو بتا چکی ہوں لیکن آج اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرتی ہوں تاکہ مسئلہ ثواب تمہاری سمجھ میں آ جائے۔ یوں سمجھو کہ ایک اپاہج کو کوئی ضرورت پیش آئی قدرت نے اس کو ان ذرائع سے محروم کر دیا جو اس کی ضرورت پوری ہونے میں مددگار ہوتے۔ اب اس کی ضرورت کا حق اس کے ہم جنسوں پر ہے۔ ایک شخص کو رحم آیا اور وہ مدد کرنے پر آمادہ ہوا مگر چونکہ اس حق میں جو اس پر ہے تمام انسان شریک ہیں اور صرف ایک شخص اس حق کو محض ہمدردی کے طور پر ادا کرنا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ انسانیت متقاضی ہے اس بات کی کہ میں اس کی مدد کروں جہاں تک امکان میں ہے مدد دی اور یہ چاہا کہ اس کا ثواب میرے کسی عزیز کو ملے اب یہ خیال کہ دینے والے نے ایک روٹی دی اور مرنے والوں کو بھی روٹی پہنچی ٹھیک سا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اپاہج کی خدمت رضائے الٰہی کا سبب ہوا۔ اور جب خدا کی رضامندی حاصل ہوئی تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ دینے والے کی خواہش پوری کرے اور اس کے اس عزیز کی جو ہر قسم کی مدد کا محتاج ہے۔ اپنی رحمت سے اعانت کرے اور یہ ناچیز تحفہ کسی دوسری صورت میں اس تک پہنچا دے۔

(۳۵)

جس طرح برف کی ساری سل گھل گھلا کر آخر کار پانی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح رنج اور صدمہ تحلیل ہوتے ہوتے ایک نشان سا باقی رہ جاتا ہے۔ استانی جی کا خط پھوپی کی تلقین نسیمہ

کو کچھ یہی تسکین ہوئی کہ بظاہر غم کے کوئی آثار اس کے چہرہ سے نہ معلوم ہوتے تھے۔ البتہ صبح شام دونوں وقت دو پارے قرآن شریف دو آدمیوں کا کھانا بلاناغہ باپ کو بخشوا دیتی۔ اگر کوئی مستقل فرق حالت میں ہوا تو صرف یہ کہ مونس و ہمراز رفیق و دمساز گڑیاں یا سہیلیاں جو کچھ بھی تھیں وہ کتابیں۔ غرض معلومات مذہب میں جو تھوڑی بہت کمی تھی وہ اس طرح پوری ہوئی۔

نسیمہ کے سگھڑاپے اور سلیقہ شعاری کی دھاک تو گھر اور محلہ کیا کنبہ اور شہر میں کبھی کی بندھ چکی تھی چودہویں برس ہی ہر طرف سے شادی کے چرچے ہونے لگے۔ بڑی بڑی رئیس زادیوں اور امیر زادیوں کو نسیمہ کے لانے کا ارمان تھا اور ایمان کی بات بھی یہ ہے کہ دلہن بھاگ اس گھر کے جس میں نسیمہ دلہن بن کے پہنچے۔

ایک دو نہیں بڑے بڑے گھرانوں کی بیویاں سینکڑوں ہزاروں کی جائداد لکھنے کو تیار تھیں۔ ادھر منجھلی کے سسرال والوں نے مارے تقاضوں کے دم ناک میں کر رکھا تھا۔ گو سنجیدہ نے کئی دفعہ کھلم کھلا صاف جواب دیدیا۔ مگر کچھ عجب قسم کے لوگ تھے کہ گھر کی مٹی لے ڈالی۔ سنجیدہ کا انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ پردیس میں بیٹی دینا گناہ سمجھتی ہو۔ لڑکے کے گن ہی اس قابل نہ تھے کہ نسیمہ جیسی بیوی کا خاوند ہوتا۔ روپیہ کی فراط ضرور تھی مگر سنجیدہ اس کی بھوکی نہ تھی۔ سو عیبوں کا عیب اور ہزار نقصوں کا نقص یہ تھا کہ صاحبزادہ کی کل علمیت اردو کی دو چار کتابیں تھیں۔ ایسی جگہ تو لوگ اگر آنکھیں بچھاتے اور سونا لٹاتے تو سنجیدہ بیٹی دینے والی نہ تھی۔ جن صفتوں کا لڑکا لے مطلوب تھا وہ علانیہ کہہ چکی تھی اس پر منجھلی والوں کا اصرار بالکل بے سود اور قطعی بیکار تھا۔ مجبوراً ایک دن صاف کہدیا۔ بیوی مجھکو کیوں پریشان کیا کئی دفعہ کہہ چکی کہ مجھکو روپیہ پیسہ نہیں چاہیئے۔ میں تو صرف لڑکا پڑھا لکھا چاہتی ہوں۔

(بیچ والی) تو پھر بیگم بگڑتی کیوں ہو۔ کس برتے پر یہ شوں شاں۔ ایسے لڑکی میں

کیا لال لگے ہوئے ہیں۔ علم نہ علم۔ علم تو ہوا میرزا اکبر کا نام جہام ہوا۔ انکا امتحان پاس ہو ٹھیکا امتحان پاس ہو۔ بس تو اصل نسل بڑی تو کچھ چیز ہی نہ رہی۔ تقدیر میں نوکری نہیں تو پاس کر بیٹھی چاٹا کرنا۔ بڑے بڑے پاس والے جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں اور کوئی بات تک نہیں پوچھتا ماشطہ تو خدا معلوم کیسی چلی۔ وہ کب کی بہری ہوئی تھی کہ گھر جڑ کر گئی اور سر چڑھ کر رہی اتفاق سے نند بھاوجیں دونوں بیٹھی تھیں اور بھاوج کو تو غصہ بھی آچلا تھا۔ مگر سنجیدہ بیچاری بھرکم تجربہ کار عورت یوں نہ کرنے دی۔ جانتی تھی کہ اس کے منہ لگنا پہلے سرے کی بیوقوفی اور حد درجہ کی نادانی ہے کیوں اندھا ہوتا اور کیوں دبلاتے۔ ایسی گھنی سادی کہ خبر ہی نہیں یہ کہ کس کو رہی ہو۔ بڑھیا کچھ دیر تک تو اس توقع پر کہ شاید کچھ جواب ملے منہ تکتی رہی۔ مگر جب دیکھا کہ یہاں کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی تو برقع سر پر ڈال سیدھی ہوئی۔

اتنے بڑے شہر میں لڑکوں کی کیا کمی۔ مگر انٹرنس پاس سو روپیہ کی مستقل آمدنی یہ دو چیزیں ایسی تھیں کہ سال پورا ہونے آیا اور ایک بات ڈھنگ کی نہ جڑی۔ پیغام بیسیوں آئے مگر جڑ آیا وہ بے تکا۔ مالدار ہیں تو جاہل پڑھے لکھے ہیں تو مفلس دانت کریدنے کو تنکا تک نہیں۔ دولت پور کے رئیس کا نام سنکر تو ماں کے منہ میں پانی بھر آیا اور نند نے کہا بھی مگر سنجیدہ کچھ ایسی مستقل مزاج آدمی تھی کہ جو ایک دفعہ منہ سے نکل گیا آخر تک اس پر اڑی رہی۔

میرزا صاحب مرحوم کے چچا زاد بھائی کا لڑکا قسیم تیورس کے سال بی اے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ بچپن ہی سے کچھ ایسا سیدھا اور نیک اٹھا ہوا تھا کہ تمام جھگڑوں سے الگ تھلگ مدرسہ اور کتاب دو کے سوا تیسری چیز سے واسطہ ہی نہ تھا۔ چودھویں برس میں انٹرنس کیا۔ سولھویں میں ایف اے۔ اٹھارویں میں بی اے۔ نتیجہ کا نکلنا تھا کہ نائب تحصیلداری میں نام درج ہو گیا۔ اور اس سال مستقل جگہ ملگئی۔ سنجیدہ کی نگاہ تو قسیم پر کبھی کی پڑ چکی تھی۔ خصوصاً بقر عید والے روز تو وہ یہ دیکھکر بالکل

لٹو ہو گئی کہ بکرا ذبح کرنے کے واسطے کنبہ ہی بھر نے زور لگایا مگر اس نے اپنے ہاتھ سے چھری نہ پھیری۔ کسی نے مرتد کسی نے کافر کسی نے لڑکی کسی نے بزدل۔ غرض جو جس کے منہ میں آیا سب ہی کچھ بنایا۔ مگر ذبح کرنا تو درکنار وہ ذبح کے وقت کھڑا نہ ہو سکا۔

چونکہ سنجیدہ کا مذہب بھی تقریباً یہی تھا اس لئے قسیم کی عزت تو اس کی نگاہ میں اس وقت سے تھی جب وہ کچھ بھی نہ تھا۔ اب بی اے اور نائب تحصیلدار چیز ہی اور دو دو گز بیٹی کی ماں تھی کیا مجال جو اشارۃً یا کنایۃً کبھی کسی کے آگے زبان پر لائی ہو۔

اُدھر قسیم کی ماں سنجیدہ کا انتظام خانہ داری اور اس کے خیالات سُن سُنکر سو جان سے عاشق تھی۔ گو زبان پر نہ لائی مگر دل میں کہہ چکی تھی کہ اگر جان میں جان ہے تو بھابی جان سے بیٹی لوں اور لوں سنجیدہ کی شرطیں اس کے کان تک پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور اب تک اس کی خوشی غفلت نہ تھی۔ بلکہ بیٹے کی نوکری کا انتظار۔ نائب تحصیلدار ہونا تھا کہ وہ ایک روز پانچ روپے کی مٹھائی ساتھ لے صبح کی نماز سے فراغت پا سنجیدہ کے ہاں آن اُتری نسیمہ تو سنتے ہی کمرے میں چلی گئی چھوٹتے پر دونوں گلے ملیں اور دالان میں آکر تختی ہوئی بیٹھیں

سنجیدہ ۔ آج کدھر رستہ بھول گئیں۔ غنیمت ہے کہ ملنے کو تو جی چاہا۔ میں تو ایک ایک سے خیر صلاح پوچھتی تھی۔

قسیم کی ماں ۔ جی بھابی۔ دل چاہتا تھا تم ایسی کون سی ہزاروں کوس تھیں۔ بچی اچھی ہے۔

سنجیدہ ۔ ہاں خدا کا شکر ہے آپ کی دعا سے اچھی طرح ہے۔

قسیم کی ماں ۔ میرے آنے کی غرض میرے بڑھاپے چونڈے کی لاج تمہارے ہاتھ ہے فقط ملنے ہی نہیں آئی۔ غرض لیکر آئی ہوں۔ قسیم کے عیوب اپنے دامن میں چھپاؤ اور اس کو غلامی میں قبول کرو۔ میں ہوں تو چھوٹی سی آدمی مگر یہ وعدہ کرتی ہوں کہ جب تک زندہ ہوں پاؤں دھو دھو کر پیوں گی۔ زور نہیں، زبردستی نہیں مگر یہ ارمان قبر میں ساتھ

بجاؤں گی۔ میرا دل نہ توڑنا۔ لاؤ لپیٹ کی باتیں تو مجھے آتی نہیں۔ تین ہزار روپیہ اسی عالم کا اپنک میں نے الگ کیا ہوا ہے وہ حاضر ہے۔ یہی جوڑا جہیز کا ہوا سمجھ لو۔ مردہ بنکر آئی ہوں زندہ بنا کر بھیجو۔ میری طرف دیکھو اپنی طرف نہ دیکھو۔ آپا جان ہنسی کی بات نہیں ہے۔ مجھے ہنسی میں نہ اڑاؤ چھوٹا منہ بڑی بات تو ضرور ہے۔ مگر دروازہ پر آئی ہوں خالی نہ جاؤں گی۔

سنجیدہ ۔ ادھر کا خیال تم کو کہاں سے پیدا ہوا۔ کیوں زر لعنت میں گاڑھے کا پیوند لگاتی ہو۔ کس دل پر ہاں کروں۔ روپیہ پیسہ ہنر سلیقہ شکل صورت کچھ بھی تو نہیں کیوں مجھکو کہکر شرمندہ کرتی ہو۔ غریبوں کی کھپت تو غریبوں میں ٹھیک ہوتی ہے قسیم اللہ اس کی عمر دراز کرے اور تمہارا کلیجہ ٹھنڈا رکھے۔ جیسے تمہارا بچہ ویسے میرا۔ مگر کیا کروں عقل کام نہیں کرتی۔ خیر ابھی انکار اقرار تو کچھ کرتی نہیں۔ ہاں اتنی مہلت دو کہ اس کی ماں کا بھی عندیہ لے لوں۔

بظاہر تو سنجیدہ نے پانی کے آگے خوب پاٹ باندھی مگر دل کی کیفیت یہ تھی کہ قسیم کا نام سنتے ہی سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ قسیم کی ماں کیسی ہی سیدھی اور بھولی کیوں نہ ہو ایسی بچی بھی نہ تھی کہ معاملہ ادھر نہ اُدھر اُدھر میں ڈال چلتی ہوتی۔ سنجیدہ کی گفتگو سنکر پہلے تو ہنسی اور پھر کہنے لگی۔

بھابی جان کا عندیہ کیا۔ اصل عندیہ تو تمہارا ہے۔ جہاں تم راضی ہو وہاں وہ خوش اور اگر خیر اُن ہی پر دارومدار ہے تو وہ کون سے کالے کوسوں ہیں۔ جانا بڑی بی ذرا ملانا کل پندرہ دن کی چھٹی ہے جس میں سے آج تین دن تو ہو ہی گئے۔ ان ہی بارہ دن میں سب کچھ کرنا دھرنا ہے۔ اچھی مہلت مانگی۔

قیاس تو یہی کہتا ہے کہ سنجیدہ ایسی جلدی ہاں کرنے والی نہ تھی اور اگر قسیم کی ماں غیر ہوتی تو یقیناً رقعے پھٹتے اور جوتیاں ٹوٹتیں۔ مگر اپنی کرنی اس وقت بھی کر نہ گئی اور ہر چند چاہا کہ کسی طرح اس وقت ٹالدے۔ مگر قسیم کی ماں برابر کی سہیلی اور قریب کا

رشتہ ان تانے بانوں میں کیا آ نہ لی تھی۔ صبح کی نماز پڑھ کر آئی اور ظہر کے بعد یہاں کروا کر اُٹھی۔ شادی کیا تھی، پرسوں جانی تھی کہ اس پیر کو بات ٹھہری اگلے پیر کو ساچق، منگل کو رات بدھ کی رخصت۔ سنجیدہ کے دور اندیش اور تجربہ کار ہونے سے انکار نہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اگر نسیمہ چاہتی تو سنجیدہ ہی کے ہاتھوں اشرفیاں مٹی کروا دیتی۔ ایک کاٹ کباڑی میں جس کو کوئی کوڑیوں کے مول نہ پوچھتا دو چار سو روپئے اُٹھ جانے کوئی بڑی بات نہ تھے اور سچ یہ ہے کہ سنجیدہ جھکی ہوئی بھی اس طرف تھی کہ تھوڑی بہت برات کی سو بہا ہو جائے مگر نسیمہ نے پھوپی سے صاف صاف کہدیا کہ لمبی لمبی کشتیاں اور چکلے چکلے خوان بڑی بڑی گھڑونچیاں اور بھاری بھاری لگن سوا اس کے کہ گلگلہ اٹھا ہوں اور کس کام کے۔ ہاں تانبے کے برتنوں کا مضائقہ نہیں وہ بھی ضرورت کے موافق اور حیثیت کے لائق۔ یہ تھیں جو چیز نکلی نارہ بند ہو گیا۔ برتنوں کی حمائل تھوڑی ڈالنی ہے۔

یوں تو جس دن سے بھتیجی منگنی ہی اسی دن سے گلہری کے گودڑ کی طرح ایک ایک چیز سنجیدہ نے سینت سینت کر رکھنی شروع کر دی تھی مگر لڑکی کی چیزیں اس خیال سے کہ زیادہ دن ہو کر بے آب معلوم ہوں ابھی نہ لی تھیں لیکن نقد پانسو روپے اس کام کے لئے الگ رکھ چھوڑے تھے نسیمہ کا یہ حال دیکھکر اس کو کیا غرض پڑی تھی کہ گرہ سے اُٹھاتی اور بیوقوف بنتی۔ سو سوا سو روپے میں لگن گھڑونچی کر کرا کورے چار سو بچا لئے۔

جوڑوں کا ذکر آیا تو نواسی کی معرفت پھوپی کے کان میں بات ڈلوا دی کہ وہاں بھی کہلا بھیجئے۔ جو بچی کا جوڑا نہ کارچوبی چاہئے نہ مصالحے لپا۔ گوٹے ٹھپے میں زیادہ رقم لگانی روپئے کے چار آنے کرنے ہیں اس کے بدلے زیور میں ایک چیز بڑھ جائے تو بہت اچھا۔ بیٹے والوں کا کیا ہرج تھا جوڑا معمولی کر کے سہارے بڑھا دئے۔ بھتیجی کا عندیہ دیکھ پھوپی نے بھی دولہا کا جوڑا القط کر ڈھائی سو روپے نقد حوالے کئے۔ جہیز کے جوڑوں میں بھی ایسی ہی کتر بیونت کر کر دو ہزار روپیہ کا ایک مکان نسیمہ کے نام خرید لیا گیا۔ زیادہ سے

زیادہ پانسو روپے اوپر لگے ہوں گے۔ پانسو کا کھانا دانہ ایک ہزار کا زیور چار ہزار کی شادی ایسی ہوئی کہ ادہی کی کوڑیاں بھی بیکار نہ گئیں۔

وداع کا دن آیا تو ہر محلہ تک کی عورتیں گھر میں بھری تھیں اور کوئی ایسی نہ تھی جس کی آنکھ میں آنسو اور لب پر دعا نہ ہو۔ خوش نصیب بھی تھی نسیمہ۔ بیٹی بنی تو ایسی بنی کہ محلہ بھر کے دل میں گھر کیا اور بہو بننے کا وقت آیا تو پڑوسنوں تک کو خون کے آنسو رلوا گئی۔ چاروں طرف سے یہی صدائیں آ رہی تھیں الٰہی دودھوں نہائے پوتوں پھلے۔ ماں اور پھوپی کی تو جو کچھ کیفیت تھی وہ تھی ساٹھ ساٹھ پینسٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیاں جنہوں نے اپنے ہاتھ سے بیٹیاں اور نواسیاں تک کی بیاہ دیں کلیجہ سے لگا ڈاڑھیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ نسیمہ کی محبت نے کچھ ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سنجیدہ کی بیٹی محلہ بھر کی بیٹی معلوم ہوتی تھی۔ سمدھنوں کا اترنا تھا کہ نسیمہ کی طبیعت دفعتاً بگڑ گئی۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ جس گھر میں پلی اور بڑھی آج اس کو لا کولا اور بابا کہا سب چھوٹے اور چودہ برس کا ساتھ ختم ہوا۔ عمر کا یہ حصہ بھلا یا برا جیسا گزرنا تھا گزر گیا۔ افسوس یہ ہے کہ جو کام کا وقت تھا وہ پورا ہوا آگے چلکر تو دنیا کے دھندے ہیں اور میں ہوں۔ بزرگوں کی خدمت کے دن تو یہی تھے۔ اب بھلا میں اُنکی اطاعت کرنے کہاں سے آؤں گی اور تو اور پھوپی اماں تک کو کئی دفعہ میں نے کیسے سخت جواب دئے کہ وہ میرا منہ دیکھکر چپ ہو گئیں۔ اے وہ کہاں اور میں کہاں وہ کیا ہمیشہ باتیں سننے کو میرے پاس بیٹھی ہیں۔ ایک پھوپی اماں ہی پر کیا خدا معلوم کس کس کی شان میں کیا کیا گستاخی کی اور کس کس کے ساتھ کیسا کیسا برتاؤ کیا ہے۔ نسیمہ ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی کہ باہر سے نکاح کی خبر آئی اور چاروں طرف سے مبارک سلامت کی دھوم دھام ہونے لگی۔ سمدھنوں نے وداع کا تقاضا شروع کیا۔ آرسی مصحف کے واسطے دولہا اندر آیا تو سنجیدہ نے بیویوں کو قرینے سے بٹھا کر کہا "میں اپنی بچی کو رخصت کرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہتی ہوں گو آپ سب کو تعجب ہوگا کہ میں ایک انوکھی بات کر رہی

اطاعت میں غفلت نہ کی تو سسرال میں بیٹھی حکومت کرو گی۔ ہاں چند نامرادیں تم کو ایسی بھی ملیں گی جو ادھر ادھر کی باتیں لگا کر اور بات کے بتنگڑ بنا کر دلوں میں فساد ڈلوانے کی کوشش کریں۔ ان سے البتہ ہوشیار رہنا۔ اس سے زیادہ بدنصیب لڑکی اور کون ہو سکتی ہے جو شادی ہوتے ہی ساس سسروں سے علیحدگی کی خواہشمند ہو۔ میری رائے میں ساس کی زندگی بہو کے واسطے ایک سرپوش یا جاڑو کا بندھن ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم اس نعمت کو ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھو گی۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ ماں کے بعد جو شفقت مجھ پر میری ساس نے کی دنیا میں اور کسی نے نہ کی۔ چند روز کی مہمان کو دکھ نہ دینا اور یاد رکھنا کہ ساس کی رضامندی سسرال کی پہلی منزل ہے۔ یہ مہم جیت لی تو نندوں کا سر کر لینا بڑی بات نہیں۔

نسیمہ بیگم اب نیا گھر ہو گا اور تم ہو گی نئی دنیا ہو گی اور تم ہو گی۔ کوارپنے کا زمانہ ختم ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ عزت و حرمت ختم ہوا۔ میں تو آج کیا کئی مہینے سے رو رہی ہوں کہ تمہاری جدائی پر سارا محلہ آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ میری پیاری نسیمہ یہ وقت تیرے رونے کا نہیں میرا دل دیکھ، نسیمہ جیسی بیٹی جس کو کبھی دم بھر کے واسطے آنکھ سے اوجھل نہ کیا آج مجھکو روتا چھوڑ اپنا گھر الگ بسا رہی ہے۔

نسیمہ بیگم میں تمہارے پاس نہ سہی ساتھ نہ سہی تم کہیں سہی میں کہیں سہی مگر جب تک جیتی ہوں میرا دل میرا خیال سب تم میں ہے۔ جانتی ہوں تکلیف و مصیبت میں نے کیوں اپنے سر لی۔ میں تم کو ایک زبردست امتحان میں بھیجتی ہوں اور ایک اجنبی شخص کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ اس امید پر دیتی ہوں کہ تم اپنی خدمت گزاری سلیقہ شعاری سے اسکو رضامند رکھو گی یہ وہ شخص ہے جس کے اوپر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے اور جس کے ساتھ عمر بسر کرنی ہے۔ تم اور وہ دو تو ملکر دنیا میں ایک آدمی سمجھے جاؤ گے۔ کہنے کو دو مگر اصل میں ہر ایک رنج میں دونوں شریک اور ہر خوشی میں دونوں ساتھی۔ تمہارے جہیز میں جوڑے اور زیور غرض جیسی میری حیثیت تھی اسکے موافق

ہوں اور مجھے جو کچھ کہنا تھا تنہائی میں کہتی تخلیہ میں کہتی مگر مجھے اس محفل میں بہت سی لڑکیاں نظر آ رہی ہیں جنکو بہت جلد میکے سے رخصت ہونا ہے اس لئے میری یہ تقریر ایک نصیحت و کلام ہو جائیگی"

"نسیمہ بیگم! آخر وہ دن آ گیا جس کے ڈر کے میں میری ساری ساری رات آنکھوں میں کٹی ہے۔ کل کی بات ہے کہ تم میری گود میں تھیں اور آج خدا کا شکر ہے دلہن بنی بیٹھی ہو۔ چودہ برس کا زمانہ خواب و خیال ہو گیا۔ اس وقت جو کچھ میری کیفیت ہے اور جس دل سے میں تم کو رخصت کر رہی ہوں وہ بیٹی والیوں ہی کے دل جان سکتے ہیں اور جو حالت تمہاری اس وقت ہو گی وہ میں خوب سمجھتی ہوں۔ کیونکہ تمہاری ہی طرح ایک دن میں بھی دلہن بنی تھی۔ ماں جیسی چاہنے والی۔ بہن بھائی جیسے پیار کرنیوالے۔ غرض سولہ برس کے رفیق و شفیق سب کو چھوڑ چھاڑ ایک ایسے محلہ میں آئی جہاں آج گھر کی ہوں گو ابتدا میں دل ضرور گھبرایا مگر رفتہ رفتہ وہ الجھن اور گھبراہٹ سب جاتی رہی جوں جوں دن بڑھتے گئے طبیعت لگتی گئی۔ میکے کا زمانہ زندگی کا کوئی حصہ نہ تھا۔ بلکہ کھیل کود کے دن تھے۔ غور سے دیکھو تو زندگی آج ہی سے شروع ہوئی اور میں اپنے ہاتھوں تمہارے کندھے پر ایک بڑی ذمہ داری کا بوجھ رکھتی ہوں۔ اس گھر سے چھوٹ کر اب تم کو ایسا گھر آباد کرنا ہے جہاں حق ہمسایہ ماں کا جایہ کوئی نہیں۔ جو ہے وہ نیا اور اجنبی۔ مگر سچ پوچھو تو زندگی میں تمکو جو کچھ کرنا ہے اس کا پہلا کام یہی ہے اور اصل بنیاد یہی۔ گو غیر لوگوں کے دل میں گھر کرنا مشکل ہو مگر تھوڑی ہمت کرو گی تو بیڑا پار ہے۔ میں بھگت چکی اور جانتی ہوں کہ رنگ برنگ کے لوگ طرح طرح کی بولیاں بولیں گے۔ مگر ان کا رام کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر عمر بھر راج کرنا۔ سب سے پہلا مرحلہ ساس نندوں کا ہے۔ جنکو نادان لڑکیاں دور سے ہی ان سے جان کا دشمن بنا لیتی ہیں۔ مگر مجھکو تمہاری دانشمندی اور دور اندیشی سے یقین ہے کہ تم اپنی ساس کی عزت مجھ سے زیادہ کرو گی۔ جس قدر تم نے میری اطاعت کی ہے میرا منہ نہیں کہ اس کی تعریف کروں۔ آج اتنی ہی اطاعت کی توقع پر میں تم کو سسرال بھیجتی ہوں! نسیمہ بیگم میں کہتی ہوں اور سچ کہتی ہوں کہ اگر ساس کی

ویسے ہی ہیں مگر ایک بیش بہا رقم بھی ساتھ جا رہی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس پر ہزاروں اور لاکھوں روپے اشرفیاں قربان۔ بتاؤ یہ کیا چیز ہے؟ یہ جوہر شرافت ہے۔ امیری فقیری تقدیر کے امر ہیں مگر شریف ماں باپوں کی بیٹیاں ہر حال میں خاوند کے ساتھ خوش ہیں۔ فاقے کریں پیوند لگائیں اور بڑوں کی عزت ہاتھ سے نہ دیں مٹنا ہوگا۔ لاج بھلوں کی بیٹیاں جو رکھیں پنچوں کی لاج۔

آج بھی جوہر شرافت تمہارا بڑا جہیز ہے اور مجھکو یقین ہے کہ چاہے تکلیف سے جان پر بن جائے اور فاقوں سے دم ناک میں آ جائے مگر اس جوہر کو ہاتھ سے نہ دوگی اور جب تک میں زندہ ہوں کبھی تمہاری شکایت میرے کان تک نہ آئیگی نہ کسی کی زبان تک۔ میری پرورش بھی ساری بیٹی بہن بھتیجی میں تیری بہت اچھی طرح نہ کر سکی، آہ نسیمہ اگر مجھ سے تربیت میں کوئی غفلت ہوئی یا کوئی تنبیہہ ناگوار گزری ہو تو معاف کیجیو نسیمہ بیگم تمہارا رنج چند روز میں بہل جائیگا۔ مگر پھوپی کے دل سے پوچھو جسکا بھرا گھر آج سونا ہو گیا۔"

اتنا کہکر سنجیدہ نے سمدھن کی طرف رخ کیا۔ اور کہنے لگی۔

"لو یہ چودہ برس کی امانت تمہارے سپرد ہے صاحب اولاد ہو میرے دکھے ہوئے دل کی دعا ہے خدا تمکو بہو لیجانی نصیب کرے مگر میری بنگلے کی مینا اترے کلیجہ پر سوئی اور سینہ پر لوٹی ہے۔ میرے بڑے باپ کی لاج رکھنا اور اگر کوئی بات خلاف مزاج ہو تو معاف کر دینا۔ کیا کروں دنیا کا یہی دستور ہے ہیں ان کو میں نے بھی پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دے اپنے ہاتھ جھاڑ خالی ہاتھ ہو بیٹھوں نسیمہ بیگم او چودہ برس کی کھلائی خدمتگار پھوپی اور بڑے نام ماں کے کلیجہ سے لگو اور بسم اللہ کہکر اپنے گھر سدھارو الٰہ العالمین! اے بن باپ کی بچی نسیمہ جسکو آج میں تیرے توکل پر وداع کرتی ہوں تیرا بیڑہ پار ہو۔ ارحم الراحمین اس کٹھن منزل میں تو ہی مددگار ہے دنیا کی بہار اسکے واسطے موجود ہو اور زندگی جسکی اسوقت صبح ہو رہی ہے آبرو کے ساتھ بسر ہو جائے۔

وداع کا سماں یوں ہی درد انگیز تھا اس پر سنجیدہ کی تقریر، ہچکیاں بندھ گئیں۔ اسی مصرف کے بعد سامان نکلکر باہر آیا۔ اور نسیمہ بیگم گم سم ماں کو خاموش پھوپی کو بیقرار جہانوں کو روتا چھوڑ ظاہری اسباب کے ساتھ دعاؤں کا بھاری جہیز لیکر سسرال سدھاریں۔